اصطلاحاتِ حدیث

تعریف اور تشریح

ڈاکٹر محمود الطحان
پروفیسر امام محمد بن سعود یونیورسٹی
سعودی عرب

ادارۂ معارفِ اسلامی
منصورہ ○ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ادارہ معارف اسلامی لاہور

یہ ادارہ اسلامی علوم و معارف کی ترویج و تحقیق کے لئے قائم کیا گیا ہے۔ اس کی بنیاد دور حاضر کے عظیم مفکر، قائد تحریک اسلامی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمتہ اللہ علیہ نے جولائی ۱۹۶۳ء میں رکھی تھی اور اس کا پہلا مرکز کراچی میں قائم کیا گیا تھا۔ بعد ازاں فروری ۱۹۷۹ء میں مولانا مرحوم نے لاہور کو اس کا دوسرا مستقر بنایا۔ اب کراچی اور لاہور کے ادارہ معارف اسلامی کے دونوں مرکز داخلی طور پر خود مختارانہ اور مقصدی اور آئینی طور پر ہم آہنگی سے کام کر رہے ہیں۔

عصر حاضر کے تقاضوں کی رعایت سے بلند پایہ لٹریچر شائع کرنے کے علاوہ محترم موسس کے پیش نظر خاص مقصد یہ تھا کہ اسلامی موضوعات پر کام کرنے والے مصنفین اور محققین کے لئے ایسا ساز گار اور پر سکون ماحول مہیا کیا جائے جس میں وہ پورے انہماک اور فراغت کے ساتھ اپنی کوششیں جاری رکھ سکیں۔

بحمدللہ اپنے یوم تشکیل ہی سے یہ ادارہ ان دونوں مقاصد کے لئے نہایت خوبی سے کام کر رہا ہے۔ اب تک جو منصوبے زیر عمل آچکے ہیں ان کا مجمل ساخاکہ یہ ہے:

۱ - مختلف موضوعات کی بہت سی بلند پایہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور یہ سلسلہ تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے۔

۲ - ایسے مصنفین کا پر خلوص تعاون حاصل کرنے میں نمایاں کامیابی حاصل ہوئی ہے جو نئی کتابیں تصنیف کرنے اور دیگر زبانوں کی اہم کتابیں اردو میں ترجمہ کرنے کے علاوہ اردو زبان میں شائع شدہ بہترین کتابوں کو عربی، انگریزی، فارسی، فرانسیسی، جرمن اور سواحلی زبانوں میں منتقل کرنے کا کام کر رہے ہیں۔ ایسی کتابوں میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی کتب کو اولیت کا درجہ حاصل ہے۔

۳ - مصنفین، محققین اور طلبا کے استفادے کے لئے ایک لائبریری کی بنیاد رکھ دی گئی ہے جس میں اردو کے علاوہ عربی اور دوسری زبانوں کی ضروری کتابیں جمع کی جارہی ہیں۔

۴ - اردو اور انگریزی کے اخبارات و جرائد کے تراشوں سے بہت احتیاط اور توجہ کے ساتھ ایسا ریکارڈ تیار کیا جارہا ہے جس سے کسی بھی موضوع پر کام کرنے والے مصنفین اور محققین استفادہ کر سکتے ہیں۔

ان مساعی کو بہت وقیع قرار نہیں دیا جا سکتا لیکن یہ بات اعتماد سے کہی جا سکتی ہے کہ ملت اسلامیہ جن مشکلات و مسائل سے دوچار ہے ان سے عہدہ برآ ہونے اور اتحاد و ترقی کی کوششوں کو آگے بڑھانے میں یہ حقیر مساعی ضرور معاون ثابت ہوں گی اور انشاء اللہ ان میں روز بروز اضافہ ہوتا جائے گا۔

اصطلاحاتِ حدیث

تعریف اور تشریح

ڈاکٹر محمود الطحان

پروفیسر امام محمد بن سعود یونیورسٹی

سعودی عرب

ترجمہ : مولانا مظفر حسین ندوی

ادارۂ معارف اسلامی

منصورہ ○ لاہور

نام کتاب	:	تیسیر مصطلح الحدیث
نام اردو ترجمہ	:	اصطلاحات حدیث
مصنف	:	ڈاکٹر محمود الطحان
مترجم	:	مولانا مظفر حسین ندوی
نظر ثانی	:	تاج الدین ازہری، مولانا عبدالقیوم
ناشر	:	ادارہ معارف اسلامی۔ منصورہ لاہور
مطبع	:	مکتبہ جدید پریس، ۹ ریلوے روڈ، لاہور
قیمت	:	۱۲۵ روپے
بار اول	:	(۱۰۰۰) جولائی ۱۹۹۰ء

تقسیم کنندہ :

المنار بک سنٹر

منصورہ ۔ ملتان روڈ ۔ لاہور۔ پوسٹ کوڈ نمبر 54570 پاکستان

فون 430032-33

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقدیم

علم حدیث بحرِ بے کراں ہے۔ عہد صحابہ سے لے کر آج تک امت نے اس میدان میں اس قدر خدمات سرانجام دی ہیں کہ انہیں حیطۂ تحریر میں نہیں لایا جا سکتا۔ بعض کم سواد لوگ اس علم کے حقائق و دقائق سے نابلد ہونے کی وجہ سے خود حدیث کے بارے میں شکوک و شبہات بیان کرنے پر اتر آئے۔ اسلامی معاشرے کی تشکیل و تعمیر اور امت مسلمہ کی ترقی و عروج اور شریعت اسلامی کے استحکام میں کتاب اللہ کے بعد سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر معمولی کردار ادا کیا ہے۔ علمائے حدیث نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری سیرت کو انتھک جدوجہد کے ساتھ محفوظ کر کے امت کو ایک ایسا ابدی آئینہ فراہم کر دیا جس کے اندر امت ہر دور میں اپنے محاسن بھی اور اپنے عیوب بھی دیکھ سکتی ہے۔ اور امت کو دنیا میں عروج و عظمت اس وقت حاصل ہو گا جب وہ حدیث رسولؐ کو حرز جان بنائے گی۔

علم حدیث ایک علم کا نہیں، بلکہ متعدد علوم کا نام ہے۔ ان علوم کی ضرورت اس لئے پیدا ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت خواہ وہ قولی حدیث ہو، یا عملی نمونہ یا تقریر و توثیق کے قبیل میں سے اپنی اصل صحت کے ساتھ منظر عام پر آ جائے اور اس میں ہر ممکن طریقے سے خطاء و ضعف کا احتمال نہ رہنے دیا جائے۔ اس سلسلے میں اصحاب حدیث و ارباب روایت کی طرف سے مندرجہ ذیل علوم مدون کئے گئے:

۱۔ علم الجرح والتعدیل۔ اس میں یہ بحث کی گئی ہے کہ راوی کے ثقہ ہونے کی شروط کیا ہیں اور ضعف کے اسباب کیا ہیں۔ اس علم پر ابو حاتم بن حبان بستی سے لے کر ابن حجر عسقلانی اور سیوطی و ابن

جوزی تک نے لا تعداد کتابیں لکھی ہیں۔ ایک طرف ثقہ راویوں کی فہرستیں مرتب کی گئی ہیں اور دوسری طرف ضعفاء کا ذکر کیا گیا ہے۔

۲۔ معرفۃ الصحابہ۔ اس علم کی بدولت صحابہ کے اصل ناموں اور ان کے القاب کی تحقیق کی گئی ہے۔ حاکم کہتے ہیں: "جو معرفت صحابہ میں گہری بصیرت حاصل کر لے وہ حدیث کا حافظ کامل ہو جاتا ہے۔" اس موضوع پر بھی ضخیم کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ابن حبان، ابو نعیم اصفہانی، ابن عبد البر اور ابن اثیر کی کتابوں نے اس علم کو بے حد فروغ دیا ہے۔

۳۔ علم تاریخ الرواۃ: اس میں راویوں کی تاریخ پیدائش و وفات، ان کے شہر بشہر سفر، ان کے دیار اور ان کے عام حالات بیان کئے گئے ہیں۔ مثلاً فلاں راوی کب پیدا ہوا، کتنی عمر میں اس نے حدیث کا سماع کیا، فلاں شہر یا بستی میں کب گیا، کس سے سنا، کس سے ملا اور کس سے نہ مل سکا۔ اس علم نے دروغ گوئی اور وضع روایت کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا ہے۔

۴۔ معرفۃ الاسماء والکنی والالقاب: راویوں کے نام اور کنیتوں کی تحقیق کی گئی ہے۔ کبھی راوی اپنے اصل نام سے معروف ہوتا ہے اور کبھی کنیت یا لقب میں مشہور ہو جاتا ہے۔ ایک ہی نام کے متعدد راوی ہو سکتے ہیں۔ ان میں امتیاز قائم کیا جاتا ہے۔ پانچ عنوانات کے تحت اس میں تحقیق کی جاتی ہے: متفق و متفرق موتلف و مختلف اور متشابہ۔

۵۔ علم تاویل مشکل الحدیث۔ حدیث کے مشکل مقامات حل کرنا۔ سب سے پہلے امام شافعی رحمتہ اللہ نے اس علم پر کلام کیا۔

۶۔ معرفۃ الناسخ والمنسوخ: یہ تحقیق کرنا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں سے ناسخ کون سی ہے اور منسوخ کونسی۔ اگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وقت میں ایک کام کیا اور دوسرے وقت اس کے برعکس کام کیا تو دوسرا کام ناسخ اور پہلا منسوخ سمجھا جائے گا۔ اور یہ تحقیق لازم ہے کہ آپؐ نے پہلے کونسا کام کیا ہے۔ یہ نہایت اہم اور نازک علم ہے۔

۷۔ معرفۃ غریب الحدیث۔ احادیث کے غامض اور غیر واضح الفاظ کی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کو سامنے رکھتے ہوئے تشریح و تاویل۔

۸۔ معرفۃ علل الحدیث۔ سند و روائت کے لحاظ سے حدیث رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں ابھر آنے والی علل اور کمزوریوں کو اجاگر کیا جاتا ہے۔

۹۔ معرفۃ الموضوعات و کشف حال الوضاعین: موضوع اور جھوٹی احادیث کی تحقیق اور انہیں امت کے سامنے نمایاں کر دینا، تاکہ ان سے بچا جائے، نیز جن لوگوں نے یہ کارنامہ مسعود سرانجام دیا ہے ان کا تعارف اور ان کے حالات بھی بیان کر دیئے جائیں، تاکہ اہل علم چور اور چوری کے مال

سے آگاہ ہو جائیں۔

۱۰۔ علم مصطلح الحدیث: حدیث کی اصطلاحات کا علم۔ یہ علم مشکل بھی ہے اور عمیق ہے۔ احادیث کا مطالعہ اور ان سے استنباط و استخراج اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک اصطلاحات حدیث کا پورا درک نہ ہو جائے۔

زیر نظر کتاب اسی علم پر مشتمل ہے۔ اس کے مصنف عالم عرب کے نامور محدث ڈاکٹر محمود الطحان ہیں، جو اب تک متعدد جامعات میں اس علم کو پڑھا چکے ہیں۔ ہمیں خوشی ہے کہ ہم ان کی ایک ایسی کتاب کو اردو میں پیش کر رہے ہیں جو اس وقت متعدد یونیورسٹیوں کے نصاب میں شامل ہے اور اسے اہل علم اور طلباء کے اندر بڑی قبولیت حاصل ہوئی ہے۔

اس کتاب کا ترجمہ ہمارے قدیم دوست مظفر حسین ندوی (مظفر آباد) نے کیا ہے۔ چونکہ کتاب بہت دقیق اور علمی اسلوب رکھتی ہے اس لئے اس کی پہلی نظر ثانی تاج الدین، ازھری (استاذ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد) اور دوسری مکمل اور بھرپور نظر ثانی مولانا عبدالقیوم (فیصل آباد) نے کی ہے۔ اس لحاظ سے یہ ترجمہ اب نہایت قابل اعتماد ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مصنف، مترجم اور مراجعین کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

خاکسار

خلیل احمد حامدی

۲۴ر فروری ۱۹۹۰ء

(ڈائرکٹر، ادارہ معارفِ اسلامی، لاہور)

مقدمہ

للہ الحمد کہ اس نے قرآن مجید نازل کر کے انسانوں پر احسانِ عظیم کیا اور قیامت تک اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود لے لی۔ نیز اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی حفاظت کو قرآنِ مجید کی حفاظت کا تتمہ قرار دیا۔

صلوٰۃ و سلام ہو ہمارے آقا اور نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ جنھیں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب کی منشائے الٰہی کے مطابق تشریح و توضیح کی ذمہ داری سونپی گئی۔ ارشاد باری ہے (و انزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیھم ولعلھم یتفکرون اور ہم نے یہ ذکر تم پر نازل کیا تاکہ تم لوگوں کے سامنے اس تعلیم کی تشریح و توضیح کرتے جاؤ جو ان کے لئے اتاری گئی۔ سورۃ النحل، آیت نمبر ۴۴) چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اقوال، افعال اور تقریرات یعنی تائید و توثیق کے ذریعے واضح اور بلیغ انداز میں قرآنی آیات و احکام کی تشریح و توضیح فرماتے رہے۔

اللہ تعالیٰ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے راضی ہو جنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنت نبوی کو سیکھنے کے بعد نہ صرف اسے محفوظ کر لیا بلکہ کسی تحریف و تبدیلی کے بغیر اسے من و عن مسلمانوں کو منتقل کر دیا۔

اللہ تعالیٰ سلف صالحین پر اپنی رحمت نازل کرے اور مغفرت سے نوازے جنھوں نے سنت مطہرہ کو ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل کرنے کا کارنامہ سرانجام دیا۔ اور نقل و روایت کے اس عمل کو باطل پرستوں کی تحریفات سے پاک رکھنے کے لئے دقیق قواعد و ضوابط مرتب کئے۔

سلف صالحین کی مسند ارشاد سنبھالنے والے علمائے کرام کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے جنھوں نے اپنے اساتذہ سے روایت کے قواعد و ضوابط کا علم حاصل کیا اور انہیں بہتر انداز سے سنوارنے اور مرتب کرنے کے بعد مستقل تصانیف اور فن کی شکل دے دی جسے آگے چل کر علم مصطلح الحدیث کا نام دیا گیا۔

چند سال قبل مجھے مدینہ منورہ کی اسلامی یونیورسٹی کے شریعت کالج میں فن "مصطلح الحدیث" کی تدریس کی خدمت سپرد کی گئی۔ نصاب میں پہلے ابن الصلاح کی کتاب "علوم الحدیث" کی تدریس شامل تھی، بعد میں اس کی بجائے نووی کی کتاب "التقریب" مقرر کی گئی جو دراصل ابن الصلاح

کی مذکورہ بالا کتاب کا اختصار تھی۔ ان دونوں کتابوں کی تدریس کے دوران میں نے محسوس کیا کہ طلبہ کو ان کے مباحث مرتب اور منظّم طور پر اخذ کرنے میں دقتیں پیش آتی ہیں ـــــ اگرچہ ان دونوں کتابوں کے علمی پایہ اور کثرت مواد میں کوئی کلام نہیں تاہم درج ذیل خامیوں سے کوئی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اول بعض مباحث میں بے جا طوالت خاص کر ابن الصلاح کی کتاب "علوم الحدیث" میں، ۲۔ دوم، بعض مباحث میں بے جا اختصار خاص کر نووی کی کتاب "التقریب" میں، ۳۔ سوم، عبارت کی پیچیدگی، چہارم بعض مباحث کا تشنۂ تکمیل رہ جانا، مثلاً کسی اصطلاح کی تعریف یا مثال کا سرے سے غائب ہونا یا کسی بحث سے حاصل ہونے والے فائدے کا ذکر نہ ہونا یا اس فن سے متعلق مشہور تصانیف کی نشاندہی نہ کرنا وغیرہ۔ ان دونوں حضرات کے علاوہ متقدمین میں سے جن لوگوں نے اس فن پر قلم اٹھایا ہے ان کی تصانیف میں بھی مجھے یہی خامیاں نظر آئیں۔ بلکہ بعض تو پورے علوم حدیث کا احاطہ کرنے سے قاصر رہے اور بعض میں موضوع کی ترتیب و تہذیب کا فقدان رہا۔ ان حضرات کی طرف سے یہ عذر پیش کیا جا سکتا ہے کہ جن امور کا انہوں نے تذکرہ نہیں کیا دراصل وہ ان کے نزدیک پوری طرح واضح تھے اس لئے انہوں نے اس پر قلم اٹھانا ضروری نہیں سمجھا یا جن مباحث کا انہوں نے بڑی طوالت کے ساتھ ذکر کیا ہے ان کا زمانہ اس طوالت کا متقاضی تھا۔ یا کچھ اور وجوہات تھیں جن کا ہمیں علم نہیں۔

اس صورت حال کے پیش نظر میں نے مناسب سمجھا کہ شریعت کالجوں میں تعلیم پانے والے طلبہ کے لئے علوم حدیث پر مشتمل ایک آسان سی کتاب تصنیف کروں جس سے ان طلبہ کے لئے فن حدیث کے قواعد و اصطلاحات کی فہم آسان ہو جائے، اس تصنیف کی یہ صورت ہو کہ ہر بحث کو چند نمبر وار مسلسل پیروں میں تقسیم کر دیا جائے، ابتدا تعریف سے کی جائے پھر مثال دی جائے اور پھر اس کی اقسام بیان کی جائیں اور اختتامی پیرے میں مشہور تصانیف کا تذکرہ کیا جائے۔ عبارت سہل ہو، اسلوب بیان واضح اور انداز علمی ہو۔ جس میں کوئی پیچیدگی ہو نہ کوئی گنجلک۔

اپنی اس کتاب میں میں نے اختلاف اور اختلافی اقوال کے ذکر اور مسائل کو پھیلا کر بیان کرنے سے گریز کیا ہے تاکہ شریعت کالجوں اور اسلامک سٹڈیز کے کلیات کے نظام الاوقات میں اس مضمون کے لئے مقرر شدہ مختصر دورانئے کی پوری رعایت ہو جائے۔

میں نے اس کتاب کا نام "تیسیر مصطلح الحدیث" رکھا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ میری اس کتاب کے بعد اس فن کے علماء متقدمین کی کتابوں کے مطالعہ کی ضرورت باقی رہے گی بلکہ میرا مقصد تو یہ ہے کہ میری یہ کتاب ان کتب سابقہ کے لئے کلید کا کام دے۔ اور ان کے معانی کے فہم کو آسان کر دے۔ جبکہ ائمۂ حدیث اور علماء متقدمین کی تصانیف اس فن کے علماء اور ماہرین کے لئے حسب سابق مراجع

(Reference Books) بنی رہیں۔ اور ان علمی چشموں سے وہ ہمیشہ اپنی پیاس بجھاتے رہیں۔

میں یہاں یہ بیان کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ حالیہ زمانے میں بعض ریسرچ سکالروں کی تصانیف منظر عام پر آئی ہیں جن میں بڑی مفید معلومات ہیں۔ خصوصاً مستشرقین اور منحرفین کے شبہات کی تردید لیکن ان کتابوں میں بعض تو بڑی طویل ہیں اور بعض بہت مختصر اور بعض موضوع تشنہ کام ہے۔ اس لئے میں نے چاہا کہ میری یہ کتاب طوالت اور اختصار کی درمیانی کڑی بن کر اس موضوع کے تمام مباحث کا احاطہ کر لے۔

میری اس کتاب میں قاری کو جو نئی باتیں ملیں گی وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ تقسیم، اس سے مراد یہ ہے کہ ہر بحث کو نمبروار پیروں میں تقسیم کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے طلبہ کے لئے اس بحث کا فہم آسان ہو گیا ہے۔

۲۔ بحث کے عمومی ڈھانچے کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا مثلاً تعریف، مثال وغیرہ وغیرہ۔

۳۔ اصطلاحات حدیث کے تمام مباحث کو مختصر انداز میں سمیٹ لیا گیا ہے۔

اس کتاب کی تبویب و ترتیب میں میں نے ابن حجر کے طریقے سے استفادہ کیا ہے جو انہوں نے نخبۃ الفکر اور اس کی شرح کی ترتیب و تبویب میں اختیار کیا ہے۔ کیونکہ میری نظر میں ان کی ترتیب سب سے بہتر ہے۔ علمی مواد کے لئے میں نے ابن الصلاح کی کتاب ,علوم الحدیث, نووی کی کتاب ,التقریب, اور سیوطی کی کتاب ، تدریب، پر اعتماد کیا ہے۔

اس کتاب میں ایک مقدمہ اور چار ابواب ہیں۔ باب اول خبر کے متعلق، باب دوم جرح و تعدیل کے متعلق، باب سوم روایت اور اصول روایت کے متعلق اور باب چہارم اسناد اور رواۃ کی معرفت کے متعلق ہے۔

عزیز طلبہ کے لئے اپنی اس حقیر کوشش کو پیش کرتے ہوئے میں اپنی بے بضاعتی اور موضوع سے پوری طرح انصاف نہ کرنے کا اعتراف کرتا ہوں اور لغزش یا خطا سے اپنے آپ کو مبّرا نہیں ٹھہراتا۔ اگر کسی کو اس کتاب میں کسی لغزش یا خطا کا علم ہو جائے تو مجھے اس کی اطلاع دے کر شکریئے کا موقع دے تاکہ میں اس کا ازالہ کر سکوں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید کرتا ہوں کہ وہ اس کتاب کو عزیز طلبہ اور علم حدیث سے تعلق رکھنے والوں کے لئے نافع بنا دے گا۔ اور اسے خالص اپنی رضا کا ذریعہ قرار دے گا۔

علم المصطلح کی مختصر تاریخ۔

مختلف مراحل

اس موضوع پر ریسرچ کرنے والا سکالر اس حقیقت کا آسانی سے پتہ چلا سکتا ہے کہ علم روایت اور نقلِ اخبار کی بنیادیں اور اساسی ارکان اللہ تعالیٰ کی کتاب اور سنت نبوی میں موجود ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد باری ہے۔ (یاایھاالذین آمنوان جاءکم فاسق بنباٍفتبینوا ۔ اے ایمان والو اگر کوئی فاسق آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔ سورۃ الحجرات، آیت نمبر۶) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت منقول ہے کہ (اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے ہم میں سے کوئی بات سنی اور اسے جوں کی توں دوسروں تک پہنچا دی، بسا اوقات بات جسے پہنچائی جاتی ہے وہ پہنچانے والے سے بڑھ کر محفوظ کر لیتا ہے ۶؎) ایک روایت میں ہے۔ (بسا اوقات سمجھ بوجھ رکھنے والا کوئی شخص دین کی کوئی بات سن کر ایسے شخص کو پہنچا دیتا ہے جو اس سے بڑھ کر سمجھ دار ہوتا ہے اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ پہنچانے والا شخص سرے سے ہی دین کی سمجھ بوجھ سے عاری ہوتا ہے۔)۷؎

درج بالا قرآنی آیات اور حدیث شریعت میں خبروں کو قبول کرنے کے متعلق حقیقت کی جستجو کرنے، پوری ہوشمندی سے انہیں ذہن نشین کر کے محفوظ کر لینے اور دوسروں تک پہنچانے میں باریک بینی سے کام لینے کی اساس اور بنیاد موجود ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اللہ اور اس کے رسول کا فرمان بجا لاتے ہوئے، اخبار یعنی احادیث اور احکام شرعیہ کو قبول کرنے اور دوسروں تک انہیں پہنچانے کے سلسلے میں بہت زیادہ احتیاط کرتے تھے، خاص کر جب ناقل یعنی پہنچانے والے کی راست گوئی کے متعلق شبہ ہوتا۔ اسی بنیاد پر اخبار و احادیث کو قبول کر لینے یا مسترد کر دینے کے لئے ایک نئے موضوع کی بنیاد پڑی جسے اسناد یعنی خبر کو نقل کرنے والے ذرائع کا بیان کہتے ہیں۔ اس سلسلے میں اسناد کو بڑی اہمیت حاصل ہو گئی۔ مسلم شریف کے مقدمے میں ابن سیرین کا قول نقل کیا گیا ہے کہ "لوگ اسناد کے متعلق استفسار نہیں کرتے تھے لیکن جب فتنوں کا دور آ گیا (اور مسلمانوں میں تحزب یعنی گروہ بندی کی بنیاد پڑ گئی) تو لوگ

حدیث کی روایت کرنے والے سے کہتے کہ جن واسطوں سے تم یہ حدیث بیان کر رہے ہو پہلے ان کے نام بتاؤ. پھر دیکھا جاتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے والے اہل السنۃ ہیں (یعنی خوارج یا شیعہ وغیرہ نہیں) تو ان کی حدیث قبول کر لی جاتی اور اگر واسطوں کا تعلق اہل البدع (یعنی باطل فرقوں) سے ہوتا تو حدیث قبول نہ کی جاتی "۸۔

جب واسطوں یعنی سند کی معرفت کے حدیث کو ل نہ کرنے کی بنیاد پڑ گئی تو اسکی بنا پر جرح وتعدیل (راویوں کی چھان بین) راویوں کے متعلق رائے زنی سند متصل اور سند معرفت اور روایت کے مخفی فنی نقائص کی پہچان کا علم وجود میں آ گیا۔ نیز بعض راویوں پر تنقید بھی ہوئی۔ لیکن اس قسم کے لوگوں کی تعداد بہت کم تھی۔ اس لئے کہ ابتدائی دور میں ایسے راوی انگلیوں پر گنے جاسکتے تھے۔ جنہیں تنقید کا نشانہ بنایا گیا تھا۔

علماء نے اس دائرے کو اور ذرا وسیع کر دیا جس کے نتیجے میں حدیث کے مختلف پہلوؤں مثلاً ضبط یعنی حفظ الفاظ حدیث، محفوظ طریقے سے دوسروں تک پہنچانے کی کیفیت. ناسخ و منسوخ اور حدیث غریب کی شناخت وغیرہ سے تعلق رکھنے والے بہت سے علوم پر بحث کا آغاز ہو گیا۔ تاہم بحث وتمحیص کا یہ سارا عمل اہل علم کے درمیان زبانی طور پر جاری رہا۔

پھر بات آگے بڑھی اور یہ علوم ضبط تحریر میں آنے لگے لیکن ابتدا میں متفرق کتب میں بکھرے ہوئے تھے اور دوسرے علوم مثلاً علم الاصول، علم الفقہ اور علم الحدیث پر لکھی جانے والی کتابوں میں درج ہوتے رہے، کتاب الرسالۃ اور کتاب الام اس سلسلے میں بطور مثال پیش کی جا سکتی ہیں۔ چوتھی صدی ہجری میں جب علوم و فنون کی پختگی اور شباب کا دور شروع ہوا، اصطلاحات ایجاد ہوئیں اور ہر علم و فن کو مستقل حیثیت حاصل ہو گئی تو علماء نے علم المصطلح کو مستقل تصنیف کی شکل دے دی۔ اس موضوع پر سب سے پہلے جس نے قلم اٹھایا وہ قاضی ابو محمد حسن بن عبدالرحمٰن بن خلاد رامہرمزی (المتوفی سنہ ۳۶۰ھ) تھے۔ ان کی کتاب کا نام المحدث الفاصل بین الراوی والواعی. تھا۔ علم المصطلح پر آج تک لکھی جانے والی مشہور کتابوں کا میں الگ تذکرہ کروں گا۔

علم المصطلح پر مشہور تصانیف

۱ - المحدث الفاصل بین الراوی والواعی:

اس کتاب کے مصنف قاضی ابو محمد حسن بن عبدالرحمٰن بن خلاد رامہرمزی ہیں۔ آپ کی وفات ۳۶۰ھ میں ہوئی۔ چونکہ آپ نے ایک نئے موضوع پر تحریر کا دروازہ کھولا تھا اس لئے اپنی تصنیف میں اس موضوع کے تمام پہلوؤں کا احاطہ نہیں کر سکے۔ نئے موضوع پر لکھنے والے کی یہی کیفیت ہوتی ہے۔

۲ - معرفۃ علوم الحدیث:

یہ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری کی تصنیف ہے۔ آپ کا انتقال ۴۰۵ھ میں ہوا تھا۔ اس کتاب میں مباحث کو مناسب فنی انداز میں مرتب و مدون کر کے پیش نہیں کیا گیا ہے۔

۳ - المستخرج علی معرفۃ علوم الحدیث:

ابو نعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی اس کتاب کے مصنف ہیں۔ سن وفات ۴۳۰ھ ہے۔ حاکم نیشا پوری کی کتاب "معرفۃ علوم الحدیث" میں اس فن کے جو قواعد ضبط تحریر میں نہیں آ سکے تھے ابو نعیم نے اپنی اس کتاب میں انہیں درج کیا۔ تاہم ان میں سے بھی بہت سی باتیں رہ گئیں جو بعد میں آنے والے اہل علم کو دعوت تحریر دیتی رہیں۔

۴ - الکفایہ فی علم الروایہ:

اس کتاب کے مصنف ابو بکر احمد بن علی بن ثابت ہیں۔ جو خطیب بغدادی کے نام سے علمی حلقوں میں معروف ہیں۔ آپ کی وفات ۴۶۳ھ میں ہوئی۔ یہ کتاب اس فن کے مسائل اور روایت کے قواعد کا بیش بہا ذخیرہ ہے۔ اور اسے فن کے اہم ترین مصادر میں شمار کیا جاتا ہے۔

۵ - الجامع لاخلاق الراوی و آداب السامع:

اس کے مصنف بھی خطیب بغدادی ہیں۔ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، روایت کے آداب سے بحث کی گئی ہے، یہ اپنے لحاظ سے ایک منفرد کتاب ہے۔ اس کے مندرجات اور مباحث بڑے قیمتی ہیں۔ علوم حدیث کی کوئی شاخ ایسی نہیں ہے جس میں خطیب بغدادی کی کوئی مستقل تصنیف موجود نہ ہو۔ حافظ ابو بکر بن نقطہ کے قول کے مطابق ہر انصاف پسند کو اس بات کا علم ہے کہ خطیب بغدادی کے بعد آنے والے محدثین ان کی تصانیف کے محتاج ہیں۔

۶ - الالماع الی معرفۃ اصول الروایہ وتقیید السماع:

قاضی عیاض بن موسیٰ الیحصبی المتوفی ۵۴۴ھ، نے یہ کتاب لکھی ہے۔ اس کتاب میں علم المصطلح

کے تمام مباحث پر روشنی نہیں ڈالی گئی ہے بلکہ بحث کا دائرہ صرف تحمل و ادائے حدیث کی کیفیت اور اس سے متعلقہ امور تک محدود رکھا گیا ہے۔ تاہم یہ کتاب اس باب میں ایک عمدہ تصنیف ہے، اس کی ترتیب و تنسیق بھی اعلیٰ ہے۔

۷ - مالایسع المجتہد جہلہ:

اسے ابو حفص عمر بن المجید میانجی المتوفی ۵۸۰ھ، نے، تصنیف کیا ہے۔ یہ ایک مختصر کتاب ہے جس کا کوئی بڑا فائدہ نہیں۔

۸ - علوم الحدیث:

اس کتاب کے مصنف ابو عمر عثمان بن عبدالرحمٰن شہرزوری ہیں جو ابن الصلاح کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کی وفات ۶۴۳ھ میں ہوئی تھی۔ یہ کتاب اہل علم میں ,مقدمہ ابن الصلاح، کے نام سے معروف ہے۔ علم المصطلح میں یہ عمدہ ترین تصانیف میں سے ایک ہے۔ مصنف علام نے اس کتاب میں خطیب بغدادی اور ان سے پہلے کے مولفین کی تصانیف میں بکھرے ہوئے مواد کو یکجا کر دیا ہے۔ اس لئے یہ کتاب مفید معلومات کا ذخیرہ ہے۔ تاہم اس میں یہ نقص ہے کہ اسے مناسب انداز میں مرتب نہیں کیا گیا۔ کیونکہ مصنف نے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے املا کرایا تھا۔ جس کی وجہ سے حسنِ ترتیب سے عاری رہی۔ لیکن اس کے باوجود یہ کتاب بعد میں آنے والے علماء کی توجہ کا مرکز بنی رہی۔ اسے مختصر کیا گیا، شعری قالب میں بھی ڈھالا گیا، بعض اہل علم نے اس کی تردید اور بعض نے تائید میں کتابیں لکھیں۔

۹ - التقریب والتیسیر لمعرفۃ سنن البشیر والنذیر:

اس کتاب کی تصنیف محی الدین یحییٰ بن شرف المتوفی ۶۷۶ھ، نے کی ہے۔ یہ کتاب در حقیقت ابن الصلاح کی کتاب علوم الحدیث، کا اختصار ہے۔ یہ عمدہ کتاب ہے لیکن بعض مقامات پر اس کی عبارت بڑی مغلق اور پیچیدہ ہے۔

۱۰ - تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی:

علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابو بکر سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ، نے، یہ کتاب تالیف کی ہے۔ یہ دراصل نووی کی کتاب ,التقریب، کی شرح ہے جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے مولف نے اس کتاب میں اس فن کے متعلق بہت مفید معلومات جمع کر دی ہیں۔

۱۱ - نظم الدرر فی علم الاثر:

اس کتاب کے مولف زین الدین عبدالرحیم بن حسین عراقی ہیں۔ جن کی وفات ۸۰۶ھ میں ہوئی تھی۔ یہ کتاب ,الفیہ عراقی، کے نام سے مشہور ہے۔ مولف نے ابن صلاح کی کتاب ,علوم الحدیث، کو شعری قالب میں ڈھال دیا ہے۔ اور اس میں اضافہ بھی کیا ہے۔ بہت عمدہ کتاب ہے، مفید

معلومات کا بیش بہا ذخیرہ ہے۔ اس کی بہت سی شرحیں لکھی گئیں ہیں جن میں دو شرحیں خود مصنف کی ہیں۔

۱۲ - فتح المغیث فی شرح الفیۃ الحدیث:

یہ کتاب الفیہ عراقی، کی شرح ہے جسے محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی نے تالیف کیا ہے۔ سن ۹۰۲ھ میں ان کا انتقال ہوا تھا۔ یہ الفیہ عراقی کی جامع ترین شرحوں میں سے ایک ہے۔

۱۳ - نخبۃ الفکر فی مصطلح اہل الاثر:

حافظ ابن حجر عسقلانی، المتوفی ۸۵۲ھ، اس کتاب کے مصنف ہیں۔ یہ ایک مختصر سی کتاب ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے مولف نے ترتیب مواد اور تقسیم ابواب کا اچھوتا انداز اختیار کیا ہے۔ مولف نے اس کی شرحیں بھی خود لکھی ہیں جس کا نام نزہتہ النظر ہے۔ دوسرے اہل علم نے بھی اس کی شرحیں لکھیں ہیں۔

۱۴ - المنظومہ البیقونیہ:

یہ منظوم تصنیف عمر بن محمد بیقونی کی ہے۔ جن کی وفات ۱۰۸۰ھ میں ہوئی تھی، اس منظوم کتاب میں چونتیس اشعار سے زیادہ نہیں ہیں تاہم اسے ایک مفید منظوم تالیف شمار کیا جاتا ہے۔ جسے بڑی شہرت ملی۔ اس کی کئی شروح ہیں۔

۱۵ - قواعد التحدیث:

یہ محمد جمال القاسمی المتوفی ۱۳۳۲ھ کی تصنیف ہے۔ اسے ایک مفید تالیف کی حیثیت حاصل ہے۔

درج بالا تصانیف کے علاوہ بہت سی اور تصانیف ہیں جن کا ذکر طوالت کے خوف سے ترک کر دیا گیا ہے۔ اور صرف مشہور کتابوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے مولفین و مصنفین کو ہماری طرف سے بلکہ تمام مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر دے۔ آمین

بنیادی اصطلاحات کی تعریفیں

۱ - علم المصطلح:

وہ علم ہے جس کے ذریعہ سند و متن کے احوال کی معرفت حاصل کی جاتی ہے تاکہ حدیث کے قبول و عدم قبول کرنے کا فیصلہ کیا جا سکے۔

۲ - موضوع:

سند و متن کے متعلق قبول و عدم قبول کا فیصلہ کرنا۔

۳ - غایت:

اس علم کی غایت، صحیح و سقیم احادیث کے درمیان خط امتیاز کھینچنا ہے۔

۴ - الحدیث:

لغوی معنی جدید یا نئی چیز کے ہیں۔ جس کی جمع خلاف قیاس "احادیث" آتی ہے۔ اصطلاح میں ہر اس قول، فعل، تقریر ۹ ؎ اور صفت کو کہتے ہیں۔ جس کی نسبت حضورؐ کی طرف کی جاتی ہو۔

۵ - الخبر:

لفظی معنی تو عام خبر کے ہیں، جس کی جمع "اخبار" ہے۔ مگر اس کی اصطلاحی تعریف میں تین اقوال ہیں۔

ا) خبر بالکل حدیث کے ہم معنی لفظ ہے۔ یعنی خبر اور حدیث دونوں باہم مترادف ہیں،

ب) "خبر" کا مفہوم "حدیث" کے بالکل برعکس ہے، یعنی حدیث وہ کلام ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو، اور خبر وہ کلام ہے جو حضورؐ کے سوا کسی اور سے منقول ہو،

ج) "خبر" حدیث سے زیادہ عام لفظ ہے، یعنی حدیث اس کلام کو کہتے ہیں جو حضورؐ سے منقول ہو اور خبر وہ کلام ہے جو حضورؐ یا کسی بھی شخص سے منقول ہو۔

۶ - الاثر:

کے لفظی معنی ہیں، کسی چیز کا باقی نشان۔

اصطلاح میں اس کے دو قول ہیں، ایک یہ کہ یہ لفظ "حدیث" کے ہم معنی ہے، یعنی حدیث اور اثر دونوں باہم مترادف ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس لفظ کا مفہوم حدیث کے برعکس ہے۔ یعنی اثر وہ قول یا فعل ہے، جس کی نسبت صحابہ یا تابعین کی طرف کی گئی ہو۔

۷ - الاسناد:

اس کے دو مفہوم ہیں۔

ا) حدیث کی نسبت اس کے قائل کی طرف کرنا

ب) متن تک پہنچانے والے سلسلۂ سند کے رجال، اس طرح یہ لفظ بھی سند کے ہم معنی ہو جاتا ہے۔

۸ - السند:

لغت میں سند سہارے کو کہتے ہیں۔ "سند" کو اس لئے سند کہا جاتا ہے کہ اس سند کے ذریعہ جو حدیث مروی ہوتی ہے اس کی ثقاہت کا انحصار اسی سند پر ہوتا ہے، اصطلاح میں سند اس سلسلہ رجال کو کہتے ہیں جو متن حدیث تک پہنچا دے۔

۹ - المتن:

زمین کا وہ سخت حصہ جو سطح سے کچھ بلند ہو، اصطلاح میں کلام کا حصہ مراد ہے جس پر سند ختم ہو جائے۔

۱۰ - المسند: (نون مفتوح کے ساتھ)

اسند سے اسم مفعول ہے یعنی جس کی طرف کوئی جز منسوب ہو، اصطلاحاً تین معنوں کے لئے بولا جاتا ہے۔

ا) ہر وہ کتاب جس میں ہر صحابی کی الگ الگ مرویات جمع کی گئی ہوں۔

ب) ہر وہ مرفوع حدیث جو سنداً متصل ہو۔

ج) اس سے سند مراد لی جائے، ایسی صورت میں مصدر میمی بمعنیٰ اسناد ہو کر سند ہی کے ہم معنی ہو گا۔

۱۱ - المسنِد: (نون مکسور کے ساتھ)

وہ شخص جو سند کو حدیث کے ساتھ روایت کرے، خواہ وہ اس حدیث کا علم رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو۔

۱۲ - المحدث:

اس سے مراد وہ شخص ہے جس کا مشغلہ روایت و درایت کے اعتبار سے علم حدیث اور اُسے اکثر روایات اور ان کے رواۃ کے احوال کا علم ہو

۱۳ - الحافظ:

اس کے متعلق دو قول ہیں۔

ا) اکثر محدثین کے نزدیک یہ لفظ "محدث" کے ہم معنی ہے،

ب) یہ کہ حافظ کا درجہ محدث سے قدرے بلند ہے، اس لئے اسے محدثین کے ہر طبقہ میں سے اکثر کا علم ہوتا ہے۔

۱۴ - الحاکم:

بعض اہل علم کی رائے میں حاکم اس محدث کو کہیں گے جس کا علم جملہ احادیث پر محیط ہو اور جو احادیث اس کی گرفت سے باہر ہوں ان کی تعداد بہت مختصر ہو۔

۱۔ اس علم کو "علم الحدیث درایۃ" "علوم الحدیث" اور "اصول الحدیث" کے ناموں سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔

۲۔ مثلاً سماع حدیث کی کیفیت اور ضبط حدیث کی معرفت کی بحث جسے مصنف نے ۴۶ صفحات پر پھیلا دیا ہے

۳۔ مثلاً حدیث ضعیف کی بحث جو صرف انیس کلمات پر مشتمل ہے

۴۔ مثلاً حدیث مقلوب کی بحث جس میں نووی نے صرف اتنا تحریر کیا ہے کہ "مقلوب یہ ہے کہ مثلاً ایک مشہور حدیث معالم سے مروی ہے اس کی روایت نافع سے اس لئے کی گئی کہ لوگوں میں رغبت پیدا ہو۔ اہل بغداد نے امام بخاری کے سامنے سو حدیثیں مقلوب صورت میں پیش کیں۔ مقصد یہ تھا کہ امام بخاری کا امتحان لیا جائے، آپ نے ان احادیث کو درست اسانید کے ساتھ انہیں سنا دیا جس پر تمام لوگ آپ کے فضل کے معترف ہو گئے"

۵۔ میں نے مباحث کی اس طرح تقسیم کا طریقہ اپنے بزرگ سے سیکھا ہے مثلاً مصطفیٰ الزرقاء نے اپنی کتاب الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید، ڈاکٹر معروف دوالیبی نے اپنی کتاب اصول الفقہ اور ڈاکٹر محمد کی عبد البر نے کتاب الهدایۃ پر ہم طلبہ کے لئے تیار کردہ نوٹس میں، جبکہ ہم دمشق یونیورسٹی کے شریعت کالج میں طالب علم تھے، یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ موضوع کی اس اچھوتی تقسیم کا ان علوم کے فہم پر بڑا گہرا اثر پڑا، اور ہمارے لئے مباحث کو سمجھنا آسان ہو گیا جبکہ اس سے پہلے انھیں سمجھنے میں ہمیں بڑی مشکلات پیش آتی تھیں۔

۶۔ ترمذی شریف ۔ کتاب العلم، امام ترمذی نے اس حدیث کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ حسن اور صحیح حدیث ہے

۷۔ حوالہ سابق تاہم امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔ امام ابو داؤد، امام احمد اور امام ابن ماجہ نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے۔

۸۔ مقدمہ صحیح مسلم

۹۔ تقریر سے مراد وہ فعل ہے جو نبی اکرمؐ کے سامنے کیا گیا آپ نے نہ تو اس کے کرنے کا حکم دیا اور نہ ہی اس سے روکا بلکہ اس پر سکوت اختیار فرمایا۔

پہلا باب

فصل اول

ہم تک پہنچنے کے لحاظ سے خبر کی تقسیم

ہم تک پہنچنے کے لحاظ سے خبر کی دو قسمیں ہیں، خبر متواتر اور خبر آحاد

۱۔ اگر خبر کی روایت کے سلسلوں میں تعداد متعین نہ ہو تو اسے خبر متواتر کہیں گے۔

۲۔ اگر خبر کی روایت کے سلسلوں کی تعداد متعین ہو تو اسے خبر احاد کہیں گے۔

ان دونوں میں سے ہر قسم کی متعدد اقسام اور تفصیلات ہیں۔ انشاء اللہ آگے چل کر پوری شرح و بسط کے ساتھ ان کا ذکر کریں گے۔ پہلے ہم خبر متواتر پر گفتگو کرتے ہیں۔

بحث اول

خبر متواتر

۱۔ متواتر کی تعریف

ا) لغوی تعریف: یہ لفظ مصدر تواتر سے مشتق ہو کر اسم فاعل بنا ہے۔ یعنی پے در پے ہونا۔ جیسے مسلسل بارش کی صورت میں آپ کہتے ہیں تواتر المطر (مسلسل بارش ہوئی)

ب) اصطلاحی تعریف: متواتر اس حدیث کو کہتے ہیں جسے ہر دور میں اتنی بڑی تعداد نے روایت کیا ہو جس کا کذب بیانی پر متفق ہو جانا محال نظر آتا ہو۔

اس اصطلاحی تعریف کا مفہوم یہ ہے کہ اس حدیث یا خبر کی سند یعنی سلسلہ روایت کے ہر طبقے یا مرحلے میں روایوں کی اتنی بڑی تعداد ہو کہ عقل کے نزدیک ان سب کا اس حدیث یا خبر کو گھڑنے پر متفق ہو جانا عادۃً محال ہو۔

۲ - خبر متواتر کی شرطیں:

اصطلاحی تعریف کی تشریح سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ خبر میں تواتر کی صفت پیدا ہونے کے لئے

چار شرطیں ہیں۔

ا) اسے راویوں کی ایک بڑی تعداد روایت کرے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ بڑی تعداد کم سے کم کتنی ہو۔ تاہم راجح قول یہ ہے کہ کم از کم دس راوی ہوں۔ ۱؎

ب) یہ کثرت تعداد سلسلہ روایت یعنی سند کے ہر طبقے یا مرحلے میں پائی جائے۔

ج) اس بڑی تعداد کا کذب بیانی پر متفق ہو جانا عادۃً محال ہو ۲؎

د) راویوں کو اس خبر یا حدیث کا علم حواس ظاہری کے ذریعے حاصل ہوا ہو۔ مثلاً روایت کرنے والے یوں کہیں "تم نے سنا"، "ہم نے دیکھا" یا "تم نے ہاتھ لگایا" یا "...." لیکن اگر اس خبر یا حدیث کے متعلق ان کے علم کا ذریعہ عقل ہو، مثلاً اس کائنات کے حدوث یعنی عدم وجود میں آنے کی خبر وغیرہ تو ایسی صورت میں وہ خبر یا حدیث متواتر نہیں کہلائے گی۔

۳ - خبر متواتر کا حکم:

خبر متواتر سے یقینی علم حاصل ہوتا ہے۔ ایسا یقینی علم کہ انسان قطعی طور پر اس کی تصدیق کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ جس طرح کوئی شخص کسی واقعہ کا بذات خود مشاہدہ کرے تو وہ اس کی تصدیق کرنے میں ہر گز تردد نہیں کر سکتا۔ خبر متواتر کی صورت بھی یہی ہوتی ہے۔ اسی بنا پر خبر متواتر ساری کی ساری قابل قبول ہوتی ہے۔ اور اس کے راویوں کے احوال پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

۴ - خبر متواتر کی اقسام:

خبر متواتر کی دو قسمیں ہیں لفظی اور معنوی۔

ا) متواتر لفظی: وہ خبر ہے جس کے الفاظ اور معنی دونوں متواتر ہوں۔ مثلاً حدیث: (من کذب علي معتمداً فلیتبوا مقعدہ من النار، جس شخص نے جان بوجھ کر میری طرف نسبت کر کے جھوٹی بات کہی وہ جہنم میں اپنا ٹھکانا بنالے) اس حدیث کو ستر سے کچھ اوپر صحابہ نے روایت کیا ہے۔

ب) متواتر معنوی: وہ خبر ہے جس کے معنی متواتر ہوں لیکن الفاظ میں تواتر نہ ہو مثلاً دعا میں ہاتھ اٹھانے کی حدیث، حضورؐ سے تقریباً سو حدیثیں مروی ہیں۔ ہر حدیث میں ہے کہ آپؐ نے دعا کے لئے ہاتھ بلند فرمائے تھے لیکن مواقع مختلف تھے اور ہر موقع کے متعلق روایت میں تواتر نہیں ہے اگرچہ سب میں قدر مشترک یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے لئے ہاتھ بلند کئے تھے۔ اس لئے یہ قدر مشترک مجموعی سلسلہ ہائے روایت یعنی اسناد کے لحاظ سے متواتر ہے ۳؎

۵ - خبر متواتر کا وجود:

خبر متواتر کی اچھی خاصی تعداد کتب احادیث میں موجود ہے۔ مثلاً حدیث الحوض، یعنی حوض کوثر حدیث المسح علی الخفین، حدیث رفع الیدین فی الصلوٰۃ یا حدیث (نضّر اللہ امرء ... اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ رکھے .....) ان کے علاوہ بھی متعدد احادیث ہیں۔ ہاں اگر ہم اخبار آحاد کی تعداد پر نظر ڈالیں تو ہمیں ان کے مقابلے میں خبر متواتر کی تعداد بہت کم معلوم ہو گی۔

۶- خبر متواتر پر مشہور تصانیف:

علماء نے احادیث جمع کرنے اور انہیں مستقل تصانیف کی شکل دینے میں پوری پوری دلچسپی لی۔ تاکہ طالب حدیث سہولت سے ان سے رجوع کر سکے۔ ذیل میں ایسی چند تصانیف کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ا) الازھار المتناثرہ فی الاخبار المتواترۃ: یہ جلال الدین سیوطی کی تصنیف ہے اور اسے ابواب کے لحاظ سے مرتب کیا گیا ہے۔

ب) قطف الازھار: یہ بھی سیوطی کی تصنیف ہے جو مذکورہ بالا کتاب کی تلخیص ہے۔

ج) نظم المتناثر من الحدیث المتواتر: محمد بن جعفر الکتانی اس کتاب کے مصنف ہیں۔

بحث دوم

اخبار آحاد

۱ - اخبار آحاد کی تعریف :

ا) لغوی تعریف: لغت کے لحاظ سے آحاد جمع ہے احد کی جو واحد کے معنی میں ہے اس لئے خبر واحد وہ خبر ہے جسے ایک شخص روایت کرے۔

ب) اصطلاحی تعریف: اصطلاح میں خبر واحد وہ خبر ہے جو خبر متواتر کی شرطوں پر پوری نہ اترے۔[۴]

۲ - خبر واحد کا حکم :

خبر واحد سے علم نظری حاصل ہوتا ہے یعنی ایسا علم جو غور و فکر اور استدلال پر موقوف ہوتا ہے۔ (یعنی غور و فکر اور استدلال کے بعد ہی اس کے متعلق فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ مترجم)

۳ - سلسلہ روایت کی تعداد کے لحاظ سے قسمیں :

اس لحاظ سے خبر واحد کی تین قسمیں ہیں۔

ا) مشہور :

ب) عزیز :

ج) غریب :

اب ہر ایک قسم پر الگ الگ بحث کی جائے گی۔

المشہور

۱ - مشہور کی تعریف :

ا) لغوی تعریف: لغوی لحاظ سے یہ اسم مفعول ہے۔ عربی محاورے کے مطابق جب آپ کسی بات کا اعلان و اظہار کر دیں تو یہ فقرہ کہیں گے "شہرت الامر" یعنی میں نے بات ظاہر

کر دی۔ اسی شہرت کی بنا پر اس کا نام خبر مشہور رکھا گیا ہے۔

ب) اصطلاحی تعریف : اصطلاحی طور پر خبر مشہور اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند یعنی سلسلہ روایت کے ہر طبقہ میں تین یا تین سے زائد راوی ہوں، بشرطیکہ تین سے زائد کی تعداد حد تواتر کو نہ پہنچے۔

۲ - خبر مشہور کی مثال :

اس کی مثال یہ ہے (ان اللہ لایقبض العلم انتزاعا...... اللہ تعالیٰ علم کو چھین لینے کی شکل میں نہیں اٹھائے گا......) ۵۔

(مشہور کے قریب قریب ایک اور اصطلاح مستفیض بھی ہے مولف کتاب نے یہاں اس کی وضاحت ضروری سمجھی۔ مترجم)

۳ - المستفیض :

ا) لغوی تعریف : لغوی لحاظ سے استفاض کا اسم فاعل ہے۔ جو فاض الماء (پانی پھیل گیا) سے مشتق ہے۔ اسی مناسبت سے جس حدیث کی شہرت زیادہ ہو جائے اسے حدیث مستفیض کہتے ہیں۔

ب) اصطلاحی تعریف : اس کی اصطلاحی تعریف میں تین اقوال ہیں۔

۱۔ یہ مشہور کے ہم معنی ہے۔

۲۔ یہ مشہور سے زیادہ خاص ہے۔ اس لئے کہ مستفیض جس سند سے مروی ہو اس کے دونوں اطراف یعنی اول و آخر ہونا ضروری ہوتا ہے۔ جبکہ مشہور کے لئے ایسی کوئی شرط نہیں ہوتی۔

۳۔ یہ مشہور سے زیادہ عام ہے۔ یہ قول ماقبل کے قول کے برعکس ہے۔

۴ - غیر اصطلاحی مشہور :

ایک غیر اصطلاحی مشہور بھی ہے۔ اس سے مراد وہ حدیث ہے جو بکثرت زبانوں پر جاری ہو۔ لیکن اس میں مشہور کی مطلوبہ شرائط موجود نہ ہوں یہ بھی تین قسموں پر مشتمل ہے۔

ا) جس کی سند ایک ہو۔

ب) جس کی ایک سے زیادہ اسناد ہوں۔

ج) جس کی سرے سے کوئی سند نہ ہو۔

۵ - غیر اصطلاحی مشہور کی اقسام:

اس غیر اصطلاحی مشہور کی متعدد اقسام ہیں۔ جن میں سب سے زیادہ مشہور حسب ذیل ہیں۔

ا) صرف اصحاب حدیث کے درمیان مشہور ہو. جیسے حضرت انسؓ کی ایک حدیث ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قنت شہرا بعد الرکوع یدعو علی رعل و ذکوان (اخرجہ الشیخان)

(حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مہینہ بھر تک رکوع کے بغیر قنوت نازلہ پڑھی جس میں قبائل رعل و ذکوان کے لئے بددعا کی گئی)۔

ب) اصحاب حدیث، علماء اور عوام کے درمیان مشہور ہو. جیسے یہ حدیث ہے۔

(المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ (متفق علیہ)

(مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔)

ج) فقہا کے درمیان مشہور ہو. مثلاً یہ حدیث

ابغض الحلال الی اللہ الطلاق

حلال اشیاء میں اللہ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔

(حاشیہ) حاکم نے اپنی مستدرک میں اس کی تصحیح کی ہے۔ اور ذہبی نے بھی تھوڑی تبدیلی کے ساتھ اس کو بحال رکھا ہے۔)

ما احل اللہ شیا ابغض الیہ من الطلاق: اللہ تعالیٰ نے اپنی مبغوض چیزوں میں سے طلاق کے سوا کسی کو حلال نہیں ٹھہرایا۔

د) فقہائے اصولین کے درمیان مشہور ہو. جیسے ایک ارشاد ہے۔

رفع عن امتی الخطا والنسیان و ما استکرھوا علیہ (میری امت پر سے، بھول، چوک اور زبردستی کرائے گئے فعل کی ذمہ داری ساقط کر دی گئی ہے۔)

ابن حبان اور حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے۔

ھ) نحویوں کے درمیان مشہور ہو. مثلاً یہ حدیث "نعم العبد صہیب لولم یخف اللہ لم یعصہ صہیب، بہت اچھا بندہ ہے اگر اسے اللہ کا خوف نہ ہوتا تو گناہ نہ کرتا) اس حدیث کی کوئی اصل نہیں مگر نحویوں میں اس کی بہت شہرت ہے۔

و) عوام میں مشہور ہو. جیسے حدیث "العجلۃ من الشیطان"

(جلد بازی شیطان کی جانب سے ہوتی ہے) ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔

۶ - مشہور کا حکم:

مشہور اصطلاحی ہو یا غیر اصطلاحی اس کو قطعی طور پر صحیح یا غیر صحیح قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بلکہ ان مشہور حدیثوں میں سے بعض صحیح ہوتی ہیں بعض حسن اور ضعیف بلکہ بعض موضوع بھی لیکن اگر اصطلاحی حدیث صحیح ہو تو ایسا امتیاز ہو گا جس کی بناء پر اس کو عزیز اور غریب پر ترجیح دی جائے گی۔

۷ - اس موضوع پر مشہور ترین تصانیف:

مشہور احادیث پر تصانیف وہ کتابیں ہیں جن میں زبان زد عام احادیث جمع کی گئی ہیں۔ نہ کہ علم الحدیث کی اصطلاح میں مشہور احادیث۔ اس طرح کی بعض مشہور تصانیف درج ذیل ہیں۔

ا) المقاصد الحسنۃ فیما اشتہر علی السنۃ یہ علامہ سخاوی کی تصنیف ہے۔

ب) کشف الخفاء ومزیل الالباس فیما اشتہر من الحدیث علی السنۃ الناس اس کے مصنف عجلونی ہیں۔

ج) تمیز الطیب من الخبیث فیما یدور علی السنۃ الناس من الحدیث ابن الربیع شیبانی نے یہ کتاب لکھی ہے۔

العزیز

۱ - تعریف:

ا) لغوی تعریف. لغوی لحاظ سے عَزَّ یَعِزُّ (بکسر العین) سے العزیز صفت مشبہ ہے، یعنی قلیل و نادر یا عَزَّ یَعَزُّ بفتح العین سے ہے یعنی قوی اور مضبوط اس لئے کمیاب اور نادر الوجود حدیث کو عزیز کہا گیا یا کسی اور سلسلہ روایت سے آنے کی وجہ سے اس کو قوت حاصل ہو گئی ہے اور یہ عزیز کہلائی۔

ب) اصطلاحی تعریف. اصطلاح میں عزیز اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے جملہ سند میں سے کسی میں بھی دو سے کم راوی نہ ہوں

۲ - شرعی تعریف:

یعنی متعدد طبقات سند میں سے کسی ایک طبقہ میں بھی دو سے کم راوی نہ ہوں، لیکن اگر کسی طبقہ میں تین یا اس سے زائد راوی پائے جائیں تو بھی مضر نہیں بشرطیکہ کسی ایک طبقہ میں کم از کم دو ضرور باقی رہ جائیں، اس لئے کہ طبقات سند میں کم از کم کا اعتبار ضرور ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجر کی رائے کے مطابق یہی تعریف راجح ہے مگر بعض دیگر علماء نے کہا ہے کہ "العزیز" وہی حدیث ہے جس کو دو یا تین راویوں نے روایت کیا ہو (ملاحظہ ہو نخبتہ اور اس کی شرح صفحہ نمبر ۲۱، ۲۴) اس میں انہوں نے بعض صورتوں میں عزیز کو مشہور سے ممیّز نہیں کیا۔

۳ - مثال:

بخاری اور مسلم نے حضرت انسؓ سے اور صرف بخاری نے حضرت ابو ھریرہؓ سے روایت کی ہے۔

لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین (بخاری و مسلم)

ترجمہ: (تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کی نظر میں اس کے والدین، اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔)

اس حدیث کو حضرت انسؓ سے قتادہ اور عبدالعزیز بن صہیب نے اور قتادہ سے شعبہ اور سعید نے اور عبدالعزیز سے اسماعیل بن علیہ اور عبدالوارث نے اور پھر ان میں سے ہر ایک سے ایک ایک جماعت نے یہ حدیث روایت کی ہے۔

۴ - اس موضوع پر مشہور ترین تصانیف

حدیث عزیز کے موضوع پر علماء کی تصانیف موجود نہیں، بظاہر اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ اس طرح کی احادیث کی تعداد بہت کم ہے اس لئے اس پر تصنیف کا کوئی فائدہ بھی نہیں تھا۔

الغریب

۱ - تعریف

ا) لغوی تعریف: لغوی لحاظ سے یہ صفت مشبہ کا صیغہ ہے بمعنی منفرد یعنی اکیلا یا اپنے اقارب سے دور۔

ب) اصطلاح میں غریب اس حدیث کو کہتے ہیں جسے صرف ایک راوی نے روایت کیا ہو۔

۲ - اصطلاحی تعریف کی توضیح

"غریب" وہ حدیث ہے جس کا راوی مستقل طور پر ایک ہی ہو، طبقات سند میں سے ہر طبقہ میں یا بعض طبقات میں چاہے اس بعض کی تعداد ایک ہی کیوں نہ ہو۔ باقی طبقات میں اگر ایک سے زیادہ راوی بھی ہوں، تو اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا، اصل اعتبار کسی ایک طبقہ میں کم از کم کا ہے۔

۳ - غریب کا دوسرا نام:

اکثر علماء حدیث غریب پر ایک اور نام یعنی "فرد" کا بھی اطلاق کرتے ہیں گویا یہ دونوں

نام باہم مترادف سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن بعض دوسرے علماء نے ان دونوں ناموں کے درمیان مغائرت پیدا کر کے انہیں دو الگ الگ قسمیں قرار دیا ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر لغت اور اصطلاح ہر اعتبار سے ان دونوں کو باہم مترادف قرار دیتے ہیں۔ البتہ اس کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ دونوں کے درمیان کثرت و قلت کے اعتبار سے فرق ہے۔ پس لفظ "فرد" کا اطلاق بالعموم "فرد مطلق" (کتاب صفحہ ۲۸) پر اور غریب کا اطلاق "فرد نسبی" پر ہوتا ہے۔ (نزہۃ النظر صفحہ ۲۸)

۴ - اس کی اقسام:

سلسلہ روایت یعنی سند میں راوی ایک ہونے کے موقع و محل کے لحاظ سے حدیث غریب کی دو قسمیں ہیں۔ غریب مطلق اور غریب نسبی

ا) غریب مطلق یا فرد مطلق:

۱ - تعریف: غریب مطلق وہ ہے جس کی اصل سند ہی میں غرابت پائی جائے۔ یعنی اس کی اصل سند میں ایک ہی شخص پایا جائے، ۶۔ (دوسرے الفاظ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ہی صحابی نے اس حدیث کو روایت کیا ہو)

۲ - مثال: حدیث انما الاعمال بالنیات ۷۔ اس کو صرف حضرت عمر بن خطابؓ نے روایت کیا ہے۔ کبھی یہ تفرد یعنی راوی کا ایک ہونا آخر سند تک جاری رہتا ہے۔ اور کبھی ایک راوی سے متعدد افراد روایت کرتے ہیں۔

ب) غریب نسبی یا فرد نسبی:

۱ - تعریف: وہ حدیث ہے جس کی سند کے آغاز میں نہیں بلکہ سلسلہ اسناد کے دوران غرابت پائی جائے، یعنی شروع سند میں ایک سے زائد راوی اس کی روایت کریں پھر ان سے ایک ہی راوی روایت کرے۔

۲ - مثال: امام مالک امام زہری سے اور وہ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں۔

"ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخل مکۃ وعلی راسہ المغفر" ۸۔
(حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسی حالت میں مکہ میں داخل ہوئے کہ آپ کے سر پر خود تھا)

اس حدیث کو زہری سے صرف امام مالک نے روایت کیا ہے۔

۳ - وجہ تسمیہ: اس قسم کا نام غریب نسبی اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس میں صرف ایک متعین راوی کی نسبت سے تفرد پایا گیا ہے۔

۵ - غریب نسبی کی اقسام:

یہاں تفرد یا غرابت کی بعض اقسام ایسی ہیں جنہیں غریب نسبی میں شمار کیا جا سکتا ہے کیونکہ ان کی غرابت مطلق نہیں بلکہ کسی معین چیز کی طرف سے ہوتی ہے۔ وہ اقسام یہ ہیں۔

ا) کسی ایک ثقہ راوی نے اس حدیث کی روایت کی ہو: جیسا کہ محدثین کہتے ہیں کہ اس حدیث کو فلاں ثقہ کے سوا کسی اور نے روایت نہیں کیا۔

ب) ایک معین راوی سے دوسرے معین راوی نے روایت کی ہو: جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص فلاں سے روایت کرنے میں منفرد ہے اگرچہ وہ حدیث دیگر متعدد طرق سے بھی روایت کی گئی ہو۔

ج) ایک شہر یا ایک علاقہ کے، لوگ اسے روایت کرنے میں منفرد ہوں: مثلاً محدثین کا یہ قول کہ حدیث کو صرف اہل مکہ یا اہل شام نے روایت کیا ہے۔

د) ایک شہر یا علاقہ والوں نے دوسرے شہر یا علاقہ والوں سے اس حدیث کو روایت کیا ہو: جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ بصرہ والوں نے مدینہ والوں سے روایت کیا ہے۔ یا یہ کہ صرف اہل شام نے اہل حجاز سے روایت کیا ہے۔ (اختصار کے لئے مثال بیان نہیں کی گئی)

۶ - ایک دوسری تقسیم:

علماء نے سند یا متن کے لحاظ سے غریب کی ایک اور تقسیم کی ہے:

ا) متن اور سند دونوں کے لحاظ سے غریب ہو: یہ وہ حدیث ہے جس کے متن کو روایت کرنے والا صرف ایک ہی راوی ہو۔

ب) متن کے لحاظ سے نہیں بلکہ سند کے لحاظ سے غریب: یہ ایسی حدیث ہے جس کے متن کو صحابہ کی جماعت نے روایت کیا ہو پھر ایک دوسرے صحابی سے صرف ایک شخص روایت کرے۔ ایسی ہی حدیث کے بارے میں ترمذی کہا کرتے ہیں کہ "یہ حدیث اس طریق روایت سے غریب ہے۔"

۷ - من مظان الغریب:

مندرجہ ذیل کتابیں ایسی ہیں جن میں غریب احادیث کی بہت سی مثالیں مل سکتی ہیں۔

ا) مسند البزار

ب) المعجم الاوسط طبرانی

۸ - غریب احادیث پر مشہور تصانیف:

ا) غرائب مالک۔ اس کے مصنف امام دار قطنی ہیں۔

ب) الافراد۔ یہ بھی امام دار قطنی کی تصنیف ہے۔

ج) السنن التی تفرد بکل سنۃ منھا اھل بلدۃ۔ امام ابو داؤد سجستانی اس کے مصنف ہیں۔

قوت و ضعف کے لحاظ سے خبر آحاد کی تقسیم

خبر آحاد (مشہور، عزیز اور غریب) اپنی قوت و ضعف کے لحاظ سے دو قسموں پر مشتمل ہے۔

ا) مقبول: وہ خبر ہے جو مخبر بہ یعنی نفس مضمون کی صداقت کے باعث ترجیح پا جائے، اس کا حکم یہ ہے کہ اسے بطور دلیل پیش کرنا واجب اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔

ب) مردود: وہ خبر ہے جو مخبر بہ یعنی نفس مضمون کی عدم صداقت کے باعث ترجیح نہ پا سکے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ نہ اس سے استدلال کیا جا سکتا ہے اور نہ اس پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ مقبول اور مردود احادیث کی اقسام اور تفصیلات ہیں جن کا ہم انشاء اللہ دو مستقل فصلوں میں ذکر کریں گے۔

فصل ثانی

خبر مقبول

- بحث اول: خبر مقبول کی اقسام۔
- بحث دوم: خبر مقبول کی ایک اور تقسیم۔ معمول بہٖ اور غیر معمول بہٖ

بحث اول

خبر مقبول کی اقسام

خبر مقبول اپنے مراتب کے لحاظ سے دو بڑی قسموں پر مشتمل ہے، صحیح اور حسن۔ پھر ان ہی سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں۔ لذاتہٖ اور لغیرہٖ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مقبول چار قسموں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔

۱ - صحیح لذاتہٖ۔
۲ - حسن لذاتہٖ۔
۳ - صحیح لغیرہٖ۔
۴ - حسن لغیرہٖ۔

ان چاروں اقسام کی تفصیلی بحث قارئین کے پیش خدمت ہے۔

الصحیح

۱ - صحیح کی تعریف:

ا) لغوی تعریف. لغت میں صحیح کا لفظ سقیم کے مقابل استعمال ہوتا ہے، کوئی شخص صحت مند و

توانا ہو تو وہ صحیح ہے اور اگر بیمار و ناتواں ہو تو سقیم ہے، جسمانی طور پر صحیح و سقیم کا لفظ بطور حقیقت کے استعمال ہو گا۔ اور حدیث اور دیگر معنوی امور میں بطور مجاز کے استعمال ہو گا۔

ب) اصطلاحی تعریف: اصول حدیث کی اصطلاح میں کسی قوی حافظہ والے پاکیزہ کردار شخص کا اپنے ہی طرح کے حامل صفات شخص سے ایسی حدیث نقل کرنا جو ابتداء سے انتہا تک پاکیزہ کردار قوی حافظہ والے اشخاص سے منتقل ہوتی ہوئی پہنچے اور اس میں شذوذ یعنی کسی زیادہ ثقہ والے راوی کی مخالفت نہ ہو اور نہ ہی اس میں کوئی علت پائی جائے۔

۲ - اصطلاحی تعریف کی توضیح:

مندرجہ بالا تعریف جن امور کو شامل ہے ان سب کا پایا جانا ضروری ہے تب جاکر وہ حدیث صحیح کہلائے گی۔ وہ امور حسب ذیل ہیں۔

ا) اتصال سند: سند کے ہر راوی نے جس سے وہ حدیث روایت کی ہے اس سے بلاواسطہ اس حدیث کو حاصل کیا ہو اور یہی صورت حال سند کی ابتدا سے انتہا تک باقی رہے۔

ب) راویوں کی عدالت: یعنی اس حدیث کے راویوں میں سے ہر راوی اسلام، عقل اور بلوغ کے اوصاف سے متصف ہو، اور اس میں نہ تو فسق و فجور پایا جائے اور نہ عدم مروت۔

ج) راویوں کا حافظہ: یعنی راویوں میں سے ہر راوی کا حافظہ بہت پختہ اور مضبوط ہو، خواہ اس نے حدیث کو سینہ میں محفوظ کر لیا ہو یا سفینہ یعنی کتاب میں۔

د) اس میں شذوذ کا نہ ہونا: یعنی وہ حدیث شاذ نہ ہو۔ شذوذ کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی ثقہ راوی یا روایت اپنے سے بڑھ کر ثقہ راوی یا روایت کی مخالف ہو۔

ھ) اس میں علت کا نہ ہونا: یعنی وہ حدیث معلول نہ ہو کہ اس میں کوئی علت پائی جائے۔ علت مبہم قسم کا مخفی نقص ہوتا ہے۔ جو حدیث کی صحت کو مجروح کر دیتا ہے۔ باوجودیکہ ظاہری طور پر وہ حدیث فنی نقائص سے مبرا نظر آتی ہے۔

۳ - صحیح حدیث کی شرطیں:

صحیح حدیث کی اصطلاحی تعریف کی توضیح سے یہ بات ظاہر ہو گئی ہے کہ اس کے اندر جن شرطوں کا یکجا پایا جانا ضروری ہے وہ پانچ ہیں۔ یعنی اتصال سند، راویوں کی عدالت، راویوں کا حفظ و ضبط، شذوذ کی عدم موجودگی، اور علت سے مبرا ہونا۔

اگر ان پانچ میں سے کسی بھی شرط میں خلل واقع ہو جائے تو ایسی صورت میں وہ حدیث صحیح حدیث نہیں کہلائے گی۔

۴ - مثال:

اس کی مثال وہ حدیث ہے جو امام بخاری نے بخاری شریف میں درج ذیل سند سے روایت کی ہے:

"حدثنا عبداللہ بن یوسف قال اخبرنا مالک عن ابن شہاب عن محمد بن جبیر بن مطعم عن ابیہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرأفی المغرب بالطور" (بخاری شریف، کتاب الاذان)

"عبداللہ بن یوسف نے ہم سے بیان کیا ہے کہ انہیں مالک نے ابن شہاب سے یہ خبر دی کہ ابن شہاب کو محمد بن جبیر نے اپنے والد مطعم بن جبیر سے روایت کی جس میں انہوں نے فرمایا: "میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز میں سورۃ طور پڑھتے ہوئے سنا تھا۔"

یہ حدیث صحیح ہے اس لئے کہ:

ا) اس کی سند متصل ہے: کیونکہ ہر راوی نے اسے اپنے شیخ سے بلاواسطہ سنا ہے۔ رہ گیا مالک ابن شہاب اور محمد بن جبیر کا عنعنہ ۹۔ تو اسے اتصال سند پر ہی محمول کیا گیا ہے، اس لئے کہ اس میں کوئی بھی راوی مدلس نہیں ہے۔[۱۰]

ب، ج) اس کے جملہ راوی عادل و ضابط ہیں: ان کے متعلق علماء جرح و تعدیل (فن حدیث کی ایک شاخ جس میں راویوں کے ذاتی حالات کا ناقدانہ جائزہ لے کر ان کی خوبیاں اور خامیاں واضح کر دی جاتی ہیں) کی آرا درج ذیل ہیں۔

۱ - عبداللہ بن یوسف: ثقہ اور متقن (ضبط و نقل حدیث میں پختہ کار) ہیں۔

۲ - مالک بن انس: امام اور حافظ حدیث ہیں۔

۳ - ابن شہاب الزہری: فقیہ اور حافظ حدیث ہیں نیز ان کی جلالت علمی اور پختہ کاری پر سب کا اتفاق ہے۔

۴ - محمد بن جبیر: ثقہ ہیں۔

۵ - جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔

د) یہ حدیث شاذ نہیں ہے: اس لئے کہ اس میں ایسی کوئی بات نہیں جو اس سے قوی تر حدیث کے معارض ہو۔

ھ) اس میں کوئی علت نہیں ہے۔

۵ - صحیح حدیث کا حکم:

وجوب: اصحاب حدیث، اہل اصول اور فقہا کے نزدیک ایسی حدیث پر عمل کرنا واجب ہے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ ایسی حدیث دلائل شرع میں سے ایک دلیل ہے اور کسی مسلمان کے لئے اس پر عمل پیرا نہ ہونے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

۶ - محدثین کے اس قول سے کہ ہٰذا حدیث صحیح (یہ حدیث صحیح ہے) یا ہٰذا حدیث غیر صحیح (یہ حدیث صحیح نہیں ہے) کیا مراد ہے؟

ا) ہٰذا حدیث صحیح سے محدثین کی یہ مراد ہوتی ہے کہ اس حدیث میں مذکورہ بالا پانچوں شرطیں متحقق ہو گئی ہیں۔ یہ مراد نہیں ہوتی کہ حقیقت کے لحاظ سے بھی اس کے قطعی صحیح ہونے کا حکم لگا دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ ثقہ راویوں میں بھی غلطی کرنے اور بھول جانے کا امکان موجود ہوتا ہے۔

ب) ہٰذا حدیث "غیر صحیح" سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اس میں درج بالا پانچوں کی پانچوں شرطیں یا ان میں سے بعض متحقق نہیں ہو سکی ہیں، یہ مراد نہیں ہوتی کہ حقیقت کے لحاظ سے بھی یہ جھوٹ ہے۔ اس لئے کہ کثرت سے غلطیاں کرنے والے راوی سے بھی صحیح روایت کا منقول ہونا ممکن ہوتا ہے۔ اھ

۷ - کیا کسی سلسلہ روایت کے متعلق یہ قطعی روایت قائم کی جا سکتی ہے کہ یہ مطلقاً اصح الاسانید یعنی صحیح ترین سلسلہ روایت ہے؟

اس مسئلہ میں قول مختار یہ ہے کہ کسی سلسلہ روایت یعنی سند کے متعلق قطعیت کے ساتھ ایسی رائے قائم نہیں کی جا سکتی۔ اس لئے کہ صحت کے کئی مراتب ہوتے ہیں جن میں تفاوت ہوتا ہے اور اس تفاوت کا دارومدار اس حقیقت پر ہوتا ہے کہ اسناد میں پائی جانے والی شرائط صحت کس معیار کی ہیں۔ اور شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ تمام شرائط صحت اعلیٰ ترین معیار کی ہوں۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ کسی سند کے متعلق مطلقاً اصح الاسانید کا حکم لگانے سے پرہیز کیا جائے۔ بایں ہمہ بعض ائمہ حدیث سے اصح الاسانید کے متعلق اقوال نقل کئے گئے ہیں۔ جن کا بظاہر یہی مفہوم معلوم ہو سکتا ہے کہ ہر امام حدیث نے اس سلسلہ میں روایت یعنی اسناد کو ترجیح دی جو اس کے نزدیک قوی ٹھہرا۔ ذیل میں ہم چند اصح الاسانید اور ان کے قائلین کا تذکرہ کرتے ہیں۔

ا) الزہری عن سالم عن ابیہ ۔[۱۲]

یعنی ایسی سند جس میں ابن شہاب زھری نے سالم سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہو۔ یہ قول اسحٰق بن راھویہ اور امام احمد سے منقول ہے۔

ب) ابن سیرین عن عبیدۃ عن علی ۔[۱۳]

یعنی ایسی روایت جسے ابن سیرین نے عبیدہ سے اور انہوں نے حضرت علیؓ سے نقل کی ہو۔ ابن المدینی اور فلاس کے نزدیک یہ اصح الاسانید ہے۔

ج) الاعمش عن ابراہیم عن علقمۃ عن عبداللہ ۔[۱۴]

ابن معین کے نزدیک جس سند میں اعمش نے ابراہیم سے، انہوں نے علقمہ سے اور انہوں نے حضرت عبداللہؓ سے روایت کی ہو وہ اصح الاسانید ہے۔

د) الزھری عن علی بن الحسین عن ابیہ عن علی۔

ابو بکر بن ابی شیبہ سے منقول ہے کہ اصح الاسانید وہ سند ہے جس میں زہری نے علی بن الحسین سے، انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہو۔

ھ) مالک عن نافع عن ابن عمر۔

امام بخاری کی طرف سے یہ قول منسوب ہے کہ اگر امام مالک نے نافع سے اور انہوں نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہو تو یہ اصح الاسانید ہے۔

۸ - صرف صحیح احادیث پر سب سے پہلی تالیف؟

صرف صحیح احادیث پر مشتمل سب سے پہلی تالیف صحیح بخاری ہے۔ اور پھر صحیح مسلم۔ یہی دو کتابیں قرآن مجید کے بعد دنیا کی صحیح ترین کتابیں ہیں۔ ان دونوں کتابوں کی قبولیت پر امت کا اجماع ہے۔

ا) ایک سوال ہے کہ ان دونوں کتابوں میں سے اصح کونسی ہے؟ یعنی کس کتاب میں صحیح احادیث کا معیار زیادہ بلند ہے؟ جواب یہ ہے کہ صحیح بخاری اصح ہے اور زیادہ فوائد کی حامل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بخاری شریف کی احادیث اتصال سند اور راویوں کی ثقاہت کے لحاظ سے زیادہ معیاری ہیں۔ نیز فقہی استنباطات اور حکیمانہ نکات کے اعتبار سے بھی اس کا درجہ صحیح مسلم سے بلند ہے۔ یہ فوائد صحیح مسلم میں بہت کم ہیں۔

یہاں یہ بات ضرور ذہن میں رکھی جائے کہ صحیح مسلم پر صحیح بخاری کو جو فوقیت حاصل ہے وہ مجموعی حیثیت سے ہے ورنہ صحیح مسلم شریف کی بعض احادیث صحیح بخاری شریف سے زیادہ قوی الاسناد ہیں۔ اسی بنا پر ایک قول یہ بھی ہے کہ صحیح مسلم اصح ہے لیکن قول اول ہی درست اور راجح ہے۔

ب) ایک اور سوال ہے کہ آیا ان دونوں حضرات نے اپنی کتابوں میں تمام صحیح احادیث کا احاطہ کیا ہے۔ یا صحیح احادیث جمع کرنے کا التزام کیا ہے؟ امام بخاری نے فرمایا:
"میں نے اپنی کتاب الجامع (بخاری شریف) میں وہی احادیث داخل کی ہیں جو صحیح تھیں اور بہت سی صحیح احادیث طوالت کے خوف سے ترک کر دی ہیں"(۱۵) امام مسلم

نے فرمایا: "میں نے اس کا التزام نہیں کیا کہ جو حدیث بھی میرے نزدیک صحیح تھی اسے میں نے اس کتاب (صحیح مسلم) میں درج کر دیا ہو۔ البتہ میں نے اس میں وہ احادیث ضرور جمع کی ہیں جن کی صحت پر محدثین کا اجماع رہا ہے"[۱۶]۔

ج) ایک سوال یہ بھی ہے کہ جتنی صحیح حدیثیں ان دونوں کتابوں میں درج ہونے سے رہ گئیں آیا ان کی تعداد بہت زیادہ ہے یا کم؟

۱ - حافظ ابن الاخرم نے اس کے جواب میں فرمایا ہے کہ: "بہت ہی کم ایسی صحیح احادیث ہیں جو ان دونوں کتابوں میں درج ہونے سے رہ گئی ہیں" لیکن ابن الاخرم کی اس بات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا گیا ہے۔

۲ - درست بات یہ ہے کہ بہت سی صحیح احادیث ان کتابوں میں درج ہونے سے رہ گئیں ہیں۔ امام بخاری سے منقول ہے آپ نے فرمایا: "جتنی صحیح حدیثیں میں نے چھوڑ دی ہیں وہ بہت زیادہ ہیں" آپ کا یہ بھی قول ہے کہ: "مجھے ایک لاکھ صحیح حدیثیں اور دو لاکھ غیر صحیح حدیثیں یاد ہیں"[۱۷]۔

د) بخاری اور مسلم میں احادیث کی تعداد کیا ہے؟

۱ - بخاری شریف میں احادیث کی تعداد مکررات (ایسی احادیث جن کا اندراج ایک سے زیادہ مرتبہ ہوا ہے) سمیت سات ہزار دو سو پچھتر ہے۔ اگر مکررات حذف کر دی جائیں تو احادیث کی تعداد چار ہزار رہ جاتی ہے۔

۲ - مسلم شریف میں احادیث کی تعداد مکررات سمیت بارہ ہزار ہے اور اگر مکررات حذف کر دی جائیں تو تعداد تقریباً چار ہزار رہ جاتی ہے۔

ہ) ایسی صحیح احادیث جو بخاری اور مسلم میں درج ہونے سے رہ گئی ہیں وہ ہمیں کہاں مل سکتی ہیں؟

ایسی صحیح احادیث ہمیں احادیث کی مشہور اور قابل اعتماد کتابوں میں مل سکتی ہیں مثلاً صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم، سنن اربعہ (یعنی سنن ترمذی سنن ابوداؤد، سنن ابن ماجہ اور سنن نسائی) سنن دارقطنی اور سنن بیہقی وغیرہ۔

۹ - مستدرک حاکم، صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان کا مختصر جائزہ:

ا) مستدرک حاکم: یہ حدیث کی ایک ضخیم کتاب ہے جس میں مولف نے ایسی صحیح احادیث جمع کی ہیں جو امام بخاری اور صحیح مسلم یا ان میں سے کسی ایک کی شرط پر پوری اترتی تھیں۔ لیکن ان دونوں حضرات نے انہیں اپنی کتابوں (صحیح بخاری اور مسلم) میں درج نہیں کیا ۔ اس طرح مولف نے ایسی حدیثیں بھی درج کی ہیں جو ان کی رائے میں صحیح ہیں اگرچہ شیخین یعنی امام بخاری اور امام مسلم میں سے کسی کی شرط پر پوری نہ اترتی ہوں۔ ایسی احادیث درج کرتے ہوئے مولف انہیں "صحیح الاسناد" یعنی اسناد کے لحاظ سے صحیح احادیث کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ بعض اوقات وہ ایسی احادیث بھی درج کر جاتے ہیں جو صحیح نہیں ہوتیں لیکن وضاحت بھی ساتھ کر جاتے ہیں کسی حدیث کو صحیح قرار دینے میں وہ نرم رویہ اختیار کرتے ہیں اس لئے مناسب ہے کہ ان کی کتاب میں درج شدہ احادیث کا تتبع کیا جائے اور ہر حدیث کے متعلق وہی فیصلہ دیا جائے جو اس کے حسب حال ہو۔ امام ذہبی نے مستدرک کا تتبع کر کے اس کی اکثر احادیث کے متعلق ان کے حسب حال فیصلہ دیا ہے۔ تاہم اس بات کی اب گنجائش موجود ہے کہ اس کا تتبع کیا جائے اور توجہ دی جائے۔[۱۸]

ب) صحیح ابن حبان: اس کتاب کی ترتیب میں ایک نئی اُپج سے کام لیا گیا ہے۔ اس کی ترتیب نہ تو فقہی ابواب پر ہے اور نہ ہی مسانید کے مطابق ہے، شاید اسی لئے مولف نے اس کتاب کا نام "التقاسیم والانواع" رکھا ہے اس کتاب میں کسی حدیث کی تلاش انتہائی مشکل ہے۔ بعض متاخرین[۱۹] نے اسے ابواب پر مرتب کر دیا ہے۔ ابن حبان کسی حدیث کو صحیح قرار دینے میں بہت نرمی سے کام لیتے ہیں لیکن ان کی نرمی حاکم کی نرمی کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔[۲۰]

ج) صحیح ابن خزیمہ: یہ کتاب صحیح ابن حبان کے مقابلہ میں صحت کے لحاظ سے زیادہ معیاری ہے اس لئے کہ ابن خزیمہ حدیث کی سند کی زیادہ تحقیق کرتے ہیں حتیٰ کہ صحت سند پر ادنیٰ سی تنقید کی بنا پر ایسی حدیث کو صحیح قرار دینے سے گریز کرتے ہیں۔[۲۱]

۱۰ - صحیحین (صحیح بخاری اور مسلم) پر مستخرجات:

ا) مستخرج کا موضوع:

مستخرج کی یہ صورت ہوتی ہے کہ کوئی مولف کتب احادیث میں سے کسی ایک کتاب کو لے کر اس میں مندرج احادیث کی تخریج اپنی اسناد سے کرتا ہے جو اصل کی اسناد

سے مختلف ہوتی ہے۔ پھر دونوں کو اسنادی سلسلے اصل کتاب کے مولف کے شیخ یا اس سے اوپر جا کر یکجا ہو جاتے ہیں۔

ب) صحیحین پر مستخرجات میں سب سے زیادہ مشہور حسب ذیل تین کتابیں ہیں:

۱ - ابو بکر اسماعیل کی المستخرج علی البخاری۔

۲ - ابو عوانہ اسفرائینی کی المستخرج علی مسلم۔

۳ - ابو نعیم اصفہانی کی المستخرج علی البخاری و مسلم۔

ج) ایک سوال ہے کہ آیا مستخرجات کے مولفین نے الفاظ حدیث میں صحیحین کی موافقت کا التزام کیا ہے یا نہیں؟

جواب یہ ہے کہ ان مولفین نے ایسا نہیں کیا۔ یہ حضرات تو صرف ان الفاظ کی روایت کرتے ہیں جو انہیں ان کے شیوخ سے پہنچے ہیں۔ اس لئے بعض الفاظ میں قدرے اختلاف و تفاوت پایا جاتا ہے۔

قدیم مولفین مثلاً بیہقی اور بغوی وغیرھما اپنی مستقل تصانیف میں حدیث کی تخریج کرتے ہوئے یہ فقرہ لکھ جاتے ہیں "بخاریؒ نے یہ حدیث روایت کی ہے" یا "اس حدیث کی روایت مسلم نے کی ہے" جب کہ بعض احادیث میں الفاظ و معانی دونوں لحاظ سے تفاوت موجود ہوتا ہے ایسے موقعوں پر ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ بخاری اور مسلم نے اصل حدیث کی روایت کی ہے۔

د) آیا یہ جائز ہے کہ ہم کسی مستخرج سے کوئی حدیث نقل کریں اور اس کی نسبت بخاری اور مسلم کی طرف کر دیں؟

گزشتہ بحث کی بنیاد پر کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ مستخرجات یا مذکورہ بالا کتب سے کوئی حدیث نقل کرتے ہوئے یہ کہے کہ اسے امام بخاری یا امام مسلم نے روایت کیا ہے، ہاں البتہ دو صورتوں میں وہ ایسا کر سکتا ہے۔

۱ - پہلی صورت یہ ہے کہ اس نقل کردہ حدیث کا بخاری و مسلم کی روایت کردہ حدیث سے مقابلہ کر کے تحقیق کر لے (پھر اس کے بعد یکسانیت کی صورت میں وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اسے امام بخاری یا امام مسلم نے روایت کیا ہے، مترجم)

۲ - دوسری صورت یہ ہے کہ مستخرج کے مصنف یا مذکورہ بالا کتب میں سے کسی کے مولف نے اس حدیث کی روایت کے بعد لکھا ہو کہ بخاری یا مسلم نے اس

حدیث کی تخریج میرے (یعنی صاحب مستخرج یا مصنف کتاب کے) الفاظ میں کی ہے" (ایسی صورت میں ناقل حدیث کے لئے اس کی نسبت شیخین کی طرف سے کرنا جائز ہو گا۔ مترجم)

ھ) صحیحین پر مستخرجات کے فوائد:

صحیحین پر مستخرجات کے تقریباً دس فائدے ہیں۔ جن کا ذکر سیوطی نے تدریب الراوی، میں کیا ہے[۲۲] ان میں سے چند اہم ترین فوائد کا تذکرہ حسب ذیل ہے۔

۱ - اسناد کی بلندی: اس لئے کہ اگر مستخرج کا مصنف کوئی حدیث امام بخاری کے واسطے سے روایت کرے گا تو اس کی اس روایت میں واسطوں کی تعداد اس کے اپنے مستخرج کی روایت کے واسطوں سے کم ہو گی۔ (اس طرح وسائط کی کمی کی بنا پر سند بلند ہو جائے گی مترجم)

۲ - صحیح احادیث کے الفاظ میں اضافہ: بعض احادیث میں زائد الفاظ اور تتمے ہوتے ہیں جن کا اظہار مستخرج کی روایت کے اندر ہو جاتا ہے۔

۳ - کثرت طرق یعنی ایک سے زائد سلسلہ اسناد کی بنا پر قوت پیدا ہوتی ہے جس کا فائدہ یہ ہے کہ احادیث کے اختلاف کے موقعہ پر کثرت طرق والی حدیث کو ترجیح دے دی جاتی ہے۔

۱۱ - شیخین کی روایت کردہ احادیث میں کن احادیث پر صحیح ہونے کا حکم لگایا گیا ہے؟

یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ امام بخاری اور امام مسلم نے صحیحین میں صرف وہی حدیثیں داخل کیں جو صحیح تھیں، نیز امت نے ان کی کتابوں کو سند قبولیت عطا کی اب سوال یہ ہے کہ صحیحین میں وہ کونسی احادیث ہیں جن پر صحیح ہونے کا حکم لگایا گیا ہے۔ اور جنہیں امت نے متفقہ طور پر قبول کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ شیخین نے جن احادیث کو سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے ان پر صحیح ہونے کا حکم لگایا گیا ہے۔ لیکن جن احادیث کی اسناد کی ابتدا میں ایک یا اس سے زائد راوی محذوف ہوں تو اس کا حکم مندرج ذیل ہے یاد رہے کہ ایسی احادیث کو معلق کہا جاتا ہے جس کا تفصیلاً ذکر آگے آرہا ہے، بخاری میں ایسی حدیثیں کثرت سے ہیں اگرچہ ان کا اندراج تراجم ابواب اور مقدمات میں کیا گیا ہے[۲۳] ابواب کے اندر ایسی کوئی حدیث درج نہیں صحیح مسلم میں اس قسم کی صرف ایک حدیث ہے جو باب التیمم میں مذکور ہے اور امام مسلم نے اس کی سند کو کسی اور جگہ بھی متصل بیان نہیں کیا

ہے۔ بہرحال اس طرح کی احادیث کا حکم یہ ہے کہ:۔

ا) جس حدیث کی روایت میں صیغہ جزم یعنی یقین کا لفظ مثلاً قال، امر، ذکر وغیرہ استعمال ہو اس کے متعلق یہ حکم لگایا جائے گا کہ جس راوی کی طرف اس کی نسبت ہو رہی ہے۔ اس سے یہ روایت صحیح ہے۔

ب) جس حدیث کی روایت میں صیغہ جزم یعنی یقین کا لفظ استعمال نہ ہو بلکہ یروی، یذکر، یحکی، رُوی، ذُکر وغیرہ الفاظ سے روایت کی جائے تو یہ اس بات کی نشاندہی ہو گی کہ جس راوی کی طرف اس کی نسبت ہو رہی ہے اس سے اس روایت کے صحیح ہونے کا حکم نہیں لگایا جا رہا ہے۔ درج بالا توضیح کے باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ قائم ہے کہ بخاری شریف میں موجود کسی حدیث کو ضعیف نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ اس کا اندراج ایسی کتاب یعنی بخاری میں ہو چکا ہے جس کا نام الصحیح، ہے۔

۱۲ - صحیح کے مراتب :

پہلے گزر چکا ہے کہ بعض علماء نے اپنے اپنے نقطہ نظر سے اصح الاسانید کا ذکر کیا ہے۔ اس بنیاد پر نیز باقی شروط صحت کی موجودگی کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ حدیث صحیح کے بھی کئی مراتب ہیں۔

ا) سب سے اونچا مرتبہ اس صحیح حدیث کا ہے جس کی روایت کسی صحیح ترین سند سے ہوئی ہو مثلاً امام مالک نے نافع سے اور نافع نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہو۔

ب) اس سے کم رتبہ اس صحیح حدیث کا ہو گا جس کی روایت ایسے راویوں کے، واسطوں سے ہوئی ہو جو پہلی سند کے رجال سے کم تر درجے کے ہیں مثلاً حماد بن مسلمہ کی روایت ثابت سے اور ثابت کی روایت حضرت انسؓ سے۔

ج) اس سے کم رتبہ اس صحیح کا ہو گا جس کے راویوں میں ثقاہت کا کم سے کم درجہ پایا جاتا ہو۔ مثلاً سہیل کی روایت ابوصالح سے، ابوصالح کی روایت اپنے والد سے اور ان کی روایت حضرت ابوھریرہؓ سے۔

ان تفصیلات کی روشنی میں حدیث صحیح کو حسب ذیل مراتب میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱ - وہ صحیح حدیث جس پر امام بخاری اور امام مسلم کا اتفاق ہو۔
۲ - وہ صحیح حدیث جسے صرف امام بخاری نے روایت کیا ہو۔
۳ - پھر وہ صحیح حدیث جسے صرف امام مسلم نے روایت کیا ہو۔
۴ - پھر اس روایت کا نمبر ہے جو شیخین کی شرطوں کی حامل ہو لیکن انہوں نے اس

کی تخریج نہ کی ہو۔

۵ - پھر وہ حدیث جو امام بخاری کی شرط کی حامل ہو لیکن آپ نے اس کی تخریج نہ کی ہو۔

۶ - پھر وہ حدیث جو امام مسلم کی شرط پر پوری اترتی ہو لیکن امام مسلم نے اس کی تخریج نہ کی ہو۔

۷ - آخر پر اس حدیث کا نمبر ہے جو شیخین کے علاوہ محدثین مثلاً ابن خزیمہ اور ابن حبان وغیرہ کے نزدیک صحیح ہو لیکن شیخین کی شرط پر پوری نہ اترتی ہو۔

۱۳ - شیخین کی شرطیں:

امام بخاری اور امام مسلم دونوں میں سے کسی نے واضح الفاظ میں کسی ایسی شرط کا ذکر نہیں کیا جو انہوں نے لگائی ہو یا جس کا تعین کیا ہو۔ اور جو صحیح حدیث کی متفق علیہ شرطوں سے زائد ہو۔ لیکن گہری نظر رکھنے والے علماء حدیث نے حضرات شیخین کے اسلوب روایت کے تتبع اور استقراء کے بعد اپنے اپنے ذوق کے، مطابق کسی خاص انداز کے متعلق یہ کہہ دیا ہے کہ یہ دونوں حضرات یا دونوں میں سے ایک کی شرط ہے۔

اس سلسلے میں سب سے اچھی بات جو کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ شیخین یا ان میں سے ایک کی شرط سے مراد یہ ہے کہ حدیث کی روایت ایسے راوی کر رہے ہوں جو صحیحین یا ان میں سے ایک کے راویوں میں شامل ہوں۔ نیز حضرات شیخین نے ان راویوں سے روایت کرنے کی جس خاص کیفیت اور رنگ کا التزام کیا تھا اس کی پوری رعایت کی جائے۔

۱۴ - محدثین کے قول "متفق علیہ" کا مفہوم:

جب علماء حدیث کسی حدیث میں ,متفق علیہ، کا لفظ استعمال کریں تو ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اس صورت کی صحت پر حضرات شیخین کا اتفاق ہے۔ یہ مراد نہیں ہوتی کہ اس پر امت کا اتفاق ہے۔ البتہ ابن صلاح کا یہ کہنا ہے کہ شیخین کے اتفاق پر امت کا اتفاق بھی لازم ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ اُمت کا اس پر اتفاق ہے کہ دونوں حضرات کی متفق علیہ روایت کو قبول کیا جائے۔ ۲۴۔

۱۵ - کیا صحیح کے لئے عزیز ہونے کی بھی شرط ہے؟

درست بات تو یہ ہے کہ حدیث کے لئے "عزیز" (ایسی روایت جس میں راویوں کی تعداد کسی طبقے میں دو سے کم نہ ہو) ہونے کی شرط نہیں ہے اس لئے کہ صحیحین میں ایسی احادیث موجود ہیں جو صحیح ہیں لیکن کسی طبقے میں صرف ایک راوی ہونے کی وجہ سے غریب ہیں۔ عزیز کی شرط کا خیال بعض علماء

مثلاً ابو علی جبائی معتزلی اور حاکم کو آیا ہے۔ لیکن ان کا یہ خیال امت کے متفقہ موقف کے خلاف ہے۔ [۲۴]

الحسن

۱ - حسن کی تعریف:

ا) لغوی تعریف: لغوی لحاظ سے لفظ حسن بمعنیٰ جمال سے نکلا ہے اور صفت مشبّہ ہے۔

ب) اصطلاحی تعریف: حسن کی اصطلاحی تعریف میں علمائے حدیث کے اقوال مختلف ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ حدیث حسن دراصل حدیث صحیح اور حدیث ضعیف کی درمیانی کڑی ہے۔ نیز بعض علماء نے اس کی ایسی تعریف کی ہے جو صرف اس کی ایک قسم کو شامل ہے۔ میں پہلے ان میں سے بعض تعریفات کا تذکرہ کروں گا اور بعد میں اپنے ذوق کے مطابق ان میں سے جو تعریف مجھے جامع نظر آئے گی اسے اختیار کر لوں گا۔

۱ - خطابی کی تعریف: حسن وہ حدیث ہے جس کا مخرج (روایت کا سرا جس میں صحابی کی ذات ہوتی ہے) معلوم ہو، جس کے راوی مشہور ہوں جس پر اکثر احادیث کا مدار ہو جسے اکثر علمائے حدیث قبول کرتے ہوں اور جس پر عام فقہا عمل پیرا ہوں۔ [۲۵]

۲ - ترمذی کی تعریف: ہر ایسی حدیث جس کے اسناد میں کوئی شخص بھی جھوٹ کی تہمت کی زد میں نہ آیا ہو نہ ہی وہ شاذ ہو اس سند کے علاوہ دوسرے اسناد سے بھی مروی ہو تو اس کو ہم حدیث "حسن" کہیں گے [۲۶]

۳ - ابن حجر کی تعریف: عادل، تام الضبط (قوی حافظہ والے) راویوں کی متصل السند حدیث جو معلّل اور شاذ بھی نہ ہو وہ صحیح لذاتہ ہوگی [۲۷] لیکن اگر حفظ کمزور ہو گا تو اس حدیث کو حسن لذاتہ کہا جائے گا۔ [۲۸]

میری رائے میں ابن حجر کے نزدیک ہر صحیح حدیث حسن ہے جب اس کے راوی کا حافظہ کمزور ہو جائے۔ حسن کی سب سے بہتر تعریف یہی ہے لیکن خطابی نے جو حسن کی تعریف کی ہے اس پر محدثین نے بہت زیادہ تنقید کی ہے البتہ ترمذی نے حدیث کی دو قسموں میں سے ایک کی تعریف کی ہے اور وہ حسن لغیرہ ہے۔ حالانکہ اصل بات یہ تھی کہ حسن لذاتہ کی تعریف کی جاتی، اس لئے کہ حسن

بعیرہ فی نفسہ ضعیف ہوتی ہے۔ اور متعدد طرق سے روایت ہو جانے سے اس میں ایسی طاقت آ جاتی ہے کہ وہ ترقی کر کے حسن لذاتہ تک پہنچ جاتی ہے۔

۴ - "الحسن" کی پسندیدہ تعریف: ابن حجر کی تعریف کی بنا پر حسن کی درج ذیل تعریف ممکن ہے۔

"حسن وہ حدیث ہے کہ اس کی سند متصل ہو، لیکن منقول ایسے عادل راویوں کے ذریعہ ہو جن کا حافظہ کچھ کمزور ہو اور شذوذ سے پاک ہو۔

۲ - حسن کا حکم:

دلیل کے طور پر استعمال کرنے میں اس کا درجہ صحیح کے برابر ہے اگرچہ قوت میں اس سے کچھ کم ہے اس وجہ سے جملہ فقہا نے اس سے استدلال کے ساتھ ساتھ اس پر عمل بھی کیا ہے۔ بہت سے اصولیوں اور محدثین نے اس سے صرف استدلال کیا ہے۔ البتہ بعض متشدد قسم کے علماء نے اس سے بھی احتراز کیا ہے۔ اور بعض نرم رویہ اختیار کرنے والوں نے "حسن" کو حاکم ابن حبان اور ابن خزیمہ وغیرہ کی تصانیف میں مندرج صحیح حدیث کا درجہ دیا ہے۔ البتہ انہوں نے ساتھ ہی یہ بات بھی کہہ دی ہے کہ اس کا درجہ صحیح سے کچھ کم ہے۔[۲۹]

۳ - اس کی مثال:

امام ترمذی نے ایک حدیث درج ذیل سند کے ساتھ روایت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"حدثنا قتیبہ حدثنا جعفر بن سلیمان الضبعی عن ابی عمران الجونی عن ابی بکر بن ابی موسیٰ الاشعری قال: سمعت ابی بحضرۃ العدو یقول: قال رسول صلی اللہ علیہ وسلم: ان ابواب الجنتہ تحت ظلال السیوف"[۳۰]

"ہم سے قتیبہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے جعفر بن سلیمان الضبعی نے ابی عمران الجونی سے روایت کی انہوں نے ابو بکر بن ابو موسیٰ اشعری سے روایت کی ابو بکر نے کہا: میں نے اپنے والد کو دشمن کی موجودگی میں یہ فرماتے ہوئے سنا: کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جنت کے دروازے تلواروں کے سایہ تلے ہیں"

اسی حدیث کے متعلق ترمذی نے کہا کہ "یہ حدیث حسن غریب ہے"

یہ حدیث اس لئے حسن غریب ہے کہ اس کے چاروں رجال اسناد یعنی راوی جعفر بن سلیمان کے سوا سب کے سب ثقہ ہیں اور یہ بھی صدوق (بہت سچ بولنے والا) سمجھا جاتا ہے۔ اس وجہ سے اس حدیث کا درجہ صحیح کے مرتبہ سے گر کر "حسن" کے درجہ پر آ گیا۔

۴ - حسن کے مراتب:

جس طرح صحیح کے مراتب ہیں جو ایک دوسرے سے متفاوت ہیں اسی طرح حسن کے بھی مراتب ہیں ذہبی نے ان کو صرف دو مرتبوں میں تقسیم کیا ہے۔

ا) سب سے اونچا مرتبہ: سب سے اونچے درجے کی حدیث حسن وہ ہے جسے بھز بن حکیم اپنے والد اور دادا سے روایت کریں یا جسے عمر شعیب اپنے والد اور دادا سے روایت کریں یا جسے اسحاق تیمی سے روایت کریں اور اس کی دوسری حدیثیں جن کو صحیح کہا گیا ہو لیکن وہ صحیح کے سب سے نچلے مرتبے میں ہوں۔

ب) پھر اس کے بعد اس حدیث کا مرتبہ ہے، جس کی تحسین تضعیف میں اختلاف رائے ہو گیا ہو جیسا کہ حارث بن عبداللہ، عاصم بن حمزہ اور حجاج بن ارطاۃ وغیرہ کی روایت کردہ احادیث میں اختلاف ہے۔

۵ - حدیث صحیح الاسناد یا حسن الاسناد کا مرتبہ:

ا) محدثین کے قول "ہذا حدیث صحیح الاسناد" کا درجہ بمقابلہ ان کے قول "ہذا حدیث صحیح" سے کم ہے۔

ب) اس طرح محدثین کے قول "ہذا حدیث حسن الاسناد" کا درجہ ان کے قول "ہذا حدیث حسن" سے بھی کم ہے۔ اس لئے کہ کبھی اسناد کا صحیح یا حسن کے درجہ تک پہنچنا متن کے بغیر بھی ممکن ہے اب ہو سکتا ہے متن میں شذوذ یا علت ہو جس کی وجہ سے حدیث صحیح یا حسن کے درجے سے نیچے رہ جائے۔ اس لئے جب کوئی محدث یہ کہے "ہذا حدیث صحیح" تو گویا اس نے اس حدیث میں پانچوں شرائط کے جمع ہونے کی ضمانت دے دی، لیکن جب کوئی محدث "ہذا حدیث صحیح الاسناد" کہتے ہیں تو اس نے اس حدیث میں تین شرائط پوری ہونے کی ضمانت دے دی جو یہ ہیں۔ اتصال اسناد، راویوں کی عدالت اور ان کا ضبط و حفظ، لیکن شذوذ کی نفی کی کوئی ضمانت نہیں دی۔ اس لئے کہ اس نے ان دونوں باتوں کی چھان پھٹک ہی نہیں کی تھی لیکن اگر کوئی قابل اعتماد حافظ اپنے قول "ہذا حدیث صحیح الاسناد" پر ہی اکتفا کرے اور کسی علت کا تذکرہ نہ کرے تو یہ صحت متن کی علامت ہوگی اس لئے کہ حدیث علت یا شذوذ کا پایا نہ جانا اصلی حالت ہوتی ہے۔ (جس پر کسی وجہ سے بعد میں یا علت یا شذوذ والی حالت یا کیفیت طاری ہوتی ہے مترجم)

۶ - ترمذی وغیرہ کے قول "حدیث حسن صحیح" سے مراد:

بلاشبہ ظاہر عبارت کے مفہوم میں اشکال ہے اس لئے کہ "حسن" کا درجہ صحیح کے مقابلہ میں کم ہوتا ہے۔ مراتب میں تفاوت کے باوجود ان دونوں کو ایک جگہ کس طرح جمع کیا جا سکتا ہے؟

اس لئے علماء نے اس عبارت میں ترمذی کی مراد متعین کرنے میں متعدد اقوال بیان کئے ہیں۔ ان میں سب سے اچھا وہ جواب ہے جو حافظ ابن حجر نے دیا ہے اور سیوطی نے بھی پسند کیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے:

ا) اگر حدیث کی دو یا دو سے زائد اسناد ہیں تو مفہوم یہ ہو گا، کہ ایک حدیث ایک سند کے لحاظ سے حسن ہے، اور دوسری کے لحاظ سے صحیح ہے۔

ب) اگر حدیث کی سند ایک ہی ہے تو اس کا مفہوم یہ ہو گا کہ کسی ایک گروہ کی نظر میں وہ حدیث حسن ہے اور دوسرے گروہ کی نظر میں صحیح ہے۔

گویا کہنے والے نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس حدیث کے سلسلے میں علماء حدیث کے درمیان اختلاف ہے۔ یا یہ سمجھنا چاہئے کہ صاحب کتاب نے اس حدیث کے سلسلے میں دونوں نظریوں میں کسی ایک کو ترجیح نہیں دی۔

۷ - امام بغوی کی احادیث کی تقسیم:[۳۱]

امام بغوی اپنی مخصوص اصطلاح کے مطابق مصابیح میں مندرج احادیث کو اس طرح تقسیم کرتے ہیں کہ وہ احادیث جو صحیحین یا ان دونوں میں سے کسی ایک سے لی گئی ہیں ان کو صحیح کہتے ہیں اور وہ احادیث جو انہوں نے سنن اربعہ سے لی ہیں ان کو حسن کہتے ہیں۔ امام بغوی کی یہ اصطلاح محدثین کی عام اصطلاح کے مطابق نہیں ہے۔ اس لئے کہ سنن اربعہ میں جو اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں وہ ہیں، صحیح، حسن، ضعیف، اور منکر" اس وجہ سے ابن الصلاح اور امام نووی نے اس کی نشان دہی کی ہے۔ اس لئے ہر اس شخص کو جو کتاب مشکوۃ المصابیح کا مطالعہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اس سے آگاہ رہنا ضروری ہے بالخصوص ان خاص احادیث کے متعلق جن کو اس کتاب میں صحیح یا حسن کہا جاتا ہے۔

۸ - حدیث کی وہ کتابیں جن میں حسن کی ذیل میں آنے والی چند مثالیں مل سکتی ہیں[۳۲]

علماء نے جس طرح اپنی اصطلاح کے مطابق صحیح احادیث پر مشتمل کتابیں مدون کی ہیں اس طرح حسن احادیث پر مشتمل کوئی کتاب مدون نہیں کی لیکن بعض کتابیں ایسی ضرور موجود ہیں جن کے اندر کثیر تعداد میں حسن کے ذیل میں آنے والی احادیث موجود ہیں اس طرح کی بعض مشہور کتابیں یہ ہیں۔

ا) جامع ترمذی. جو سنن الترمذی کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ یہ حدیث حسن کی معرفت

حاصل کرنے میں بنیاد کا درجہ رکھتی ہے۔ اور ترمذی ہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس کتاب میں "حسن" کا بار بار ذکر کر کے اسے شہرت دی۔ لیکن اس سلسلے میں ایک تنبیہ یہ بھی ضروری ہے کہ "حسن صحیح" کی اصطلاح استعمال کرنے میں کتاب ترمذی کے مختلف نسخوں میں اختلاف ہے۔ اس لئے حدیث کے طالب علم کو خصوصیت کے ساتھ اس طرف متوجہ رہنا چاہئے کہ مطالعہ کرنے کے لئے ترمذی کا تحقیق شدہ صحیح نسخہ حاصل کرے اور اس کو معتمد اصولوں کی روشنی میں تقابل کر کے اس کے صحیح ہونے کی تحقیق کر لے۔

ب) سنن ابو داؤد: اہل مکہ کے نام جو مراسلہ ابو داؤد نے بھیجا تھا۔ اس میں وہ ایسی ہی حدیثیں بیان کرتے ہیں۔ جو محدثین کی اصطلاح کے مطابق صحیح ہوں۔ یا اس سے ملتی جلتی اور قریب قریب ہوں اور حدیث میں کوئی کمزوری ان کو نظر آئے تو اسے بیان کر دیتے ہیں اور جس حدیث کے سلسلے میں کچھ نہ کہیں اسے "صالح" کہا جاتا ہے۔ اس بنا پر جب ہم اس کتاب میں کوئی ایسی حدیث دیکھیں جس کی کمزوری کو انہوں نے بیان نہ کیا ہو اور قابل اعتماد آئمہ حدیث میں سے کسی نے اسے صحیح قرار بھی نہ دیا ہو تو ایسی حدیث کو امام ابو داؤد کے نزدیک "حسن" ہی سمجھنا چاہئے۔

ج) سنن دار قطنی: دار قطنی نے بہت سی حسن احادیث کو اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے۔

صحیح لغیرہٖ

۱ - تعریف:

صحیح لغیرہٖ اس حدیث کو کہتے ہیں جو حسن لذاتہٖ ہوتی ہے بشرطیکہ اس کی روایت اس کی سند جیسی کسی اور یا اس سے زیادہ قوی سند سے ہوئی ہو۔ ایسی حدیث کو صحیح غیرہ اس لئے کہتے ہیں کہ اسے صحیح کا درجہ اس کی اپنی سند کی وجہ سے حاصل نہیں ہوا۔ بلکہ اس کی سند کے ساتھ کسی اور سند کے مل جانے کی وجہ سے وہ صحیح کے درجے تک پہنچی ہے۔

۲ - صحیح لغیرہٖ کا مرتبہ:

اس کا مرتبہ حسن لذاتہٖ سے بلند ہے لیکن صحیح لذاتہٖ سے کم ہے۔

۳ - صحیح لغیرہ کی مثال:

"محمد بن عمرو عن ابی سلمۃ عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: لولا ان اشق علی امتی لامرتھم بالسواک عند کل صلاۃ"[۴۳]

"محمد بن عمرو ابی سلمہ سے روایت ہے اور وہ ابوہریرہ سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر مجھے اپنی امت پر گراں باری کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ان کو ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دیتا۔"

ابن الصلاح کہتے ہیں: "محمد بن عمرو بن علقمہ صدق وتقویٰ میں بڑی شہرت کے حامل ہیں۔ لیکن حفظ و اتقان میں ان کا مقام نمایاں نہیں۔ بلکہ بعض نے انہیں ضعیف الحفظ قرار دیا ہے۔ اور بعض نے صدق و جلالت کے باعث ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ اس لحاظ سے ان کی یہ حدیث حسن ہے۔ لیکن یہی حدیث دوسرے طریقوں سے بھی مروی ہے۔ اس لئے تعدد طرق کے باعث راویوں کے ضعف الحفظ والی کمزوری کا خدشہ جاتا رہا۔ اس لئے کہ کثرت طرق نے اس ہلکے سے نقص کو دور کر دیا نقص دور ہو جائے، سند درست ہو گئی، اور یہ حدیث صحیح کے درجے کو پہنچ گئی"[۴۴]

حسن لغیرہ

۱ - تعریف:

حسن لغیرہ وہ ضعیف حدیث ہے جس کی روایت کے متعدد طرق ہو جائیں اور اس کے ضعف کا باعث راوی کا فسق یا کذب نہ ہو۔

اس تعریف سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ضعیف حدیث درج ذیل دو امور کے باعث حسن لغیرہ کا درجہ پالیتی ہے۔

ا) یہ حدیث اس سند کے علاوہ کسی اور یا متعدد سندوں سے بھی مروی ہو اور دوسری سند اس طرح کی یا اس سے زیادہ قوی ہو۔

ب) ضعف حدیث کا سبب راوی کا ضعف حفظ یا سند کا انقطاع یا راویوں کا مجہول ہونا ہو۔

۲ - حسن لغیرہ کا مرتبہ:

حسن لذاتہ کے مقابلے میں حسن لغیرہ کا مرتبہ کم ہے۔ چنانچہ اس پر قیاس کرتے ہوئے اگر حسن لذاتہ اور حسن لغیرہ کے درمیان کسی اور موقع پر تعارض ہو جائے تو حسن لذاتہ کو ترجیح دی جائے گی۔

۳ - اس کا حکم:
ایسی حدیث مقبول ہو گی اور اسے بطور دلیل پیش کیا جاسکتا ہے۔

۴ - مثال:
عن شعبۃ عن عاصم بن عبید اللہ عن عبداللہ عن عامر بن ربیعہ عن ابیہ ان امراۃ من بنی فزارۃ تزوجت علی نعلین، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "ارضیت من نفسک ومالک بنعلین" قالت نعم، فاجاز۔

شعبہ نے عاصم بن عبداللہ سے انہوں نے عبداللہ بن عامر بن ربیعہ سے انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ: "بنو فزارہ کی عورت نے صرف جوتے کو بطور مہر لے کر کسی سے نکاح کرنا قبول کر لیا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا: "کہ تم اپنی ذات اور مال کے بدلے میں جوتوں کے جوڑے پر رضامند ہو گئی ہو تو اس نے اثبات میں جواب دیا اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نکاح کو جائز قرار دیا"

ترمذی نے کہا: "یہ حدیث دوسری سند سے بھی مروی ہے حضرت عمرؓ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت عائشہؓ اور حضرت ابو حدردؓ سے بھی اس کے راوی ہیں"[۳۵] (ترمذی)

عاصم ضعف حفظ کے باعث کمزور ہیں مگر ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے کیونکہ یہ متعدد طرق سے مروی ہے۔

مقبول خبر احاد جو بہت سے قرائن کی حامل ہو

۱ - تمہید:
مقبول حدیث کی اقسام کے خاتمہ پر اب ایسی مقبول حدیث پر بحث کا آغاز کیا جا رہا ہے جو مختلف بالقرائن ہو یعنی جس کو بہت سے قرائن نے جو مقبول کی مطلوبہ شرائط سے زائد ہو گھیر رکھا ہو اور ان کے باعث اس میں مقبولیت کی مزید قوت پیدا ہو گئی ہو۔ جس کی وجہ سے دوسری مقبول احادیث کے مقابلے میں جو ان قرائن سے خالی ہوں ایک امتیازی حیثیت حاصل ہو گئی ہو[۳۶]

۲ - "محتف بالقرائن خبر" کی متعدد انواع ہیں۔ جن میں سب سے زیادہ مشہور یہ ہیں:
شیخین نے جن احادیث کی اپنی صحیحین میں روایات کی ہیں اور متواتر کے درجے کو تو نہیں پہنچ سکیں۔ لیکن محتف بالقرائن ہیں۔ ان میں چند ایک قرائن یہ ہیں۔
۱ - علم الحدیث میں شیخین کی جلالت اور مرتبہ و مقام:
۲ - صحیح احادیث کی پرکھ میں دوسرے محدثین کے مقابلے میں ان کی امتیازی حیثیت۔

۳ - علماء کی نگاہوں میں ان دونوں کتابوں کی عظمت و قبولیت ہی افادہ علم کے لئے اس کثرت طرق سے زیادہ قوی ہے جو حد تواتر کو نہیں پہنچ سکی۔

ب) وہ حدیث مشہور جو مختلف طرق سے مروی ہو اور اس کے سلسلہ سند میں ضعف و علت کا کوئی نشان نہ ہو۔

ج) ایسی خبر جس کا روایت کا تسلسل نہایت پختہ اور قوی الحفظ آئمہ کرام کے ذریعہ اس طرح قائم ہو کہ کسی مرحلے میں وہ غریب حدیث کے زمرے میں نہ آسکے۔

مثلاً ایسی حدیث جس کو امام احمد امام شافعی سے روایت کریں اور امام شافعی اس کو امام مالک سے روایت کریں اور پھر یہ بھی ہو کہ اسے امام شافعی سے روایت کرنے میں کوئی دوسرا راوی بھی امام احمد کا شریک ہو اس طرح حضرت امام مالک سے اسے روایت کرنے میں حضرت امام شافعی کے ساتھ کوئی دوسرا موجود ہو۔

۳ - ایسی حدیث کا حکم:

ایسی حدیث اخبار آحاد میں سے کسی بھی مقبول خبر سے زیادہ راجح ہوتی ہے۔ اگر ایسی خبر جو محتف بالقرائن ہو دیگر مقبول اخبار میں سے کسی کے ساتھ متعارض ہو جائے تو لازماً اسی محتف بالقرائن کو ترجیح دی جائے گی۔

بحث دوم

خبر مقبول کی ایک اور تقسیم معمول بہ اور غیر معمول بہ -

خبر مقبول کی دو قسمیں ہیں معمول بہ اور غیر معمول بہ۔ پھر اس سے علوم حدیث کی متعدد اقسام میں سے دو قسمیں نکلتی ہیں ایک محکم اور مختلف الحدیث اور دوسری ناسخ و منسوخ۔

محکم اور مختلف الحدیث

۱ - محکم کی تعریف:

۱) لغوی لحاظ سے: یہ لفظ احکم. یحکم احکاماً بمعنی اتقان سے مفعول ہے۔

ب) اصطلاحی تعریف: اصول حدیث کی اصطلاح میں اس سے مراد وہ مقبول حدیث ہے جو اپنی جیسی دوسری احادیث سے متعارض نہ ہو۔ اکثر احادیث اسی قسم کی ہیں لیکن وہ احادیث ایک دوسرے سے متعارض ہوں جملہ احادیث کے مقابلہ میں بہت ہی کم ہیں۔

۲ - مختلف الحدیث کی تعریف

ا) لغوی لحاظ سے: مختلف کا لفظ "اختلاف" (جو اتفاق کی ضد ہے) سے نکلا ہے۔ مختلف الحدیث یعنی احادیث جو ہم تک ایسی صورت میں پہنچتی ہیں کہ معنی کے اعتبار سے ان میں اختلاف ہوتا ہے۔ یعنی ان میں باہم تضاد ہوتا ہے۔

ب) اصطلاحی تعریف: اصول حدیث کی اصطلاح میں یہ وہ مقبول حدیث ہے جو اپنی جیسی حدیث کے معارض ہو لیکن اس کے باوجود ان کے جمع ہونے کا امکان موجود ہو۔

یعنی وہ ایسی صحیح یا حسن حدیث ہے جس کے مقابل اس قوت و مرتبہ میں اسی طرح کی ایک اور دوسری حدیث آتی ہے جو بظاہر معنی کے لحاظ سے اس کے مخالف ہو لیکن اس کے باوجود اہل علم و فہم کے لئے ممکن ہو کہ ان دونوں مدلول کو قابل قبول شکل میں تطبیق دے دیں۔

۳ - مختلف الحدیث کی مثال:

ا) حدیث (لا عدویٰ ولا طیرۃ کسی بیماری میں کوئی تعدیہ نہیں اور نہ ہی پرندوں کے ذریعہ کوئی بدشگونی ہے) کو امام مسلم نے ایک اور حدیث

ب) فر من المجذوم فرارک من الاسد (کوڑھ کے مریض سے تم اس طرح بھاگو جس طرح تم شیر سے بھاگتے ہو) کے ساتھ روایت کی ہے۔ آخری حدیث کی روایت امام بخاری نے بھی کی ہے۔

یہ دونوں حدیثیں صحیح حدیثیں ہیں بظاہر ان میں تعارض نظر آتا ہے اس لئے پہلی حدیث عدوی ہے یعنی کسی بیماری کے متعدی ہونے کی نفی کرتی ہے اور دوسری حدیث بیماری کے متعدی ہونے کو ثابت کرتی ہے۔ علماء نے ان دونوں حدیثوں کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کے لئے متعدد طریقوں سے کوشش کی ہے یہاں ان میں سے وہ طریقہ بیان کیا جارہا ہے جسے حافظ ابن حجر نے اختیار کیا ہے:

ان دو متعارض حدیثوں کو باہم تطبیق دینے کی صورت:۔ ان دونوں حدیثوں

کے درمیان جمع تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ بیماری کے متعدی ہونے کی نفی بھی آئی ہے اور اس کا متعدی ہونا بھی ثابت نہیں ہوا۔ اس کی دلیل حضورؐ کا ارشاد ہے (لا یعدی شئی شیئاً کوئی چیز متعدی ہو کر دوسری تک نہیں جاتی)[۳۷] حضورؐ کا دوسرا ارشاد اس شخص کے جواب میں جس نے حضورؐ کے سامنے آکر کہا کہ: "خارشی اونٹ صحیح اور تندرست اونٹوں کے درمیان آجائے تو تندرست اونٹ بھی خارشی ہو جائیں گے" یہ سن کر آپ نے فرمایا: "اس پہلے اونٹ کو کس نے خارشی بنادیا"[۳۸]

اس قول سے آپ کی مراد یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ہی دوسرے اونٹوں میں یہ بیماری پیدا کی جس طرح پہلے میں کی تھی۔ رہا کوڑھ کے مریض سے دور ہو جانے کا حکم یہ گناہ میں مبتلا ہونے کی راہیں مسدود کرنے کے طور پر دیا گیا ہے۔ تاکہ وہ شخص جو مجذوم کے ساتھ میل جول رکھتا ہو اگر اتفاق سے تقدیر الٰہی کے طور پر نہ کہ بیماری کے متعدی ہونے کی وجہ سے جس کی حدیث میں نفی کر دی گئی ہے یہ مرض لاحق ہو جائے تو وہ کہیں یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ اس کی بیماری کوڑھی کے ساتھ میل جول کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے اور پھر اپنے اس غلط اعتقاد کی وجہ سے عدوی یعنی متعدی ہونے کو درست تسلیم کرلے اور اس طرح ایک غلط بات مان لینے کی وجہ سے گناہ میں مبتلا ہو جائے لہٰذا ضرورت تھی کہ اس کو مجذوم کے قرب سے ہی روک دیا جائے تاکہ وہ اس اعتقاد فاسد میں مبتلا ہو کر گناہ گار نہ بن جائے۔

۴ ۔ جس شخص کو دو مقبول لیکن باہم متعارض حدیثیں نظر آئیں اس پر کیا ذمہ داری عائد ہو گی؟

ایسے شخص کے لئے مندرجہ ذیل لائحہ عمل اختیار کرنا ضروری ہو گا۔

ا) اگر دونوں متعارض حدیثوں میں جمع و تطبیق ممکن ہو تو ایسا کرنا ضروری ہو گا اور پھر دونوں پر عمل پیرا ہو گا۔

ب) اگر دونوں میں جمع و تطبیق ممکن نہ ہو تو اس کے حل کے لئے چند صورتیں یہ ہوں گی۔

۱ ۔ اگر اسے یہ معلوم ہو جائے کہ ان میں سے ایک حدیث ناسخ ہے اور دوسری منسوخ تو منسوخ کو ترک کرکے ناسخ پر عمل کر لیا جائے۔

۲ ۔ اگر یہ معلوم نہ ہو سکے تو دوسری وجوہ تلاش کرے جن کی تعداد پچاس سے زیادہ ہے پھر راجح پر عمل کرے۔

۳ - اگر ایک کو دوسرے پر ترجیح بھی نہ دی جا سکے (ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے) تو ہم دونوں پر عمل کرنے سے اس وقت تک پرہیز کریں گے جب تک کسی ایک کے لئے ترجیح ظاہر نہ ہو جائے۔

۵ - اس کی اہمیت۔ اور اس میں کمال حاصل کرنے والا۔

متعارض احادیث میں جمع و تطبیق کا فن علم الحدیث کے اہم فنون میں سے ایک ہے کیونکہ تمام علماء اس کی معرفت کے لئے کوشاں رہتے ہیں لیکن اس فن میں کمال اور مہارت صرف ان آئمہ کو حاصل ہوتی ہے جو حدیث اور فقہ کے جامع ہوتے ہیں یا پھر اس کے ماہر وہ علمائے اصول ہوتے ہیں جو اس فن کے بحر بے کنار میں غواصی کر کے لطیف معانی کے موتی نکال لاتے ہیں انہیں متعارض احادیث کی جمع و تطبیق میں کوئی اشکال پیش نہیں آتا اگر آتا بھی ہے تو ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔

دلائل کے تعارض اور ان میں تطبیق کے عمل نے علماء کے اذہان کو بہت زیادہ مشغول رکھا ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان کی علمی صلاحیت، قابلیت اور نکتہ رسی کا ظہور بھی اسی کے ذریعہ ہوا ہے۔ جب کہ دوسری طرف اس وادی پر خار میں قدم رکھنے والے نااہل لوگوں نے جن کی حیثیت علماء کے بچھائے ہوئے علمی دسترخوان پر طفیلی کی ہے قدم قدم پر ٹھوکریں کھائی ہیں۔

٦ - اس موضوع پر مشہور ترین تصانیف۔

ا) اختلاف الحدیث۔ مصنفہ امام شافعی، امام صاحب پہلے شخص ہیں جنھوں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔

ب) تاویل مختلف الحدیث۔ ابن قتیبہ، عبداللہ بن مسلم اس کے مصنف ہیں۔

ج) مشکل الآثار۔ امام طحاوی، ابو جعفر احمد بن سلامہ کی یہ تصنیف ہے۔

ناسخ و منسوخ احادیث

۱ - نسخ کی تعریف۔

ا) لغوی تعریف۔ لغت میں نسخ کے دو معنی ہیں ایک معنی ہیں ازالہ یعنی زائل کر دینا اسی سے یہ محاورہ مستعمل ہے۔ نسخت الشّمس الظل، یعنی سورج نے سایہ کو زائل کر دیا۔ دوسرے معنی ہیں نقل کرنا جیسا کہ محاورہ ہے۔ نسخت الکتاب۔ میں نے کتاب نقل کر لی۔ گویا ناسخ یعنی نقل کرنے والے نے منسوخ کو یعنی جس سے اس نے نقل کی ختم کر

کے رکھ دیا یا اسے کوئی اور شکل دے دی۔

ب) اصطلاحی تعریف: اصطلاح میں اس کا مفہوم یہ ہو گا کہ شارع نے پہلے کوئی حکم دیا پھر بعد میں دوسرا حکم دے کر اس پہلے حکم کو ختم یعنی زائل کر دیا۔

۲ - اس کی اہمیت اور اس کی دشواری اور اس میدان کی نمایاں شخصیات

علم الحدیث میں ناسخ و منسوخ کی معرفت بہت اہم لیکن دشوار ترین فن ہے امام زھری کہتے ہیں ناسخ احادیث کو منسوخ سے الگ کرنے کے عمل نے فقہاء کو عاجز و بے بس کر کے رکھ دیا ہے۔"

ناسخ و منسوخ کی معرفت اور اس میں مہارت حاصل کرنے میں سب سے اونچا مقام حضرت امام شافعی کا ہے۔ جن کو اس فن میں ید طولیٰ اور بہت بڑی سبقت حاصل رہی ہے۔ امام احمد نے ابن وارہ سے جب وہ مصر سے لوٹے تو پوچھا: "کیا امام شافعی کی تمام کتابیں تم نے قلم بند کر لی ہیں؟" انہوں نے نفی میں جواب دیا۔ یہ سن کر امام احمد نے فرمایا تم سے کوتاہی سرزد ہو گئی ہمیں تو مجمل و مفسر احکام دادلہ اور ناسخ و منسوخ احادیث کا علم امام شافعی کی مجلس میں ہی بیٹھ کر حاصل ہوا ہے۔

۳ - ناسخ و منسوخ کی معرفت کس طرح حاصل کی جائے؟

ناسخ اور منسوخ احادیث کو مندرجہ ذیل امور کے ذریعے پہچانا جا سکتا ہے۔

ا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں بریدہ کی حدیث ہے "کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا فانھا تذکر الآخرۃ: فرمایا میں نے تم کو زیارت قبور سے منع کیا تھا اب حکم دیتا ہوں کہ تم قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ وہ آخرت کی یاد دلاتی ہیں۔

ب) صحابی کے قول سے: جیسا کہ جابر بن عبداللہ کا قول ہے:
"(آگ پر پکی ہوئی چیز کھا لینے پر وضو کرنے یا نہ کرنے کے متعلق) دو حکموں میں آخر حکم جو ہم تک حضورؐ سے پہنچا ہے وہ یہ ہے کہ جس چیز کو آگ چھو لے یعنی آگ پر پکی ہوئی ہو کھانے کے بعد وضو نہ کرو اس قول کو "اصحاب سنن" نے روایت کیا ہے۔"

ج) تاریخ کی معرفت کے ذریعہ: جیسا کہ شداد بن اوس کی حدیث: "افطر الحاجم والمحجوم"[۳۹] (حاجم اور محجوم دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا) جو ابن عباس کی حدیث سے منسوخ ہو گئی کہ حضورؐ نے احرام اور روزہ کی حالت میں سینگی لگوائی[۴۰] اس حدیث سے سابق حدیث منسوخ ہو گئی (اس لئے کہ دوسری حدیث پہلی کے مقابلے میں بہت بعد کی ہے) شداد کی حدیث کے بعض دوسرے طرق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حدیث فتح

مکہ کے دور کی ہے اور ابن عباس والی حدیث حجتہ الوداع والے زمانے کی ہے۔ اس لئے کہ ابن عباس حجتہ الوداع کے موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔

د) دلالت اجماع کے ذریعہ: جیسا کہ حدیث: "من شرب الخمر فاجلدوہ فان عاد فی الرابعۃ فاقتلوہ"[۱] (جو شراب نوشی کرے اس کو کوڑے مارو، اگر چوتھی بار اعادہ کرے تو اس کو قتل کرو)

امام نووی کہتے ہیں امت کا اجماع ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے البتہ یہ معلوم رہنا چاہئے کہ اجماع نہ ناسخ ہوتا ہے نہ منسوخ البتہ ناسخ کی طرف رہنمائی ضرور کرتا ہے۔

۴ - ناسخ و منسوخ پر سب سے زیادہ مشہور تصانیف:

ا) الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ من الآثار۔ ابو بکر محمد موسیٰ الحازی

ب) الناسخ والمنسوخ تصنیف امام احمد۔

ج) تجرید الاحادیث المنسوخۃ ابن جوزی

فصل ثالث

خبر مردود

- بحث اول : ضعیف
- بحث دوم : مردود بوجہ سقوط سند
- بحث سوم : مردود بوجہ طعن راوی

خبر مردود اور اس کے رد کے اسباب

۱ - تعریف

خبر مردود وہ خبر ہے جس کے مخبر بہ یعنی مضمون ومدلول کی صداقت کو ترجیح حاصل نہ ہو سکے یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ کسی خبر کے مقبول ہونے کے لئے جو ضروری شرائط ہیں اور "صحیح" کی بحث میں گزر چکے ہیں ان میں سے کوئی ایک یا ایک سے زائد شرائط نہ پائی جائیں تو وہ خبر لازماً مردود قرار پائے گی۔

۲ - خبر مردود کی اقسام اور اس کے رد کے اسباب :

علماء نے خبر مردود کی بہت سی قسمیں بتائی ہیں۔ اور ان میں سے بہت سی قسموں کے خاص خاص نام بھی مقرر کئے ہیں لیکن بعض قسمیں ایسی ہیں جن کا الگ نام رکھنے کی بجائے ان کے عام کے طور پر لفظ ضعیف ہی پر اکتفا کیا گیا ہے۔

کسی حدیث کو رد کرنے کے بہت سے اسباب ہیں (۴۲) لیکن بنیادی طور پر دو بڑے اسباب ہیں: جن میں باقیماندہ دوسرے اسباب بھی داخل ہیں۔ ان دونوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

ا) سلسلۂ اسباب میں انقطاع:

ب) راوی پر طعن:

پھر ان دونوں بنیادی اسباب کے ضمن میں اور متعدد اسباب آتے ہیں۔ جن پر انشاء اللہ مستقل و مفصل بحث کی جائے گی۔ یہاں اس کی ابتداء "الضعیف" پر بحث سے ہوگی یہ وہ نام ہے جو عام طور پر مردود حدیث کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

بحث اول

ضعیف حدیث

۱ - تعریف:

ا) لغوی تعریف: لغت میں ضعیف کا استعمال قوی کے مقابلہ میں ہوتا ہے۔ ضعف حسی اور معنوی دونوں طرح کا ہوتا ہے۔ یہاں ضعف معنوی مراد ہے۔

ب) اصطلاحی تعریف: اصول حدیث کی اصطلاح میں ضعیف ہر اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں حسن کی ضروری شرائط میں سے کوئی ایک شرط موجود نہ ہو۔

البیقونی نے اصول حدیث کی اپنی منظوم کتاب میں کہا ہے:

وکل ما عن رتبہ الحسن قصر۔ فھو الضعیف و ھو اقسام کثر

ہر وہ حدیث جو حسن کے مرتبے تک پہنچنے سے قاصر ہو وہ ضعیف ہے جس کی بہت سی اقسام ہیں۔

۲ - ضعیف احادیث کا آپس میں تفاوت:

راویوں کے ضعف میں شدت و خفت کے لحاظ سے حدیث ضعیف میں اس طرح تفاوت ہوتا ہے جس طرح صحیح میں ہوتا ہے۔ چنانچہ ان میں سے بعض ضعیف بعض بہت زیادہ ضعیف بعض واہی بعض منکر اور ان میں سے بدترین قسم موضوع حدیث ہے[۴۲]

۳ - اوھی الاسانید (کمزور ترین حدیث):

صحیح حدیث کے سلسلہ میں چونکہ صحیح ترین اسناد کا ذکر کیا جا چکا ہے اس لئے علماء نے ضعیف کی بحث کرتے ہوئے "اوھی الاسانید" "کمزور ترین اسناد" کا ذکر بھی کیا ہے اسی سلسلے میں حاکم نیشاپوری نے اوھی الاسانید کی اچھی خاصی تعداد کا ذکر کیا ہے[۴۳] جس کی نسبت بعض صحابہ یا بعض جہات اور بعض

شہروں کی طرف کی گئی ہے۔ میں حاکم وغیرہ کی کتاب سے بعض امثال کا ذکر کرتا ہوں۔

ا) حضرت ابو بکرؓ کی طرف منسوب ایک کمزور ترین سند ہے "صدقہ بن موسیٰ الدقیق، فرقد سبخی سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مرہ طبیب نے حضرت ابو بکر سے روایت کی ہے "[۴۵]

ب) شامیوں کی کمزور ترین سند محمد بن قیس المصلوب، عبید اللہ بن زحر سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انہوں نے علی بن یزید سے انہوں نے القاسم سے اور انہوں نے ابو امامہ سے روایت کی ہے۔

ج) حضرت ابن عباس کی طرف منسوب کمزور ترین سند " السدی الصغیر محمد بن مروان نے الکلبی سے انہوں نے ابو صالح سے اور انہوں نے ابن عباس سے روایت کی ہے حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ یہ سند سلسلۃ الذہب یعنی سونے کی زنجیر (اشارہ صحیح ترین سند مالک عن ابن عمر کی طرف ہے) نہیں بلکہ جھوٹ کی کڑیوں کا مجموعہ ہے "[۴۶]

۴ - مثال:

ترمذی نے حکیم اثرم کے طریق سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ ابو تمیمہ جہیمی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے، جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: "اگر کسی نے حائضہ یا بیوی کے مقعد میں عمل جنسی کیا یا کاہن کے پاس گیا تو اس نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل شدہ شریعت کو جھٹلا دیا" پھر ترمذی نے یہ حدیث روایت کرنے کے بعد فرمایا: "اس حدیث کو ہم بروایت حکیم اثرم (مذکورہ بالا سند) ہی جانتے ہیں۔ اس کے سوا ہمیں کسی اور سند سے یہ حدیث نہیں پہنچی۔ "

اور پھر کہا: " محمد بن اسماعیل بخاری نے اس حدیث کی سند کی تضعیف کی ہے " میں کہتا ہوں امام بخاری نے اس سند کی اس لئے تضعیف کی ہے کہ اس میں حکیم الاثرم ہے۔ جس کو علماء نے ضعیف کہا ہے۔ "

حافظ ابن حجر نے اس کے متعلق اپنی مشہور کتاب تقریب التہذیب میں کہا "فیہ لین" (اس میں کمزوری ہے)

۵ - اس کی روایت کا حکم:

اصحاب حدیث وغیرہم کے ہاں ضعیف احادیث کی روایت کرنا اور ان کی اسناد کے ضعف کو بیان کرنے سے گریز کرنا دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے۔ جب کہ اس کے برعکس موضوع احادیث کی روایت کرنا اس وقت تک درست نہیں جب تک کہ یہ بیان نہ کر دیا جائے کہ یہ موضوع احادیث

ہیں۔ وہ دو شرطیں یہ ہیں۔

ا) ضعیف احادیث کا تعلق عقائد کے ساتھ نہ ہو، جیسا کہ صفات باری تعالیٰ

ب) ایسے احکام شرعیہ سے نہ ہو جن کا تعلق حلال و حرام کے بیان سے ہو البتہ وعظ و

نصیحت ترغیب و ترہیب یعنی فضائل و اعمال اور قصص وغیرہ کے لئے ضعیف احادیث کی روایت کرنا جائز تصور کیا گیا ہے۔ جن اکابر محدثین سے ضعیف احادیث کی اسناد کے ضعف کے بیان سے گریز منقول ہے ان میں امام سفیان ثوری، عبدالرحمٰن بن مہدی اور احمد بن حنبل شامل ہیں[٤٨]

ایک بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب کبھی اس قسم کی حدیث کو سند کے بغیر روایت کرنا پڑ جائے تو یہ نہ کہا جائے کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" بلکہ یوں کہا جائے کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث اس طرح روایت کی گئی ہے" یا "یہ حدیث ہم تک اس طرح پہنچی ہے" تاکہ کسی حدیث کے ضعیف سند رکھنے کے باوجود اس کی نسبت قطعیت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہ ہو جائے۔

٦ - حدیث ضعیف پر عمل کا حکم:

حدیث ضعیف پر عمل کے درمیان اختلاف ہے۔ جمہور علماء کا نقطہ نظر یہ ہے کہ فضائل و اعمال کی صورت میں ان پر عمل پیرا ہونا مستحب ہے لیکن اس کے لئے تین شرطیں ہیں جن کی وضاحت حافظ ابن حجر نے کی ہے[٤٩]

ا) ضعف زیادہ شدید نہ ہو۔

ب) حدیث کسی ایسے اصل اور بنیاد کے ذیل میں آتی ہو جس پر عمل ہو رہا ہو۔

ج) اس پر عمل کرتے وقت یہ اعتقاد نہ ہو کہ یہ عمل شریعت سے ثابت ہے بلکہ یہ اعتقاد ہو کہ احتیاط کا یہی تقاضا ہے

٧ - اس موضوع پر مشہور ترین تصانیف:

ا) وہ کتابیں جو ضعفا کے بیان میں شائع ہوئیں ہیں جیسا کہ ابن حبان کی کتاب الضعفاء ذھبی کی کتاب میزان الاعتدال، جس میں وہ راویوں کے سبب سے جو احادیث ضعیف قرار پائی ہیں۔ ان کی مثالیں بکثرت بیان کرتے ہیں۔

ب) وہ کتابیں جو خاص طور ضعیف احادیث کی قسموں مثلاً مراسیل، علل اور

مدرج وغیرہ کے متعلق تصنیف ہوئی ہیں ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔
کتاب المراسیل اور دار قطنی کی کتاب العلل، وغیرہ

دوسرا مبحث

سقوط سند کے باعث مردود حدیث

۱ - سقوط سند سے مراد:

سقوط سند سے مراد سلسلہ اسناد کا انقطاع ہے۔ یہ صورت کسی ایک راوی یا زیادہ کا عمداً یا سہواً ذکر نہ کرنے سے پیش آتی ہے سند کا انقطاع شروع سے ہو یا آخر سے یا درمیان سے ہو۔ سقوط ظاہری ہو یا خفی ہو، ان سب صورتوں کو سقوط ہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۲ - سقوط کی اقسام:

سقوط سند ظاہری اور مخفی اعتبار سے دو قسم کا ہوتا ہے۔

ا) سقوط ظاہری: سقوط سند کی اس قسم کی معرفت کی ضرورت آئمہ حدیث اور علوم حدیث کی درس و تدریس میں مصروف رہنے والوں سب ہی کو ہے۔ یہ سقوط راوی اور اس کے شیخ کی عدم ملاقات سے ثابت ہوتا ہے۔ یہ عدم ملاقات اس وجہ سے ہو کہ راوی نے اپنے شیخ کا زمانہ ہی نہیں پایا ہو یا زمانہ تو پایا ہو لیکن اپنے شیخ ہی سے ملاقات نہ ہو اور نہ ہی اسے اذن روایت حاصل ہوئی ہو اور نہ ہی اس نے اس کی کوئی تحریر پائی ہو۔ اس لئے اسناد کی تحقیق کرنے والے راویوں کی تاریخ پیدائش اور وفات ان کی طالب علمی اور سفر علمی کے اوقات و ادوار کی مفصل معرفت حاصل کرنی چاہیئے۔

علماء حدیث نے سقوط ظاہری کے چار طرح کے نام رکھے ہیں۔ یہ نام راویوں کے مقام سقوط یا ان کی اس تعداد کے لحاظ سے ہیں جن کو سند سے ساقط کر دیا گیا ہے۔

۱ - معلق۔
۲ - المرسل۔
۳ - المعضل۔
۴ - المنقطع۔

ب) سقوط خفی: اس کا ادراک ان ہی لوگوں کو ہوتا ہے جو طرق حدیث اور علل اسانید سے اچھی طرح باخبر ہونے کے ساتھ اس فن میں مہارت تامہ اور وسیع تجربہ رکھتے ہوں، سقوط خفی کی بھی دو قسمیں ہیں۔

۱ - المدلس۔

۲ - المرسل الخفی۔

ان چھ اقسام پر مفصل بحث آپ کے سامنے پیش کی جارہی ہے۔

المعلق

۱ - معلق کی تعریف:

ا) لغت کے لحاظ سے: عَلَقَ یُعَلِّقُ تعلیقًا سے اسم مفعول ہے۔ علق الشی بالشی یعنی ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ جوڑ، رابطہ اور تعلق جس نے اس کو معلق کر لیا، سند کو معلق اس لئے کہتے ہیں کہ یہ اوپر کی جانب سے معلق ہے اور نچلی جانب سے ساقط ہے گویا کہ چھت کے ساتھ اس کو لٹکا دیا گیا۔

ب) اصطلاح کے لحاظ سے: اصطلاح کے مطابق معلق اس سند کو کہتے ہیں جس کی ابتدا سے ایک یا ایک سے زائد راویوں کا لگاتار ذکر چھوٹ جائے۔

۲ - اس کی متعدد صورتیں:

ا) کوئی شخص پوری سند کا تذکرہ ہی نہ کرے اور بلا تذکرہ سند کہہ دے، "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا)۔

ب) ایک صورت یہ ہے کہ صحابی یا صحابی کے علاوہ کسی بھی راوی کا ذکر نہ کیا جائے [۵]

۳ - مثال:

امام بخاری نے باب ما یذکر فی الفخذ (ران کے متعلق باب) کے مقدمہ میں بیان کیا ہے: "ابو موسیٰ کہتے ہیں: "جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تشریف لائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ران ڈھانپ لی" یہ حدیث معلق ہے اس لئے کہ امام بخاری نے صحابی یعنی حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ذکر کے سوا پوری سند حذف کر دی ہے۔

۴ - معلق کا حکم:

حدیث معلق قابل قبول نہیں ہے۔ اس لئے شرائط قبول میں سے اہم شرط، اتصال سند، اس میں

موجود نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس کی سند میں ایک یا ایک سے زائد راوی محذوف ہوتے ہیں۔ جن کا ہمیں کچھ علم نہیں ہوتا۔

۵ - صحیحین میں درج شدہ معلق احادیث کا حکم:

یہ حکم کہ معلق کو قبول نہ کیا جائے مطلق حدیث معلق کے لئے ہے۔ اگر حدیث معلق ایسی کتاب میں پائی جائے جس میں صحیح احادیث روایت کرنے کا التزام کیا گیا ہو مثلاً صحیحین، تو ایسی معلق حدیث کا خاص حکم ہو گا۔ جو اس سے پہلے حدیث صحیح کی بحث میں گزر چکا ہے۔ یاد دہانی کے لئے یہاں اس کا دوبارہ ذکر کیا جاتا ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔

ا) یقینی اور قطعی الفاظ مثلاً قال (اس نے کہا) ذکر (اس نے ذکر کیا) اور حکی (اس نے بیان کیا) کے ساتھ ذکر ایسی صورت میں یہ اس بات کی علامت ہو گی کہ جس راوی کی طرف اس حدیث کی روایت نسبت کی جارہی ہے اس کی روایت کی بنا پر اس حدیث پر صحیح ہونے کا حکم لگا دیا گیا ہے۔

ب) تعریضی یعنی غیر قطعی الفاظ مثلاً قیل (کہا گیا) ذکر (ذکر کیا گیا) حکی (بیان کیا گیا) کے ساتھ ذکر ایسی صورت میں یہ اس بات کی علامت ہو گی کہ جس راوی کی طرف اس حدیث کی روایت نسبت کی جارہی ہے اس کی روایت کی بنا پر اس حدیث پر صحیح ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ بلکہ اس میں صحیح، حسن اور ضعیف تینوں طرح کی حدیثیں ہوں گی۔ لیکن اس میں کوئی ,واہی حدیث, (ایسی حدیث جو سند کے لحاظ سے انتہائی کمزور ہو) نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ اس حدیث کا اندراج ایسی کتاب میں ہے جس کا نام ہی ,الصحیح, ہے۔ (یعنی صحیح بخاری یا صحیح مسلم)۔ صحیح حدیث کو دوسری احادیث سے الگ کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ زیر بحث حدیث کی اسناد کی چھان بین کی جائے اور جو نتیجہ سامنے آئے اس کے مطابق اس پر حکم لگایا جائے۔[۵۲]

مرسل

۱ - تعریف

ا) لغوی تحقیق: ارسل یرسل ارسالاً، (کھلا چھوڑ دینا) سے اسم مفعول مرسل آتا ہے گویا کہ مرسل حدیث کے روایت کرنے والے نے اسناد کو کھلا چھوڑ دیا، اور اسے کسی معین راوی کے ساتھ مقید ہی نہیں کیا۔

ب) اصطلاحی تعریف: اصطلاح حدیث میں مرسل وہ حدیث ہے جس کی سند کا آخری حصہ یعنی تابعی سے اوپر کا راوی ساقط ہو۔[۵۳]

۲ - اس کی صورت:

صورت اس کی یہ ہے کہ تابعی، خواہ وہ نابالغ ہو یا بالغ یہ کہے: "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہا یا آپ کے سامنے یہ ہوا" محدثین کے نزدیک مرسل کی یہی صورت ہے۔

۳ - مثال:

مسلم نے اپنی صحیح کتاب البیوع میں یہ روایت کی ہے: "حدثنی محمد بن رافع ثنا حجین ثنا اللیث عن عقیل عن ابن شہاب عن سعید بن المسیب ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن المزابنۃ"[۵۴]

(محمد بن رافع نے مجھ سے بیان کیا ان سے حجین نے ان سے لیث نے عقیل سے عقیل نے شہاب سے ابن شہاب نے سعید بن المسیب سے سعید بن المسیب نے کہا: "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ یعنی درخت پر لگے ہوئے پھل فروخت کرنے سے منع فرمایا)۔

سعید بن المسیب بہت بڑے تابعی ہیں اس حدیث کو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کو اپنے اور حضورؐ کے درمیان واسطہ کا ذکر کئے بغیر روایت کر دیا ہے۔ اس طرح انہوں نے اس حدیث کی سند کے آخری حصے کو حذف کر دیا ہے جو تابعی کے بعد ہے اس سقوط کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ اس میں صحابی کا ذکر نہ کیا گیا ہو اور اس بات کا بھی احتمال ہوتا ہے کہ صحابی کے ساتھ کسی تابعی کو بھی حذف کر دیا گیا ہو۔

۴ - فقہا اور اہل اصول کی نظر میں مرسل:

مرسل کی جو صورت ہم نے ذکر کی ہے یہ محدثین کے نزدیک ہے البتہ فقہا اور اہل اصول کے نزدیک مرسل کا تصور اس سے بھی زیادہ عام ہے۔ ان کی نظر میں ہر منقطع حدیث مرسل ہے خواہ اس کے انقطاع کا سبب کچھ بھی ہو اور یہی خطیب بغدادی کا بھی مسلک ہے۔

۵ - اس کا حکم:

مرسل حدیث اتصال سند کی لازمی شرط کے مفقود ہونے کے باعث ضعیف اور ناقابل قبول ہوتی ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے اس کے محذوف کا حال معلوم نہیں ہوتا، ہو سکتا ہے وہ محذوف غیر صحابی ہو چنانچہ ایسی صورت میں اس کے ضعیف ہونے کا بھی زیادہ احتمال ہوتا ہے۔

لیکن محدثین اور دیگر علماء کے درمیان مرسل کے حکم میں اور اس سے استدلال کرنے میں اختلاف رائے ہے۔ اس لئے کہ انقطاع کی یہ قسم سند کے کسی دوسرے انقطاع سے مختلف ہے اس انقطاع میں غالب گمان یہی ہوتا ہے کہ محذوف شخص صحابی ہے۔ اور صحابہ سب کے سب عدول ہیں

اس لئے ان کے احوال سے لاعلمی کا کوئی نقصان نہیں ہوتا۔

مرسل کے سلسلے میں علماء کے تین اقوال ہیں۔

ا) ضعیف اور ناقابل قبول: جمہور محدثین، بہت سے اصولیوں اور فقہا کے نزدیک مرسل حدیث ضعیف اور ناقابل قبول ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ محذوف راوی کا حال معلوم نہیں ہوتا۔ جس سے یہ احتمال پیدا ہوتا ہے کہ شاید وہ صحابی نہ ہو۔

ب) صحیح اور قابل حجت: تین ائمہ کرام،امام ابو حنیفہ،امام مالک اور امام احمد کے مشہور اقوال کے مطابق اسی طرح علماء کی ایک اور جماعت کے نزدیک بھی یہی حکم ہے۔ کہ مرسل صحیح اور قابل حجت ہے۔ بشرطیکہ مرسل خود ثقہ ہو اور ثقہ راوی ہی سے ارسال کرے۔ان کی دلیل یہ ہے کہ ثقہ تابعی اس بات کو کبھی جائز نہیں سمجھتا کہ وہ یہ کہے۔ کہ قال رسول اللہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے جب تک کہ وہ ثقہ راوی ہی سے یہ سن نہ لے۔

ج) چند شرائط کے ساتھ اس کو قبول کیا جا سکتا ہے۔ یعنی چند شرائط کے ساتھ اس کو صحیح قرار دیا جاسکتا ہے۔ اور یہ امام شافعی اور بعض دیگر اہل علم کی رائے ہے۔

یہ شرائط چار ہیں، تین تو مرسل راوی میں اور ایک حدیث مرسل میں۔

۱ - مرسل راوی کبار تابعین میں سے ہو۔

۲ - جس سے اس نے ارسال کیا اس کا نام لے تو اسے ثقہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

۳ - جب اس کے ساتھ روایت میں دوسرے حفاظ شریک ہو جائیں تو اس سے اختلاف نہ کریں۔

۴ - ان تین شرائط کے ساتھ ذیل کی شرائط میں سے ایک شرط بھی شامل ہو۔

ا) یہ حدیث سند کے ساتھ کسی دوسرے طریقہ سے بھی مروی ہو۔

ب) یہی روایت کسی دوسرے طریقہ سے بطور مرسل مروی ہو اس کا ارسال ان لوگوں نے کیا ہو جنہوں نے اس کا علم ایسے لوگوں سے حاصل کیا ہو جن سے پہلے مرسل نے حاصل نہ کیا ہو۔

ج) یہ مرسل حدیث کسی صحابی کے قول سے مطابقت رکھتی ہو۔

د) یا اکثر اہل علم اس کے مقتضا کے مطابق فتوی دیتے ہوں۔[۵۵]

یہ شرائط پوری ہو جائیں گی تو ان سے ظاہر ہو جائے گا کہ یہ مرسل اور اس کی تائید کرنے والی دوسری مرسل کا مخرج صحیح ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ یہ دونوں صحیح ہیں اور اگر ان دونوں کے

ساتھ صحیح جو ایک طریق سے مروی ہو متعارض ہو جائے اور ان کی تطبیق مشکل ہو جائے تو ہم ان دونوں کو تعدد طرق کی بنا پر صحیح پر ترجیح دیں گے۔

۶ - مرسل الصحابی:

وہ ہے جس کی خبر صحابی نے دی ہو کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے یا حضورؐ کا فعل ہے۔ جبکہ اس صحابی نے اسے خود سنا ہو اور نہ اس کا مشاہدہ کیا ہو۔ کم عمری کی وجہ سے یا اس میں تاخیر کے باعث یا عدم موجودگی کی بنا پر اس نوعیت کی بہت ہی احادیث ہیں جنہیں کم عمر صحابہ مثلاً ابن عباس، ابن الزبیر وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

۷ - مرسل صحابی کا حکم:

اس سلسلے میں جمہور علماء کی جو صحیح مشہور اور قطعی رائے ہے وہ یہی ہے کہ مرسل صحابی صحیح اور قابل حجت ہے اس لئے کہ صحابہ کرام سے تابعین کی روایات نادر الوجود ہیں۔ لیکن جب وہ صحابہ کرام سے روایت کرتے ہیں تو اسے بیان کر دیتے ہیں اگر کبھی بیان نہ کریں اور یہ کہیں کہ حضور نے فرمایا تو اس میں اصل صورت یہ ہوتی ہے کہ انہوں نے کسی دوسرے صحابی سے سنا ہوتا ہے اور صحابی کو حذف کر دینا کوئی نقصان نہیں کرتا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے البتہ بعض لوگوں کا یہ قول کہ صحابی کا مرسل حکم میں کسی غیر صحابی کے مرسل ہی کی طرح ہے۔ ضعیف و مردود ہے۔

۸ - موضوع مذکورہ پر سب سے زیادہ مشہور تصانیف:

ا) المراسیل لابی داؤد۔

ب) المراسیل لابن ابی حاتم۔

ج) جامع التحصیل فی احکام المراسیل للعلائی

المعضل

۱ - تعریف:

ا) لغت کے لحاظ سے: لفظ معضل دراصل ,اعضل, کا اسم مفعول ہے۔ جو اعیاء کے معنی میں ہے۔ یعنی عاجز کر دیا، مشکل میں ڈال دیا۔

ب) اصطلاح کے لحاظ سے: اصول حدیث کی اصطلاح میں اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند سے پے در پے اس سے زیادہ قوی راوی ساقط ہو گئے ہوں۔

۲ - مثال:

”عن القعنبی عن مالک انہ بلغہ ان ابا ہریرہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: للمملوک

طعامہ وکسوتہ بالمعروف، ولا یکلف من العمل الا مایطیق"۔ حاکم نے اپنی کتاب "معرفتہ علم الحدیث" میں قعنبی سے جنہوں نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ ان تک یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے بیان فرمایا کہ: "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "اپنے غلام کو لباس و طعام اپنی استطاعت کے مطابق دو اور اس سے اس کی استطاعت سے زیادہ کام مت لو" حاکم کہتے ہیں امام مالک نے اس حدیث کو بطور معضل اپنی کتاب موطا میں بیان کیا ہے۔

یہ حدیث اس وجہ سے معضل ہے کہ امام مالک اور ابو ہریرہؓ کے درمیان دو راوی ذکر نہیں کئے گئے۔ ہمیں موطا کے علاوہ دوسرے مصادر سے معلوم ہوا کہ اس حدیث کی سند میں پے درپے دو راوی ساقط ہیں۔ صحیح سند میں مالک یہ روایت محمد بن عجلان سے اور وہ اپنے والد سے اور وہ ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں۔

۳ - حکم:

معضل ضعیف حدیث ہوتی ہے اور سند میں راویوں کی کثرت حذف کی وجہ سے یہ مرسل اور منقطع سے بھی گئی گزری ہوتی ہے۔ معضل کے متعلق اس حکم پر علماء کا اتفاق ہے۔[۵۶]

۴ - معلق کا بعض صورتوں میں معضل سے اشتراک:

معضل اور معلق کے درمیان عموم و خصوص کی وجہ کی نسبت (یعنی ایک صورت میں ان کا اشتراک ہوجاتا ہے اور دو صورتوں میں اشتراک نہیں ہوتا)۔

ا) ایک صورت میں معضل اور معلق دونوں کی تعریف ایک دوسرے پر صادق آتی ہے۔ وہ صورت یہ ہے جب آغاز سند سے پے درپے دو راوی حذف ہو جائیں تو ایسی صورت میں بیک وقت معضل بھی ہے اور معلق بھی۔

ب) اور دو صورتوں میں معضل اور معلق الگ ہو جائے گی۔

۱ - جب کسی درمیان سند سے پے درپے دو راوی حذف ہو جائیں تو وہ معضل ہے معلق نہیں۔

۲ - جب آغاز سند سے صرف ایک راوی حذف ہو تو وہ معلق ہے معضل نہیں

۵ - جن کتب احادیث میں معضل حدیثیں مل سکتی ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

امام سیوطی کے قول کے مطابق معضل، منقطع اور مرسل احادیث درج ذیل کتابوں سے مل سکتی ہیں۔[۵۷]

ا) سعید بن منصور کی کتاب السنن۔

ب) ابن ابی الدنیا کی مولفات میں۔

المنقطع

۱ - تعریف:

ا) لغت کے لحاظ سے: المنقطع انقطع ینقطع انقطاعاً سے اسم فاعل ہے۔ انقطاع اتصال کی ضد ہے یعنی کٹ کر الگ ہو جانا۔

ب) اصطلاح کے لحاظ سے تعریف: اصطلاح میں اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند متصل نہ ہو اور یہ یہ انقطاع خواہ کسی بھی وجہ سے ہو۔

۲ - تعریف کی توضیح:

کوئی سند کسی جگہ بھی منقطع ہو جائے خواہ یہ انقطاع شروع سند سے ہو درمیان سے ہو یا آخر سے ہو۔ اس لحاظ سے اس میں مرسل، معلق اور معضل سب داخل ہو جاتی ہیں۔ لیکن اصطلاحات حدیث کے متاخرین نے اس کی ایسی تعریف کی ہے جس پر مرسل معلق اور معضل کی تعریفات صادق نہیں آتیں۔ علمائے متقدمین بھی اکثر اسی تعریف کو منقطع کے لئے استعمال کرتے تھے۔ اسی وجہ سے امام نووی نے کہا ہے: "اس تعریف کا اطلاق اس روایت پر ہوتا ہے جو تابعی کو چھوڑ کر صحابی سے روایت کر دی جائے جیسا کہ مالک کی روایت ابن عمرؓ سے"

۳ - متاخرین اصحاب حدیث کے نزدیک منقطع حدیث

وہ ایسی حدیث جس کی سند متصل نہ ہو، لیکن اس پر مرسل معلق اور معضل کی تعریف کا اطلاق نہ ہو سکتا ہو پس یہ سمجھنا چاہئے کہ منقطع کا اطلاق تین صورتوں کو چھوڑ کر ہر قسم کے انقطاع سند پر ہو سکتا ہے۔ وہ تین صورتیں حسب ذیل ہیں اور اسی کو ابن حجر نے اپنی کتاب نخبۃ الفکر اور اس کی شرح میں اختیار کیا ہے[۵۸] پھر انقطاع بھی کسی ایک جگہ سے ہوتا ہے۔ اور کبھی دو تین جگھوں سے۔

۴ - مثال:

عبدالرزاق عن الثوری عن ابی اسحٰق عن زید بن یثیع عن حذیفۃ مرفوعاً: ان ولیتموھا ابابکر فقوی امین[۵۹] " عبدالرزاق ثوری سے اور وہ ابو اسحاق سے اور وہ زید بن یثیع سے اور وہ حذیفہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر تم لوگ یہ منصب ابو بکرؓ کو تفویض کر دو تو وہ ہر اعتبار سے اہل اور موزوں ہیں۔"

اس سند میں ایک راوی "شریک" ثوری اور ابو اسحاق کے درمیان ساقط ہو گیا ہے۔ اس لئے کہ یہ حدیث ثوری نے ابو اسحاق سے بلاواسطہ نہیں سنی بلکہ شریک سے سنی اور شریک نے ابو اسحاق سے سنی۔ اس سند میں "شریک" کو حذف کر دینے سے ایسا انقطاع ہوا ہے جس پر مرسل معلق اور

معضل میں سے کسی کی تعریف کا اطلاق نہیں ہوتا لیکن یہ منقطع ہے۔

۵ - منقطع کا حکم:

علماء اس پر متفق ہیں کہ منقطع حدیث ضعیف ہے اس لئے کہ اس میں محذوف راوی کا حال معلوم نہیں ہوتا۔

المدلّس

۱ - تعریف:

ا) لغت کے لحاظ سے: المدلس اسم مفعول ہے جو التدلیس سے مشتق ہے اور لغت میں گاہک سے سامان کے عیب چھپانے کو "تدلیس" کہتے ہیں اور تدلیس دلس سے مشتق ہے دلس بھیانک تاریکی کو کہتے ہیں[۷۶]

گویا جو شخص اس حدیث کا علم رکھتا ہے اس پر حدیث کے بارے میں ایسا پردہ پڑا ہوا ہے جس سے اس کی حقیقت مستور ہے۔ اور حدیث کو مدلس کہا گیا ہے۔ کہ اس کی سند کا معاملہ تاریکی میں پڑا ہوتا ہے۔

ب) اصطلاح کے لحاظ سے تعریف: اصول حدیث کی اصطلاح میں سند کے عیب کو مخفی رکھنا اور ظاہری شکل کو حسین بنا دینا تدلیس ہے۔

۲ - تدلیس کی قسمیں:

تدلیس کی دو بنیادی قسمیں ہیں۔ ایک تدلیس اسناد اور دوسری تدلیس شیوخ۔

۳ - تدلیس کی اسناد:

تدلیس میں اس قسم کی محدثین نے مختلف تعریفیں بیان کی ہیں۔ میری نظر میں ان میں سے سب سے زیادہ صحیح اور لطیف وہ تعریف جسے امام ابو احمد بن عمرو البزار اور امام ابوالحسن بن القطان نے پسند کیا ہے۔ وہ تعریف یہ ہے:

ا) جس شیخ سے راوی نے کچھ سنا ہو روایت تو اسی سے کرے مگر وہ حدیث روایت کرے جو اس نے اس سے نہ سنی ہو اور روایت کرتے وقت اس کا ذکر ہی نہ کرے کہ اس نے شیخ سے سنی ہے[۷۷]

ب) تعریف کی توضیح: تدلیس اسناد یہ ہے کہ ایک شیخ سے راوی نے بعض احادیث سنی ہوں

لیکن یہ حدیث جس میں اس نے تدلیس کی ہے یہ اس سے نہیں سنی بلکہ یہ حدیث اس نے کسی دوسرے شیخ سے سنی جس کو وہ سند سے ساقط کر رہا ہو اور اس سے ایسے الفاظ میں روایت کرتا ہے جس سے سماع کا احتمال ہوتا ہے۔ مثلاً لفظ قال یا عن وغیرہ سے روایت کرتا ہے۔ تاکہ دوسرے کو اس سے سماع کا وہم ہو جائے۔ لیکن یہ صراحت نہیں کرتا کہ اس نے اپنے اس شیخ سے سنا ہے۔ اس لئے سمعت (میں نے سنا) یا حدثنی (مجھ سے اس نے بیان کیا) کا بھی بیان نہیں کرتا تاکہ اس کا شمار کذابوں میں نہ ہو۔ پھر یہ بھی ہوتا ہے کہ جن شیوخ کو سند سے ساقط کرتا ہے وہ ایک یا اس سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں۔

ح) تدلیس اور ارسال خفی کے درمیان فرق: ابوالحسن بن القطان نے مدلس کی تعریف بیان کرنے کے بعد کہا ہے: "تدلیس اور ارسال کے درمیان فرق یہ ہے کہ ارسال راوی کی اس شخص سے روایت ہے جس سے اس نے نہ سنا ہو۔" اس کی وضاحت یہ ہے کہ مدلس اور ارسال خفی کرنے والے مرسل میں سے ہر ایک اپنے شیخ سے وہ روایت کرتا ہے جو اس نے اس سے نہیں سنا اور وہ بھی ایسے لفظ سے جس میں سماع کا احتمال ہے لیکن مدلس نے بسا اوقات اس شیخ سے ان احادیث کے علاوہ جن میں اس نے تدلیس کی ہے اور حدیثیں بھی سنی ہوتی ہیں مگر مرسل کا راوی جب ارسال خفی کرتا ہے تو اس نے اس شیخ سے کبھی کچھ سنا ہی نہیں ہوتا نہ وہ احادیث جن میں اس نے ارسال کیا۔ اور نہ وہ جن میں سے اس نے ارسال نہیں کیا، البتہ وہ اس کا ہم زمانہ ہوتا ہے یا اس سے ملاقات کی ہوتی ہے۔[۶۲]

د) مثال: وہ حدیث جس کو حاکم نے اپنی سند سے علی بن خشرم سے روایت کیا ہے ابن خشرم نے کہا: "ہم سے ابن عیینہ نے زھری سے روایت کرتے ہوئے کہا" جب ابن عیینہ سے پوچھا گیا کیا آپ نے خود زھری سے سنا تو انہوں نے نفی میں جواب دیا اور کہا: "میں نے اس شخص سے بھی نہیں سنا جس سے زھری نے سنا تھا مجھ سے تو عبدالرزاق نے بیان کیا انہوں نے معمر سے اور انہوں نے زھری سے سن کر کہا"۔ اس مثال میں ابن عیینہ نے اپنے اور زھری کے درمیان دو راویوں کو ساقط کر دیا۔

۴ - تدلیس تسویہ: (برابری کی تدلیس)

تدلیس کی یہ قسم دراصل تدلیس اسناد کی قسموں میں سے ایک ہے۔

ا) تعریف: راوی کی وہ روایت جس کو وہ اپنے شیخ سے روایت کرے پھر ضعیف راوی کو ایسے ثقہ راویوں کے درمیان سے ساقط کر دے جن کی آپس میں ملاقات ہوئی ہو۔ صورت اس کی یہ ہے ایک راوی اپنے شیخ یعنی ثقہ راوی سے روایت کرتا ہے لیکن یہ شیخ جس راوی سے روایت کرتا ہے وہ ضعیف ہے البتہ وہ ضعیف خود ثقہ راوی سے روایت کرتا ہے اور ان دونوں ثقہ راویوں کی باہم ملاقات بھی ہوتی ہے۔ پھر وہ مدلس جس نے ثقہ شیخ اول سے روایت لی ہے وہ سند کے درمیان سے ضعیف راوی کو ساقط کر دیتا ہے۔ پھر وہ اپنی روایت کی اسناد میں ثقہ کو ثقہ ثانی سے ایک محتمل لفظ کے ذریعے جوڑ دیتا ہے۔ جس سے وہ راویوں کے پورے سلسلے کو ثقہ بنا دیتا ہے۔ یہ قسم تدلیس کی بدترین اقسام میں سے ہے اس لئے کہ ثقہ اول کبھی تدلیس میں معروف نہیں ہوتا اور جو شخص سند کا سرسری واقف ہوتا ہے وہ سند کی ظاہری شکل کو دیکھ کر اس حدیث کی صحت کا فیصلہ کر لیتا ہے جس میں ایک بڑا دھوکہ پنہاں ہوتا ہے۔

ب) تدلیس کے عمل میں مشہور ترین نام:

ا - بقیہ بن الولید: ابو مسہر نے کہا ہے کہ بقیہ کی روایت کردہ احادیث صاف ستھری نہیں ہوتیں اس لئے ان سے بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

(ابو مسہر کا اصل مقولہ بڑا فصیح جملہ ہے اور وہ یہ ہے)

"احادیث بقیہ لیست نقیہ فکن منھا علی تقیہ"

۲ - الولید بن مسلم۔

ح) مثال: ابن ابی حاتم نے العلل میں روایت کر کے کہا ہے: "سمعت ابی" میں نے اپنے والد سے سنا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے حدیث کا ذکر کیا ہے۔ جیسے اسحاق بن راھویہ نے بقیہ سے روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ ابو وھب اسدی نے نافع سے اور انہوں نے ابن عمر سے یہ حدیث روایت کی (لاتحمدوا اسلام المرء حتی تعرفوا عقدۃ رایہ)

"کسی انسان کے اسلام کی مدح نہ کرو تاوقتیکہ اس کی رائے یعنی عقیدے کی گرہ نہ پہچان لو"

میرے والد نے کہا اس حدیث کا معاملہ ایسا ہے کہ بہت کم لوگ اس کو سمجھ سکتے ہیں۔

اس حدیث کو ثقہ (عبید اللہ بن عمر) نے ضعیف اسحاق بن ابو فردہ سے انہوں نے ثقہ سے انہوں نے ابن عمر سے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت

کیا ہے۔ عبیداللہ بن عمر جن کی کنیت ابو وھب ہے اور وہ اسدی قبیلہ سے ہیں .....
بقیہ نے اس کا نسب بنو اسد سے جوڑا ہے تاکہ سمجھ میں نہ آئے پھر اس نے اسحاق بن
ابو فروہ کو ترک کر دیا تاکہ اس کی طرف ذہن نہ جائے" [۶۳]

۵ - تدلیس شیوخ:

ا) تعریف: تدلیس شیوخ یہ ہے کہ راوی کسی ایسے شیخ سے روایت کرے جس سے اس نے حدیث سنی ہو پھر اس شخص کو ایسے نام، کنیت نسب یا حسب سے یاد کرے جو غیر معروف ہو تاکہ اس کو پہچانا نہ جاسکے [۶۴]

ب) مثال: فن قرائت کے آئمہ میں سے ایک شیخ ابو بکر بن مجاہد کا قول:
"ہم سے بیان کیا عبداللہ بن ابو عبداللہ نے" اس سے ان کی مراد ابو بکر بن ابو داؤد سجستانی ہیں" (وہ زیادہ اسی نام سے مشہور ہیں ان کا پہلا نام زیادہ مشہور نہیں مترجم)

۶ - تدلیس کا حکم:

ا) تدلیس اسناد کی اکثر علماء حدیث نے شدید مذمت کی ہے اس لئے کہ یہ بہت زیادہ مکروہ ہے شعبہ نے تو اس عمل کی بہت سخت مذمت کی ہے اس سلسلے میں ان کے متعدد اقوال ہیں مثلاً انہوں نے کہا ہے "تدلیس جھوٹ کا بھائی ہے"
(التدلیس اخو الکذب)

ب) تدلیس تسویہ: تدلیس اسناد سے بھی زیادہ برا ہے حافظ عراقی نے کہا ہے
"انہ قادح فیمن تعمد فعلہ"
(یہ اس شخص کے حق میں جو اس کا عادی ہو زہر قاتل ہے)

ج) تدلیس شیوخ: اس کی قباحت تدلیس اسناد کی قباحت سے کچھ کم ہے۔ اس لئے کہ مدلس نے کسی راوی کو ساقط نہیں کیا البتہ اس نے اپنے فعل سے اس راوی کو ضائع کر دیا ہے جس سے روایت کی گئی ہے۔ اور سامع کے لئے اس راوی کی شناخت دشوار کر دی پھر قباحت کا درجہ بھی اس پر آمادہ کرنے والے اسباب کے اعتبار سے مختلف ہو گا۔

۷ - تدلیس پر آمادہ کرنے والے اسباب:

ا) تدلیس شیوخ پر آمادہ کرنے والے اسباب چار ہیں۔

۱ - شیخ کا ضعیف اور غیر ثقہ ہونا۔

۲ - شیخ کی موت میں اتنی تاخیر ہونا کہ اس مدلس کے علاوہ ایک بڑی جماعت بھی شیخ سے سماع حدیث میں شریک ہوئی ہو۔

۳ - شیخ کی کم عمری اس طرح پر کہ جو اس سے روایت کریں ان سے بھی کم عمر ہو۔

۴ - شیخ سے کثرت روایت جس کے باعث مدلس ایک ہی انداز میں شیخ کا بار بار نام لینا پسند نہیں کرتا۔

ب) تدلیس اسناد پر آمادہ کرنے والے پانچ اسباب ہیں۔

۱ - علو اسناد کا تصور دینا۔

۲ - جس شیخ سے بہت سی احادیث سنی ہوں ان میں سے کچھ بھول جانا۔

۳ - ۴ - ۵ - تدلیس الشیوخ کے ابتدائی تین اسباب۔

۸ - مدلس کی مذمت کے اسباب تین ہیں:

ا) راوی کا ایسے شخص سے سماع کا تصور دینا جس سے اس نے کچھ سنا نہیں۔

ب) کھلے انداز میں بیان سے ہٹ کر احتمال پیدا کرنے کی راہ اختیار کرنا۔

ج) راوی کو اس حقیقت کا علم ہونا کہ وہ جس شیخ کی تدلیس کر رہا ہے اگر اس کا نام لے لیا جائے تو وہ پسند نہیں کیا جائے گا[۶۵]

۹ - مدلس کی راویت کا حکم:

مدلس کی روایت کے قبول و عدم قبول کے سلسلے میں محدثین کے متعدد اقوال ہیں جن میں سب سے زیادہ مشہور دو قول ہیں۔

ا) مدلس کی روایت کو کسی صورت بھی قبول نہ کرنا۔ اگرچہ وہ اپنا سماع بھی بیان کر دے۔ اس لئے کہ تدلیس بذات خود ایک جرح ہے جس کے باعث اس پر اعتماد اٹھ جاتا ہے۔ (یہ قول قابل اعتماد نہیں ہے)

ب) اس کی روایت کے متعلق فیصلہ کرنے سے پہلے دیکھا جائے کہ:۔ (اور یہی قول صحیح ہے)

۱ - اگر مدلس اپنے سماع کی صراحت کر دے یعنی یوں کہے سمعت (یعنی میں نے سنا) تو اس کی روایت کو قبول کر لیا جائے گا۔

۲ - اور اگر سماع کی صراحت نہ کرے یعنی روایت بیان کرنے کے لئے عن کا لفظ استعمال کرے تو اس کی روایت کو قبول نہیں کیا جائے گا[۶۶]

۱۰ - تدلیس کو کس طرح پہچانا جائے:

تدلیس کو مندرجہ ذیل دو طریقوں میں سے کسی ایک سے پہچانا جائے گا۔

ا) مدلس سے دریافت کیا جائے تو وہ خود بیان کرے جیسا کہ ابن عیینہ کے ساتھ ہوا۔

ب) احادیث پر گہری نظر رکھنے والے آئمہ میں سے کسی امام نے بحث و تحقیق کے ذریعہ اس کا پتہ چلا کر واضح الفاظ میں لکھ دیا ہو۔

۱۱ - تدلیس اور مدلسین کے موضوع پر مشہور ترین تصانیف:

اس موضوع پر بہت سی تصانیف موجود ہیں جن میں سے زیادہ مشہور یہ ہیں۔

ا) خطیب بغدادی کی تین تصانیف ہیں۔ جن میں ایک "التبیین لاسماء المدلسین"[۶۷] جو صرف مدلسین کے ناموں پر مشتمل ہے۔ دوسری دو کتابیں تدلیس کی انواع پر مشتمل ہیں۔[۶۸]

ب) برہان الدین بن الحلبی کی التبیین لاسماء المدلسین" (طبع ہو گئی ہے۔)

ج) حافظ ابن حجر کی تعریف اہل التقدیس بمراتب الموصوفین بالتدلیس (یہ بھی طبع ہو گئی ہے۔)

مرسل خفی

۱ - تعریف:

ا) لغت کے لحاظ سے: مصدر "ارسال" سے مرسَل اسم مفعول ہے۔ جس کے معنی ہیں ڈھیلا چھوڑ دینا۔ گویا مرسل نے اسناد کو ڈھیلا چھوڑ دیا اس کو جوڑا نہیں خفی لفظ جلی کی ضد ہے۔ ارسال کی یہ قسم مخفی قسم ہے اس لئے اچھی طرح تحقیق و مطالعہ کے بغیر اس کا سمجھنا مشکل ہوتا ہے۔

ب) اصطلاح کے لحاظ سے: اصول حدیث کی اصطلاح میں "مرسل خفی" اس روایت کو کہتے ہیں جس کو راوی ایسے شخص سے روایت کرے جس سے اس نے ملاقات کی ہو یا اس کا ہم زمانہ ہو اگر اس سے روایت نہ سنی ہو اور پھر ایسے لفظ سے روایت کرے جس سے سماع کا احتمال ہوتا ہو مثلاً یوں کہے: "قال" (شیخ نے کہا)

۲ - مثال:

ابن ماجہ نے عمر بن عبدالعزیز کے طریق سے روایت کی ہے جنہوں نے عقبہ بن عامر سے

مرفوعاً یہ روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "رحم اللہ حارس الحرس"[۱] (محافظوں کی حفاظت کرنے والے پر اللہ رحم فرمائے) عمر نے عقبہ سے روایت تو کی ہے لیکن عقبہ سے ملاقات ثابت نہیں جیسا کہ محدث المزی نے اپنی تصنیف میں کہا ہے۔

۳ - مرسل خفی کو کس طرح پہچانا جائے؟

ارسال خفی کو تین طریقوں میں سے کسی ایک سے پہچانا جاسکتا ہے۔

ا) کسی امام حدیث کی صراحت کہ راوی نے جس شیخ سے روایت کی ہے اس شیخ سے ملاقات نہیں کی۔ اور نہ اس سے اس کو سماع کا کبھی موقع ملا ہے۔

ب) خود راوی کا اپنے متعلق یہ بتانا کہ اس نے شیخ سے روایت لی ہے۔ اس سے اس کی ملاقات نہیں ہوئی اور نہ اس سے اس نے کچھ سماع کیا۔

ج) اس حدیث کا کسی دوسرے طریق سے اس طور پر مروی ہونا کہ راوی اور اس کے شیخ کے درمیان کسی اور زائد شخص کا نام آجائے۔

اس تیسری صورت کے متعلق محدثین کا اختلاف ہے اس لئے کہ درمیان میں کسی زائد شخص کا آنا کبھی متصل الاسانید کی قسموں سے ہوتا ہے۔

۴ - اس کا حکم:

اس کا شمار بھی ضعیف میں ہوتا ہے اس لئے یہ منقطع کی ایک قسم ہے اس لئے اس کا انقطاع واضح ہو جائے تو اس کا حکم بھی منقطع کا ہی ہو گا۔

۵ - اس موضوع پر مشہور تصانیف:

خطیب بغدادی کی مشہور کتاب "کتاب التفصیل لمبہم المراسیل" مشہور تصنیف ہے۔

المعنعن والمؤنن

۱ - تمہید:

ناقابل قبول روایات کی چھ قسمیں ختم ہو گئی ہیں۔ جن کے ناقابل ہونے کی وجہ سقوط اسناد ہے۔ البتہ المعنعن اور مونن کے بارے میں اختلاف ہے۔ کہ یہ منقطع کی قسم ہے یا متصل کی اس لئے میں نے ان کا الحاق اسناد میں سقوط کے باعث مردود روایات کے ساتھ کر دیا ہے۔

۲ - المعنعن کی تعریف:

ا) لغت کے لحاظ سے: المعنعن کی لغوی تحقیق یہ ہے کہ وہ عنعن کا اسم مفعول ہے جس کے

معنی ہیں " عن، عن کہنا "

ب) اصطلاح کے لحاظ سے تعریف. اصول حدیث کی اصطلاح میں راوی کے اس قول کو کہتے ہیں جو فلاں سے شروع ہوتا ہے (یعنی فلاں نے فلاں سے روایت کی)

۳ - مثال:

" حدثنا عثمان بن ابی شیبہ ثنا معاویہ بن ہشام ثنا سفیان عن اسامۃ بن زید عن عثمان بن عروۃ عن عروۃ عن عائشہ قالت. قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی میامن الصفوف "[۵]

وہ حدیث جسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ عثمان بن ابی شیبہ نے ہم سے بیان کیا انہوں نے کہا معاویہ بن ہشام نے ہم سے بیان کیا انہوں نے کہا سفیان نے اسامہ بن زید سے انہوں نے عثمان بن عروہ سے اور عروہ نے عائشہ سے وہ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا. "اللہ اور اس کے فرشتے (نماز کی) صفوں میں دائیں جانب والوں پر رحمت بھیجتے ہیں۔ "

۴ - کیا یہ روایت متصل ہوگی یا منقطع؟

اس کے متعلق علماء حدیث کے دو قول ہیں۔

ا) پہلا قول یہ ہے کہ ایسی روایت اس وقت تک منقطع ہے جب تک اس کا اتصال واضح نہ ہو جائے۔

ب) صحیح اور قابل عمل بات جمہور، محدثین، فقہا اور علماء اصول نے کہی ہے کہ ایسی روایت ضد شرائط کے ساتھ متصل ہے۔ جن میں سے دو شرطوں پر سب کا اتفاق ہے لیکن مزید شرطیں لگانے کے متعلق اختلاف ہے اور امام مسلم کا مسلک بھی یہی ہے۔ کہ ان ہی دو شرطوں پر اکتفا کیا جائے وہ شرطیں یہ ہیں۔

۱ - معنعن یعنی عن عن کے الفاظ سے روایت کرنے والا مدلس نہ ہو۔

۲ - راوی کی اپنے شیخ سے ملاقات ممکن ہو، یعنی راوی بذریعہ عن جس سے روایت کر رہا ہے اس کے ساتھ اس کی ملاقات ہونا ممکن ہو۔

لیکن دو سے زیادہ شرائط جن کے شرط کے ساتھ ٹھہرانے میں علماء کا اختلاف ہے وہ یہ ہیں۔

۱ - ملاقات کا ثبوت. یہ قول امام بخاری، ابن المدینی اور بعض دیگر محققین کا ہے۔

۲ - طول صحبت. یہ قول ابو المظفر سمعانی کا ہے۔

۳ - راوی اپنے جس شیخ سے عن کے ذریعے روایت کر رہا ہے اسے جانتا بھی ہو یہ قول ابو عمرو دانی کا ہے۔

۵ - موتن کی تعریف:

ا) لغوی تحقیق: انن سے اسم مفعول موتن ہے یعنی راوی نے اپنے قول میں "اَنَّ اَنَّ" کہا۔

ب) اصطلاحی تحقیق: اصطلاح میں راوی کا یہ قول حدثنا فلاں ان فلانا قال (ہم سے فلاں نے بیان کیا کہ فلاں نے اس سے کہا..... الخ، اس کے بعد بیان کی جانے والی حدیث موتن کہلائے گی)

۶ - موتن کا حکم:

ا) احمد اور ایک جماعت کا کہنا ہے کہ تاوقتیکہ اس کا اتصال ظاہر نہ ہو اس کو منقطع ہی سمجھا جائیگا۔

ب) جمہور محدثین نے کہا ہے کہ "ان" بھی بالکل "عن" کی طرح ہے اور اس (ان) کی مطلق صورت کو عن کے ساتھ شرائط کے ساتھ سماع پر محمول کیا جائے گا۔

بحث سوم

راوی میں طعن کے باعث جس روایت کو ناقابل قبول قرار دیا جائے

۱ - طعن راوی سے مراد:

راوی میں طعن سے مراد اس پر زبانی تنقید ہے یعنی اس کی عدالت تقویٰ ضبط اور ذہانت پر تنقید کی جائے۔

۲ - راوی میں طعن کے اسباب:

دس چیزیں ایسی ہیں جن کو راوی میں طعن کا درجہ دیا گیا ہے۔ جن میں سے پانچ کا تعلق عدالت وثقاہت سے ہے اور پانچ کا تعلق ضبط وحفظ سے ہے۔

ا) جو پانچ باتیں راوی کی عدالت کو مجروح کر دیتی ہیں وہ یہ ہیں:

۱ - کذب یعنی جھوٹ۔

۲ - جھوٹ کی تہمت۔

۳ - فسق (فقدان تقویٰ)۔

۴ - بدعت۔

۵ - جہالت۔

ب) جو پانچ چیزیں ضبط و حفظ کو مجروح کر دیتی ہیں وہ یہ ہیں۔

۱ - فاش غلطی

۲ - حافظہ کی خرابی

۳ - غفلت۔ لاپرواہی

۴ - کثرت اوہام

۵ - ثقہ راویوں کی مخالفت

متذکرہ بالا اسباب کی وجہ سے مردود روایت کی اقسام بالترتیب بیان ہوں گی۔ اس وقت طعن راوی کے اسباب میں سے اس سبب کا سب سے پہلے ذکر کیا جائے گا جس پر سب سے بڑھ کر تنقید ہوتی ہے۔

الموضوع

راوی میں طعن کا سبب اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کسی جھوٹی بات کی راویت ہو تو اس حدیث کو موضوع کہا جائے گا۔

۱ - موضوع کی تعریف:

ا) لغوی تحقیق: "وضع الشی" سے اسم مفعول ہے۔ جس کا مطلب ہے "ایک چیز کو اتار کر رکھ دیا" موضوع حدیث کو یہ نام اس لئے دیا گیا ہے کہ اس کا مرتبہ گرا ہوا ہوتا ہے۔

ب) اصطلاحی تحقیق: اصطلاح میں موضوع اس جھوٹ کو کہتے ہیں جو اپنی طرف سے گھڑ لی جائے اور پھر اس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کر دی جائے (نعوذ باللہ)

۲ - موضوع کا درجہ:

ضعیف و قبیح روایات میں سے بدترین روایت ہے۔ بعض علماء تو اس کو ایک الگ مستقل قسم قرار دیتے ہیں اور اس کو ضعیف کی قسم میں استعمال نہیں کرتے۔

۳ - اس کی روایت کا حکم۔

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جو شخص اس کے موضوع کا علم رکھتا ہو اس کے لئے کسی صورت

بھی ایسی روایت کا بیان کرنا جائز نہیں ہے۔ تاوقتیکہ اس کا موضوع ہونا بھی بیان نہ کر دے۔ مسلم شریف میں ہے کہ: "من حدث عنی بحدیث یری انہ کذب فھو احد الکاذبین" (جس شخص نے میری طرف نسبت کر کے جان بوجھ کر کوئی جھوٹی حدیث بیان کی تو ایسا شخص جھوٹوں میں سے ایک ہے۔)

۴ - احادیث گھڑنے والوں (وضّاعین) کے ہتھکنڈے:

ا) ایک وضاع یا تو اپنی جانب سے ایک بات بنالیتا ہے اور پھر اس کی سند گھڑ کے روایت کر دیتا ہے۔

ب) یا کسی دانشمند حکیم وغیرہ کی بات لے کر اس کی سند خود بنا کر بطور حدیث روایت کر دیتا ہے۔

۵ - موضوع حدیث کو کس طرح پہچانا جائے:

چند طریقے ہیں جس سے اس کو پہچانا جاسکتا ہے۔

ا) حدیث گھڑنے والے کا خود اقرار: جیسا کہ ابوعصمہ نوح بن ابو مریم کا اعتراف کہ اس نے قرآن کی ایک سورت کے فضائل پر حدیثیں گھڑ کر حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے۔

ب) یا راوی کا ایسا بیان جو اقرار و اعتراف کا درجہ رکھتا ہو۔
مثلاً راوی کسی شیخ سے حدیث روایت کرتا ہے، پھر جب اس سے اس شیخ کی تاریخ پیدائش پوچھی جاتی ہے تو ایسی تاریخ بتاتا ہے کہ فی الحقیقت اس تاریخ سے قبل اس کی وفات ہو چکی ہوتی ہے۔ اور وہ حدیث اس کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے روایت نہیں ہوتی۔

ج) یا کسی راوی کے اندر ہی کوئی ایسا قرینہ پایا جائے مثلاً راوی رافضی ہو اور حدیث اہل بیت کے فضائل میں ہو۔

د) یا اس روایت کے اندر کوئی قرینہ موجود ہو مثلاً ایسی روایت جس کے الفاظ رکیک ہوں یا محسوسات یا قرآن کے صریح خلاف ہوں۔

۶ - وضع حدیث کی وجوہات اور وضاعین کی قسمیں:

ا) تقرب الی اللہ: یعنی قرب خداوندی حاصل کرنے کی خاطر لوگوں کو نیکیوں کی طرف سے راغب کرنے کے لئے احادیث وضع کرنا یا برائیوں سے روکنے اور انجام سے ڈرانے کے لئے حدیثیں گھڑنا اس طرح کے وضاعین ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کو

زاہد و صالح و متقی سمجھا جاتا ہے لیکن در حقیقت ایسے لوگ بدترین وضاعین ہیں اس لئے کہ ان کی ظاہری ثقاہت و تقویٰ پر اعتماد کر کے لوگ ان کی گھڑی ہوئی احادیث قبول کر لیتے ہیں۔

اسی طرح کے لوگوں میں سے ایک ملیرہ بن عبد ربہ ہے۔ ابن حبان نے ابن مہدی سے روایت کر کے اپنی کتاب "الضعفاء" میں کہا ہے: "میں نے ملیرہ بن عبد ربّہ سے پوچھا "تم اس طرح کی احادیث کہ جو شخص یہ پڑھے تو اس کا یہ اجر ہے کہاں سے لاتے ہو؟" تو اس نے جواب دیا: "لوگوں کو نیکی اور تلاوت کی طرف راغب کرنے کے لئے میں نے خود یہ احادیث وضع کی ہیں۔ [۶۹]

ب) اپنے مذہب کو قوت بہم پہنچانے کے لئے: بالخصوص ظہور فتنہ یعنی مسلمانوں کی خانہ جنگی کے بعد جو سیاسی فرقے بنتے چلے گئے مثلاً خوارج اور شیعہ وغیرہ ہر فرقہ نے ایسی احادیث وضع کر ڈالیں جن سے اس کے مذہب کو قوت حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً "علی خیر البشر و من شک فیہ کفر" (علی سب انسانوں سے بہتر ہیں جو اس میں شک کرے گا وہ کافر ہو گا)

ج) اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے: زندیق لوگ کھلم کھلا اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش سے ڈرتے تھے اس لئے انہوں نے وضع حدیث کا مکروہ طریقہ اختیار کیا اور خاصی تعداد میں ایسی حدیثیں گھڑ لیں جن سے اسلام کو بدنام کر کے اس کا روشن بگاڑ دیا جائے انہیں لوگوں میں محمد بن سعید شامی بھی ہے جسے زندیقیت کے باعث سولی پر چڑھایا گیا تھا۔ اس نے بواسطہ حمید حضرت انس رضی اللہ عنہ مرفوعاً یہ موضوع حدیث روایت کی "انا خاتم النبیین لا نبی بعدی الا ان یشاء اللہ" [۷۰] (میں خاتم النبیین ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں مگر جب اللہ چاہے)

اس طرح کی موضوع احادیث پر حدیث کے ماہرین اور ناقدین نے مفصل بحثیں کر کے کھرا اور کھوٹا الگ کر دیا ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے۔

د) حکام وقت کا قرب حاصل کرنے کے لئے:

ضعیف الایمان جب اپنے حکمرانوں کا قرب چاہتے تو شریعت سے ان کے انحراف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر احادیث وضع کرتے اور اس طرح ان کی خوشنودی حاصل کر لیتے۔ جیسا کہ غیاث بن ابراہیم النخعی کوفی کا قصہ ہے کہ جب وہ امیر المومنین مہدی سے ملاقات کے لئے حاضر ہوا تو اس وقت وہ کبوتر سے شغل کر

رہا تھا غیاث نے فوراً ایک حدیث گھڑ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک (معاذ اللہ) اس کی سند بنا دی اور کہا۔ "لا سبق الا فی نصل او خف او حافر او جناح" (اگر مقابلہ کرنا ہو تو شمشیر زنی، نیزہ بازی، اونٹوں کی دوڑ، گھوڑ دوڑ، یا پرندے اڑانے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی بازی لگائی جائے)"لفظ او جناح" محض مہدی کو خوش کرنے کے لئے بڑھا دیا، مہدی اس کی چال کو سمجھ گیا اس نے کبوتر کو ذبح کرنے کا حکم دے دیا اور کہا "میں نے ہی اس کو یہ حدیث وضع کرنے پر آمادہ کیا تھا" (یعنی میں ہی اس کا سبب بنا تھا۔)

ھ) تلاش معاش اور طلب رزق: بعض قصہ گو لوگوں کو کہانیاں سنا کر پیسے کماتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کر کے ایسے ایسے قصے گھڑتے جن سے لوگوں میں دلچسپی پیدا ہوتی اور انہیں سکون حاصل ہوتا۔ اور وہ انہیں عطیات دیتے جیسا کہ ابو سعید مدائنی کا حال تھا۔

ز) شہرت طلبی: اس مقصد کے لئے ایسی عجوبہ روز گار حدیثیں وضع کی جاتیں جن کا شیوخ احادیث کے ہاں کوئی وجود نہ ہوتا۔ ایسی احادیث میں غرابت کا عنصر قائم رکھنے کے لئے اسناد میں تغیر و تبدیل کر دیا جاتا تاکہ سننے والوں میں شوق و رغبت پیدا ہو۔ جیسا کہ ابن ابی دحیہ اور حماد نصیبی کا طریقہ کار تھا[۴۷]

۷- وضع حدیث میں کرامیہ کے مذاہب:

مبتدعین کا ایک گروہ فرقہ کرامیہ کے نام سے مشہور ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ فقط ترغیب و ترہیب کے لئے احادیث گھڑنا جائز ہے ان کی دلیل ایک مشہور حدیث ہے "من کذب علی متعمدا" (جس نے جان بوجھ کر جھوٹی بات کی میری طرف نسبت کی) اس حدیث کے ساتھ انہوں نے "لیضل الناس" (تاکہ لوگوں کو گمراہ کرے) کا لفظ بھی بڑھا دیا لیکن ثقہ محدثین کے نزدیک "لیضل الناس" اصل حدیث کا جز نہیں ہے۔ (وہ لوگ لفظ بڑھا کر عوام کو یہ دکھانا چاہتے تھے کہ ہم اگر کوئی لفظ بڑھاتے ہیں تو اس سے ترغیب و ترہیب اور اسلام کا نفع مقصود ہوتا ہے اور جائز ہے۔ اس حدیث میں وعید اس شخص پر آئی ہے جو لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسی بات منسوب کرے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ فرمائی ہو۔ لیکن جو شخص لوگوں کو راہ راست پر رکھنے اور احکام دین کی طرف بلانے کے لئے کوئی حدیث بنا ڈالے تو وہ اس وعید میں داخل نہ ہوگا۔ مترجم)

اور بعض وضاعین نے یہاں تک کہا ہے کہ "نحن نکذب لہ لا علیہ" یعنی ہم حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کے فائدے کے لئے جھوٹ بولتے ہیں آپ کو نقصان پہنچانے کے لئے نہیں بولتے۔"

یہ استدلال دراصل انتہائی شرمناک اور گھٹیا ہے۔ یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی لائی ہوئی شریعت کی ترویج کے لئے ایسے جھوٹوں کی کوئی ضرورت نہیں۔

یہ نظریہ اجماع امت کے بالکل خلاف ہے یہاں تک شیخ ابو محمد جوشی نے حدیثیں وضع کرنے والوں پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے۔

۸ - موضوع احادیث ذکر کرنے میں بعض مفسرین کی غلطی:

بعض مفسرین نے اپنی تفسیروں میں موضوع احادیث کا ان کی اصل حقیقت بیان کئے بغیر ذکر کر دیا ہے۔ بالخصوص وہ حدیثیں جو قرآن کی ایک ایک سورت کی فضیلت کے عنوان پر حضرت ابی بن کعب سے روایت کر کے بیان کی گئی ہیں مندرجہ ذیل مفسرین اس قسم کی حدیثیں بیان کر دیتے ہیں۔

ا) الثعلبی۔

ب) الواحدی۔

ج) الزمخشری۔

د) البیضاوی۔

ھ) الشوکانی۔

۹ - موضوعات پر مشہور تصانیف:

ا) ابن جوزی کی کتاب الموضوعات: یہ اس فن کی قدیم ترین تصنیف ہے لیکن وضع حدیث کے سلسلے میں اس کا رویہ قدرے نرم ہے۔ اس وجہ سے علماء نے اس پر سخت تنقید کی ہے۔

ب) سیوطی کی کتاب "اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ" یہ کتاب دراصل مندرجہ بالا کتاب کا اختصار اور اس پر حاشیہ آرائی ہے۔ اس میں بعض ایسی احادیث بھی ہیں جن کا تذکرہ ابن جوزی نے نہیں کیا۔

ج) تنزیہ الشریعہ الموضوعہ عن الاحادیث الشنیعہ الموضوعہ: یہ ابن عراق کتانی کی تصنیف ہے یہ پہلی دونوں کتابوں کی نہایت مفید ترتیب اور جامع تلخیص ہے۔

المتروک

جب راوی میں طعن کا باعث "تہمت کذب" ہو جو کہ راوی کی صفت عدالت میں طعن کا دوسرا سبب ہے تو اس کی حدیث "متروک" کہلائے گی۔[۲۵]

۱ - تعریف:

ا) لغوی لحاظ سے تعریف: لغوی لحاظ سے "الترک" سے اسم مفعول متروک ہے۔ عرب لوگ انڈے کے اس خول کو کہتے ہیں جس سے بچہ نکل چکا ہو۔ یعنی ایسی چھوڑی ہوئی چیز جسکا کوئی فائدہ نہ ہو۔[۷۶]

ب) اصطلاح کے لحاظ سے: اصول حدیث کی اصطلاح میں متروک وہ حدیث ہے جس کی سند میں کوئی راوی متہم بالکذب (جس پر جھوٹ کی تہمت لگ چکی ہو) ہو۔

۲ - راوی پر کذب کی تہمت درج ذیل دو اسباب میں سے ایک کی وجہ سے لگتی ہے:

ا) یہ حدیث اس کے سوا اور کسی سے بھی مروی نہ ہو اور روایت کے قواعد معلومہ کے بھی خلاف ہو۔[۷۷]

ب) ایسا راوی جو اپنی روزمرہ گفتگو میں جھوٹ بولنے میں معروف ہو لیکن حدیث نبوی میں اس کا جھوٹ ظاہر نہ ہوتا ہو۔

۳ - مثال:

عمرو بن شمر الجعفی الکوفی جو شیعہ تھا ایک حدیث اس سند (عن جابر عن ابی الطفیل عن علی و عمار) سے بیان کرتا ہے۔

"کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقنت فی الفجر و یکبر یوم عرفۃ من صلاۃ الغداۃ و یقطع صلاۃ العصر آخر ایام التشریق"

(حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر میں قنوت پڑھتے اور عرفہ کے روز نماز فجر کے بعد تکبیرات تشریق کا سلسلہ شروع کرتے اور ایام تشریق کے آخری روز نماز عصر کے ساتھ تکبیرات کہنا بند کر دیتے)

نسائی اور دارقطنی وغیرہ نے کہا، کہ عمر بن شمر متروک الحدیث ہے۔[۷۸]

۴ - اس کا درجہ:

پہلے کہا جا چکا ہے کہ ضعیف حدیث کی بدترین قسم موضوع حدیث ہے متروک بھی اس کے قریب قریب ہے پھر منکر پھر معلل پھر مدرج پھر مقلوب اور پھر مضطرب۔ حافظ ابن حجر نے ضعیف کی یہی ترتیب قائم کی ہے۔[۷۹]

المنکر

جب راوی کے اندر فاش غلطیاں، غفلت کی زیادتی یا فسق پایا جائے جو طعن فی الراوی یعنی

راوی پر تنقید کا بالترتیب تیسرا چوتھا اور پانچواں سبب ہے تو اس کی روایت کردہ حدیث منکر کہلائے گی۔

۱ - تعریف:

ا) لغت کے لحاظ سے. لغت کے لحاظ سے "المنکر" مصدر انکار سے اسم مفعول ہے اور انکار اقرار کی ضد ہے۔

ب) اصطلاح کے لحاظ سے: اصول حدیث کی اصطلاح میں محدثین نے المنکر کی متعدد تعریفات کی ہیں جن میں سے سب سے زیادہ مشہور تعریفیں یہ ہیں۔

۱ - وہ ایک ایسی حدیث ہے جس کی سند میں ایک راوی فاش غلطی یا کثرت غفلت یا نمایاں طور پر فسق میں مبتلا ہو۔

یہ تعریف جس کو حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب "نخبہ" اور اس کی شرح میں ذکر کیا ہے۔ مگر نسبت کسی اور کی طرف کی ہے[۵۰] بیقونی نے بھی اپنے منظوم قصیدہ میں اس کو پسند کیا ہے۔

۲ - وہ حدیث ہے جس کی روایت ضعیف راوی نے کی ہو اور یہ روایت ثقہ راویوں کی روایت سے مختلف ہو وہی تعریف ہے جس کا ذکر حافظ ابن حجر نے کیا ہے اور اس پر اعتماد کیا ہے۔ اور اس میں پہلی تعریف کے مقابلے میں زیادتی ہے کہ ثقہ راویوں نے خود روایت بیان کی ہیں اس کی مخالفت اس ضعیف حدیث میں پائی گئی ہو۔

۲ - منکر اور شاذ کے درمیان فرق:

ا) شاذ وہ روایت ہے جس کا راوی مقبول ہو[۵۱] لیکن یہ روایت اس راوی سے بہتر راویوں کی روایات کے مخالف ہو۔

ب) اگر ضعیف راوی ایسی روایت کرے جو ثقہ راویوں کی روایت کے خلاف ہو تو اسے منکر کہیں گے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاذ و منکر دونوں ہی ثقہ کی مخالفت کی شرط میں یکساں ہیں البتہ اس بات میں مختلف ہیں کہ شاذ کا راوی تو مقبول ہے اور منکر کا راوی ضعیف ہے۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ "وہ شخص غافل و بے خبر ہے جو شاذ و منکر کو برابر ٹھہراوے۔"[۵۲]

۳ - مثال:

ا) امام نسائی اور ابن ماجہ نے ابو زکیر یحییٰ بن محمد قیس سے انہوں نے ہشام بن عروہ سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے حضرت عائشہ سے مرفوعاً روایت کی

ہے۔

"کلوا البلح بالتمر فان بن آدم اذا اکلہ غضب الشیطان"

اور بلح (کچے کھجور) کو تمر (خشک کھجور) کے ساتھ کھاؤ اس لئے کہ کہ ابن آدم نے اگر صرف بلح کو کھایا تو شیطان غضبناک ہو گا۔"

نسائی نے کہا یہ حدیث منکر ہے صرف ابو زکیر سے روایت ہوتی ہے وہ شیخ صالح ہے۔ امام مسلم نے متابعات میں اس سے روایت کی ہے لیکن یہ اس درجے تک نہیں پہنچا جس پر پہنچ کر کسی راوی کا تفرد قابل برداشت ہو سکتا ہے[۸۳]

ب) دوسری تعریف کی مثال: وہ روایت جس کو ابن ابی خاتم نے حبیب بن حبیب الزیات سے انہوں نے ابو اسحاق سے انہوں نے العیزار بن حریث سے انہوں نے ابن عباس سے ابن عباس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے "من اقام الصلوٰۃ واتی الزکاۃ وحج بیت اللہ وصام وقری الضیف دخل الجنۃ" (جس نے نماز قائم کی، زکوٰۃ ادا کی، بیت اللہ کا حج کیا، روزہ رکھا اور مہمان کی میزبانی کی وہ جنت میں داخل ہو گیا۔)

ابو حاتم نے کہا یہ حدیث منکر ہے اس لئے دوسرے ثقہ راویوں نے یہ حدیث ابو اسحٰق سے موقوف کی ہے۔ اور یہی بات درست معلوم ہوتی ہے۔"

۴ - اس کا درجہ:

منکر کی دونوں مندرجہ بالا تعریفات سے ظاہر ہوتا ہے کہ منکر بھی ضعیف حدیث کی اقسام میں سے ہے اس لئے کہ یہ یا تو ایسے شخص کی روایت ہے جو فاش غلطیوں یا کثرت غفلت یا فسق میں ملوث ہو یا پھر ایسے ضعیف کی روایت ہوتی ہے جو ثقہ راویوں کی روایات کی مخالف ہوتی ہے ان دونوں قسموں میں ضعف بھی بہت زیادہ ہوتا ہے اس وجہ سے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ شدت ضعف کی بنا پر منکر کا درجہ متروک کے بعد آتا ہے۔

المعروف[۸۴]

۱ - تعریف:

ا) لغوی تحقیق کے لحاظ سے: "معروف" عرف یعرف" سے اسم مفعول ہے۔

ب) اصطلاح کے لحاظ سے. اصول حدیث کی اصطلاح میں وہ حدیث معروف ہے جس کو ثقہ

راویوں نے روایت کیا ہو۔ اور وہ حدیث کسی ضعیف روایت کے خلاف نہ ہو۔ وہ اس ضمن میں "منکر" کے ضد قرار پائے گی۔ یا اس سے زیادہ بہتر تعبیر میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ معروف منکر کی اس تعریف کے مقابل ہو گی جس پر حافظ ابن حجر نے اعتماد کیا ہے۔

۲ - مثال:

اس کی مثال جو منکر کی قسم میں دی گئی مثالوں میں سے دوسری مثال ہے لیکن یہ مثال اس سلسلہ روایت میں معروف کہلائے گی جو ثقہ راویوں کی وساطت سے حضرت ابن عباس سے موقوف مروی ہے (یعنی یہ سلسلہ روایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچتا) اس لئے کہ ابن ابی قاسم نے حبیب ابن حبیب زیات کی مرفوع حدیث کی روایت کے بعد کہا۔ "یہ حدیث منکر ہے اس لئے حبیب کے سوا دوسرے ثقہ راویوں نے اسے ابو اسحاق سے موقوف کیا ہے۔ اور یہی مشہور ہے۔"

المعلّل

جب راوی میں طعن کا سبب "وہم" ہو تو اس کی حدیث "معلّل" کہلائے گی۔ وہم طعن راوی کے اسباب میں سے چھٹا سبب ہے۔

۱ - تعریف:

ا) لغوی تحقیق کے لحاظ سے: یہ لفظ اَعلّ یُعِلّ سے اسم مفعول ہے۔ جس کا بمطابق قیاس اسم مفعول مُعلٌّ بنتا ہے۔ اور یہی فصیح لغت ہے۔ لیکن معل کی بجائے مُعلَّلٌ کی تعبیر اصحاب حدیث کی جانب سے لغت مشہورہ اور قیاس کے خلاف آئی ہے[۸۵] اور بعض محدثین نے اس لفظ کو معلول سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن یہ تعبیر اہل ادب عربی اور اہل زبان کی نظر میں بہت ضعیف اور غیر فصیح ہے[۸۶]

ب) اصطلاح کے لحاظ سے: اصول حدیث کی اصطلاح میں معلّل وہ حدیث ہے جس کی کسی ایسی کمزوری کی اطلاع ہو جائے جو اس کی صحت کو مجروح کر دے اگرچہ حدیث اس سے پاک نظر آتی ہو۔

۲ - علت کی تعریف:

علت کسی حدیث کے اندر ایک ایسا مخفی باریک نقص ہے جو اس کی صحت کو مجروح کر دیتا ہے علت کی تعریف سے یہ بات اخذ کی جا سکتی ہے کہ محدثین کے نزدیک اس کے اندر دو شرطوں کا متحقق ہونا

ضروری ہے۔

ا) ایک تو اس علت کا مخفی اور باریک ہونا۔

ب) دوسرے اس کا صحت حدیث پر اثر انداز ہونا۔

اگر ان دونوں شرطوں میں سے کوئی ایک شرط نہ پائی جائے مثلاً علت ظاہر ہو جائے یا ظاہر نہ ہو لیکن صحت حدیث پر اثر انداز بھی نہ ہو تو ایسی صورتوں میں اسے اصطلاحًا علت نہیں کہا جائے گا۔

(۳)۔ کبھی علت کا اطلاق اس کے اصطلاحی معنیٰ کے علاوہ بھی ہوتا ہے:

گزشتہ فقرہ میں علت کی جو تعریف کی گئی ہے۔ محدثین کی اصطلاح میں اس سے یہی مراد ہے لیکن کبھی کبھی اس کا اطلاق ہر ایسے طعن پر بھی ہو جاتا ہے جو حدیث پر کچھ اثر ڈال سکتا ہو۔ اگرچہ یہ طعن مخفی یا قادح نہ ہو۔

ا) پہلی قسم میں وہ علت آتی ہے جو راوی کے کذب یا غفلت یا ضعف حفظ وغیرہ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اسی لئے امام ترمذی نے نسخ کو بھی علت کا نام دیا ہے۔

دوسری قسم میں وہ علت آتی ہے جو ایسے اختلاف کی بنا پر پیدا ہوتی ہے جس سے حدیث کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا مثلاً ایک راوی کسی حدیث کو مرسل روایت کرے جبکہ دوسرے ثقہ راوی اسے موصول روایت کرتے ہوں۔ اسی بنا پر بعض کا یہ قول ہے کہ: "بعض صحیح احادیث ایسی ہیں جو صحیح ہونے کے ساتھ ساتھ معلل بھی ہیں"۔

۴ - علت کی اہمیت، اس کی معرفت میں ژرف نگاہی اور اس کے میدان کے ماہرین:

علل حدیث کی معرفت حدیث کے انتہائی اہم اور دقیق علوم میں سے ہے۔ اس لئے کہ حدیث کی ایسے مخفی اور باریک علل تک رسائی ان ہی لوگوں کو حاصل ہو سکتی ہے جو علوم حدیث کی باریکیوں پر وسیع و عمیق نظر رکھتے ہوں اور ایک عرصہ دراز اس تجربہ میں گزار چکے ہوں یہ مقام ان ہی علماء کو حاصل ہوتا ہے جو حفظ تجربہ اور روشن ذہانت کے بلند مقام پر فائز ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اس وسیع و عمیق وادی میں بہت کم لوگ اپنا مقام پیدا کر سکے ہیں۔ مثلاً امام ابن المدینی، امام احمد، امام بخاری، امام ابو حاتم اور امام دارقطنی وغیرہ۔

۵ - تعلیل کس قسم کی سند پر اثر انداز ہو سکتی ہے؟

جو سند بظاہر جملہ شرائط صحت کی جامع ہو، تعلیل اس پر اثر انداز ہوتی ہے اس لئے کہ جو حدیث پہلے ہی سے ضعیف ہو اس کے علل پر مزید بحث و تحقیق کی ضرورت نہیں ہوتی اس لئے کہ وہ پہلے ہی سے

ناقابل قبول اور ناقابل عمل ہوتی ہے۔

۶۔ علت کو سمجھنے کے لئے کن چیزوں کی مدد لی جائے؟

درج ذیل چند امور ایسے ہیں جن سے علت کے ادراک میں مدد لی جا سکتی ہے:

ا) راوی کا تفرد یعنی روایت کرنے میں تنہا ہونا۔

ب) دوسرے راویوں کی روایت کا اس کی روایت سے مختلف ہونا۔

ج) ایسے اور قرائن و علامات جو پہلے دو فقروں میں بیان کردہ امور کے ساتھ مل جائیں۔

درج بالا امور کی بنا پر اس فن کا ماہر عالم روایت حدیث میں راوی کی طرف سے واقع ہونے والے وہم سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ یعنی اسے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ موصول حدیث اس نے مرسل روایت کر دی ہے یا موقوف کو مرفوع بنا دیا ہے۔ یا ایک حدیث میں دوسری حدیث کے الفاظ شامل کر دیئے ہیں یا اسی قسم کا کوئی اور وہم پیش آگیا ہے۔ اس حقیقت کا علم اس کے ذہن پر اس قدر غالب آجاتا ہے کہ وہ اس کے نتیجے میں حدیث پر عدم صحت کا حکم لگا دیتا ہے۔

۷ - معلل کی پہچان کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا جائے.

حدیث معلل کی پہچان کا طریقہ یہ ہے کہ اس حدیث کے جملہ طرق کو جمع کر لیا جائے اور پھر راویوں کے اختلاف پر اچھی طرح غور کیا جائے۔ نیز ان کے حفظ و ضبط کا بھی موازنہ کیا جائے اس کے بعد اس معلول پر حکم لگایا جائے۔

۸ - علت کہاں واقع ہوتی ہے؟

ا) علت اکثر اسناد میں واقع ہوتی ہے۔ مثلاً مرسل حدیث میں صحابی مذکور نہ ہونے یا موقوف حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک سند نہ پہنچنے کی وجہ سے ہونے والی علت۔

ب) علت متن میں بھی ہوتی ہے لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ مثلاً نماز میں بسم اللہ کی قرأت کی نفی والی حدیث۔

۹ - کیا اسناد کی علت متن پر اثر انداز ہوتی ہے؟

ا) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اسناد کی علت متن کو بھی مجروح کر دیتی ہے۔ مثلاً مرسل حدیث پر ارسال کی وجہ سے تعلیل یعنی علت کے وجود کا حکم۔

ب) کبھی علت صرف اسناد کو مجروح کرتی ہے لیکن متن صحیح رہتا ہے۔ جیسا کہ یعلیٰ بن عبید کی حدیث جس کی روایت ثوری سے، ان کی روایت عمرو بن دینار سے، ان کی روایت

حضرت ابن عمر سے مرفوعاً ہوئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "البیعان بالخیار" (بائع اور مشتری کو اختیار ہے) اس سند میں یعلی کو سفیان ثوری کے قول عمرو بن دینار میں وہم ہو گیا ہے اور انہوں نے غلط نام لیا ہے۔ اصل میں درست نام عبداللہ بن دینار ہے۔ اس لئے متن تو بالکل صحیح ہے اگرچہ اسناد میں غلطی کی علت پائی گئی ہے عمرو اور عبداللہ بن دینار دونوں ثقہ ہیں اور ثقہ کو ثقہ سے بدلنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا اگرچہ اسناد کے سلسلے میں غلطی واقع ہو گئی ہے۔

۱۰ - اس موضوع پر مشہور کتابیں:

ا) کتاب العلل ___ ابن مدینی اس کے مصنف ہیں۔

ب) علل الحدیث ___ ابن ابی حاتم کی یہ تصنیف ہے۔

ج) العلل و معرفۃ الرجال ___ احمد بن حنبل کی کتاب ہے۔

د) العلل الکبیر والعلل الصغیر ___ مصنف امام ترمذی۔

ھ) العلل الواردۃ فی الاحادیث النبویہ امام دارقطنی کی تصنیف ہے اس موضوع پر مذکورہ بالا کتب میں سب سے زیادہ جامع کتاب ہے۔

ثقہ راویوں سے اختلاف

جب راوی میں طعن کا سبب ثقہ راویوں سے اس کا اختلاف ہو جو کہ طعن راوی کا ساتواں سبب ہے تو اس اختلاف کی وجہ سے علوم حدیث کی حسبِ ذیل پانچ اقسام پیدا ہوں گی۔

(۱) مدرج (۲) مقلوب (۳) المزید فی متصل الاسانید (۴) مضطرب (۵) مصحف

۱ - اگر سیاق اسناد میں تبدیلی کی وجہ سے ثقہ راویوں سے اختلاف ہو جائے یا موقوف حدیث مرفوع میں پیوستہ ہو جائے اسے مدرج کہا جائے گا۔

۲ - ثقہ راویوں سے اختلاف کی وجہ تقدیم یا تاخیر ہو تو اسے مقلوب کہا جائے گا۔

۳ - اگر اختلاف ایک راوی کے اضافے کی وجہ سے ہو۔ تو اسے مزید فی متصل الاسناد کہا جائے گا۔ یعنی ایک متصل سند میں اضافہ۔

۴ - اگر متصل سند میں اضافہ ایک راوی دوسرے کے ساتھ بدلنے یا متن کا ایک دوسرے

کے ساتھ ٹکراؤ کی وجہ سے ہو اور کوئی ترجیحی سبب بھی موجود نہ ہو تو اسے مضطرب کہا جائے گا۔

۵ - اگر اختلاف بقائے سیاق کے ساتھ محض الفاظ میں تبدیلی کے باعث ہو جائے تو اس کو مصحف کہا جائے گا۔

اب ان پانچوں عنوانات پر مفصل بحث پیش کی جارہی ہے۔

المدرج

۱ - تعریف:

ا) لغوی تحقیق: عربی محاورہ ہے ادرجت الشی فی الشی (میں نے ایک چیز کو دوسری چیز میں داخل کر دیا اور رکھ دیا) اسی لفظ "ادرجت" سے اسم مفعول "مدرج" ہے۔

ب) اصطلاحی تحقیق: اصول حدیث کی اصطلاح میں مدرج اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے سلسلہ سند کو بدل دیا گیا ہو یا متن حدیث میں باہر سے ایسے الفاظ شامل کر دیئے گئے ہوں جن کے متن حدیث سے علیحدہ ہونے کی کوئی صورت باقی رہنے نہ دی گئی ہو۔

۲ - مدرج کی قسمیں:

مدرج کی دو قسمیں ہیں۔ مدرج الاسناد اور مدرج المتن۔

ا) مدرج الاسناد:

۱ - تعریف: مدرج الاسناد اس کو کہتے ہیں جس کے سلسلہ سند کو بدل دیا گیا ہو۔

۲ - اس کی صورت: اس کی صورت یہ ہے کہ راوی سلسلہ اسناد بیان کر رہا ہو اسی اثناء میں کوئی ایسی صورت پیش آ جائے جس کی بنا پر اسے اپنی طرف سے کوئی بات کرنی پڑ جائے، سننے والوں میں سے کسی کو یہ خیال آ جائے کہ وہ بھی اسی سلسلہ سند کا حصہ ہے اور پھر یہ سامع جب کبھی روایت کرنے لگے تو اس وقت وہ زائد بات بھی شامل سند کر دے۔

۳ - مثال: ثابت بن موسیٰ زاہد کی روایت کا قصہ ہے "من کثرت صلاتہ باللیل حسن وجہہ بالنھار" (جس شخص نے رات کے وقت نمازیں پڑھیں دن کے وقت اس کا چہرہ حسین ہو گا) اصل قصہ یہ ہے کہ ثابت بن موسیٰ شریک بن عبداللہ قاضی سے

ملاقات کے لئے آئے تو قاضی صاحب حدیث کی املا کراتے ہوئے کہہ رہے تھے "حدثنا الاعمش عن ابو سفیان عن جابر قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم .... پھر اس لئے خاموش ہو گئے تاکہ مستملی پورا لکھ لے اتنے میں ان کی نظر ثابت بن موسیٰ پر پڑی (جو شب بیداری کیا کرتے تھے) تو آپ ان کو دیکھ کر بول پڑے "من کثرت صلاتہ باللیل حسن وجہہ بالنھار" شریک نے یہ کلمہ ثابت سے متاثر ہو کر کہا تھا کہ ان میں زہد وتقویٰ بہت زیادہ تھا۔ ثابت نے یہ خیال کر لیا کہ یہ کلمات اس متن کے ہیں جس کی سند شریک املا کرا رہے تھے۔ اس کے بعد پھر یہ ہوا ثابت اس قول کو لوگوں سے بطور حدیث بیان کرتے رہے۔

ب) مدرج المتن:

۱ - تعریف: متن حدیث میں ایسے الفاظ شامل کر دیئے جائیں جو متن کا حصہ نہ ہوں لیکن متن حدیث سے ان کی علیحدگی ظاہر کرنے کے لئے کوئی علامت باقی نہ رہنے دی گئی ہو۔

۲ - اقسام: اس کی تین قسمیں ہیں:

ا) ادراج حدیث کے شروع میں ہو جائے ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ لیکن وسط حدیث میں ادراج کے مقابلہ میں زیادہ ہوتا ہے۔

ب) ادراج حدیث کے درمیان میں ہو جائے۔ یہ اول کے مقابلہ میں بہت کم ہوتا ہے۔

ج) اور ادراج حدیث کے آخر میں ہو جائے یہ بہت کثرت سے ہوتا ہے۔

۳ - ان کی مثالیں:

ا) حدیث کے شروع میں ادراج ہونے کی مثال: اس کا سبب یہ ہے کہ راوی کوئی کلام کرتا ہے پھر اس کی دلیل کے طور پر کوئی حدیث پیش کرتا ہے تو بسا اوقات بغیر کسی فصل کے وہ حدیث بیان کر دیتا ہے جس کی وجہ سے سامع یہ خیال کر لیتا ہے کہ جو کچھ اس کی زبان سے نکلا ہے وہ سب حدیث کا متن ہے۔ جیسا کہ خطیب بغدادی نے شبابہ اور ابو قطن سے روایت کی ہے۔ انہوں نے شعبہ سے، انہوں نے محمد بن زیاد سے، انہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے، جنہوں نے فرمایا: "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اسبغوا الوضو ویل للاعقاب من النار" (وضو میں اعضاء پورے پورے دھویا کرو خشک رہ جانے والی ایڑیوں کے لئے جہنم کی آگ سے تباہی ہے)

یہاں راوی کا قول "اسبغوا الوضو" مدرج ہے کیونکہ یہ حضرت ابو ہریرہ کا کلام ہے جیسا کہ امام بخاری نے آدم سے روایت کی ہے انہوں نے شعبہ سے انہوں نے محمد بن زیاد سے، انہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے، جنہوں نے فرمایا: (وضو میں اعضاء پورے پورے دھویا کرو) اس لئے کہ ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"اسبغوا الوضوویل للاعقاب من النار"

خطیب نے کہا کہ "ابو قطن اور شبابہ کو شعبہ سے روایت کرتے وقت ہمارے خیال کے مطابق وہم ہو گیا ہے۔ اس لئے کہ اس حدیث کو راویوں کی ایک بڑی تعداد نے آدم کی روایت کے مطابق روایت کیا ہے۔[۹۰]

ب) وسط حدیث میں ادراج کی مثال: آغاز وحی کے متعلق حضرت عائشہ کی حدیث ہے۔ "کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتحنث فی غار حرا ـــــ وھو التعبد ـــــ اللیالی ذوات العدد[۹۱] (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غار حرا میں کئی کئی دن عبادت میں گزار دیئے) (بخاری باب الوحی)

کلمہ "وھو التعبد" زھری کے کلام کا جزو ہے اور بطور تشریح شامل ہو گیا ہے۔

ج) حدیث کے آخر میں ادراج کی مثال: حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع حدیث ہے "لعبد المملوک اجران، والذی نفسی بیدہ لولا الجہاد فی سبیل اللہ والحج و بر اُمی لاحببت انا اموت و انا مملوک"[۹۲] (غلام جو کسی کی ملکیت میں ہو اس کے لئے دو اجر ہیں اس کی ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر اللہ کے راستے میں جہاد حج اور ماں کی خدمت کا مسئلہ نہ ہوتا تو میں یہ پسند کرتا کہ میری موت غلامی کی حالت میں آئے)

اس حدیث میں "والذی نفسی بیدہ" سے آخر تک حضرت ابو ہریرہ کا اپنا کلام ہے اس لئے اس قسم کے کلام کا صدور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے محال ہے کیونکہ ممکن ہی نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غلامی کی تمنا کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن میں والدہ ماجدہ وفات پا گئی تھیں ان کی غیر موجودگی میں ان کی خدمت کی تمنا کرنا بے معنی سی بات ہے۔

۴ - ادراج کی وجوہات:

ادراج کی وجوہات متعدد ہیں جن میں سے مندرجہ ذیل زیادہ مشہور ہیں۔

ا) کسی شرعی حکم کا بیان۔

ب) حدیث مکمل ہونے سے پہلے ہی اس سے کسی شرعی حکم کا استنباط۔

ج) حدیث میں وارد کسی قلیل الاستعمال لفظ کی تشریح۔

۴ - ادراج کی پہچان کس طرح ہوتی ہے:

ادراج کی پہچان مندرجہ ذیل طریقوں سے ہوتی ہے۔

ا) کسی دوسری روایت میں اس ادراج کو الفاظ حدیث سے علیحدہ کر کے بیان کیا ہو۔

ب) بعض باخبر اور ماہر آئمہ کی اس ادراج پر صراحت موجود ہو۔

ج) خود راوی کا اعتراف کہ اس نے اس کلام کو حدیث میں شامل کیا ہے۔

د) مدرج کلام کی نوعیت ایسی ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اسکا صدور محال ہو۔

۵ - ادراج کا حکم:

محدثین اور فقہا کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ ادراج حرام ہے۔ البتہ اس سے یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ حدیث میں وارد کسی ایسے لفظ کی تشریح شامل روایت کر دی جائے جو عمومی طور پر بہت کم استعمال میں آتا ہو یعنی لغت کے لحاظ سے وہ غریب الفاظ کے ضمن میں آتا ہو اسی وجہ سے زہری وغیرہ بعض آئمہ نے روایات میں تشریح و توضیح کے بعض الفاظ بڑھا دیئے ہیں۔

۶ - اس موضوع پر مشہور تصانیف:

ا) الفصل للوصل المدرج فی النقل " یہ خطیب بغدادی کی تصنیف ہے۔

ب) "تقریب المنہج بترتیب المدرج" یہ کتاب ابن حجر نے لکھی ہے جو دراصل پہلی کتاب کی تلخیص ہے اور اس پر کچھ اضافہ ہے۔

المقلوب

۱ - تعریف:

ا) لغوی تحقیق: مقلوب دراصل "قلب" سے اسم مفعول ہے یعنی الٹ پھیر کے ذریعے ایک چیز کی شکل بدل دینا۔[۹۳]

ب) اصطلاحی تحقیق: اصول حدیث کی اصطلاح میں حدیث کی سند متن میں تقدیم یا تاخیر کے ذریعے ایک لفظ کو دوسرے سے بدل دینا مقلوب کہلاتا ہے۔

۲ - اس کی قسمیں:

مقلوب کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں۔ مقلوب السند اور مقلوب المتن۔

ا) مقلوب السند: وہ حدیث ہے جس کی سند کے الفاظ میں تبدیلی کر دی جائے اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔

ا - ایک صورت یہ ہے کہ راوی سند کے راویوں میں سے کسی کے نام اور اس کے باپ کے نام میں تقدیم و تاخیر کر دے۔ مثلاً ایک حدیث "کعب بن مرہ" سے مروی ہے اسے راوی "مرہ بن کعب" کے نام سے بیان کر دے۔

۲ - دوسری صورت یہ ہے کہ راوی سند کی ایک شخصیت غرابت پیدا کرنے کے لئے دوسری سے بدل دے، جیسے ایک مشہور حدیث جو سالم سے مروی ہو راوی اسے نافع سے روایت کر دے ایسا کرنے والے راویوں میں سے ایک " حماد بن عمرو النصیبی " ہے بطور مثال یہ حدیث جسے حماد النصیبی نے اعمش سے انہوں نے ابو صالح سے انہوں نے ابو ہریرہ سے مرفوعاً روایت کی ہے۔

"اذا لقیتم المشرکین فی طریق فلا تبدؤوہم بالسلام"

(جب تمہاری ملاقات مشرکین سے راستے میں ہو جائے تو تم سلام میں پہل نہ کرو)

یہ حدیث مقلوب ہے جس سے حماد نے "اعمش" کا نام لیا ہے حالانکہ اس حدیث کے راویوں میں اعمش کے بجائے سہیل بن ابی صالح ہے جنہوں نے اپنے والد اور انہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں اس کی یہی سند بیان کی ہے حدیث میں قلب کی اس نوعیت کی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ راوی نے حدیث کا سرقہ کیا ہے۔

ب) مقلوب المتن: وہ حدیث ہے جس کے متن کے الفاظ میں تقدیم و تاخیر کر دی جائے اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔

ا - راوی متن حدیث کے بعض الفاظ میں تقدیم و تاخیر کر دے۔

مثال: مسلم کی ابو ہریرہ سے ایک حدیث ہے جس میں سات ایسے اشخاص کا ذکر ہے جو اللہ کے زیر سایہ ہوں گے جس دن (روز محشر) اللہ کے سوا وہاں کسی کا سایہ نہ ہو گا۔ اس حدیث کا ایک ٹکڑا یہ ہے:

"ورجل تصدق بصدقۃ فاخفاہا حتی لا تعلم یمینہ ما تنفق شمالہ"

(اور وہ شخص جس نے کوئی صدقہ کیا اور اسے اس طرح پوشیدہ رکھا کہ اس کے دائیں ہاتھ کو پتہ نہیں چل سکا کہ اس کے بائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔) بعض راویوں نے اس میں تقدیم و تاخیر کر دی ہے ترتیب الفاظ یہ ہے "حتی لا تعلم شمالہ ما تنفق یمینہ"[۹۴] (بعض راویوں کی غلطی سے شمالہ کی جگہ یمینہ اور یمینہ کی جگہ شمالہ بیان میں آگیا ہے۔ مترجم)

۲ - دوسری صورت یہ ہے کہ راوی ایک حدیث کو لے کر دوسری حدیث کی سند کے ساتھ جوڑ دے اور دوسری حدیث کے ساتھ اس حدیث کی سند ملا دے۔ اور پھر کسی محدث کے سامنے امتحان وغیرہ کی غرض سے پیش کر دے۔

مثال: اہل بغداد نے ایک موقع پر امام بخاری کے ساتھ ایسا ہی کیا انہوں نے ایک سو احادیث کو ان کی اسناد سے الگ کر کے دوسری احادیث کی اسانید کے ساتھ جوڑ کر امام بخاری کے سامنے ان کی قوت حافظہ کا امتحان لینے کے لئے پیش کر دیئے۔ آپ نے ہر حدیث کو اس کی اپنی سند کے ساتھ پڑھ کر سنا دیا اور ایک بھی حدیث کی اسناد میں غلطی نہیں کی۔[۹۵]

۳ - قلب پر آمادہ کرنے والے اسباب:

وہ اسباب جو بعض راویوں کو اس عمل پر آمادہ کرتے ہیں وہ یہ ہیں۔

ا) لوگوں کو اپنی روایات سننے اور اخذ کرنے کے لئے ان روایات میں غرابت پیدا کرنا۔

ب) محدث کے ضبط و حفظ کا امتحان لینا اور اس کی پختگی کو آزمانا۔

ج) بعض اوقات غیر ارادی طور پر تقدیم و تاخیر کی غلطی کر بیٹھنا۔

۴ - قلب کا حکم:

ا) اگر غرابت و ندرت پیدا کر کے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی جائے تو اس عمل کے ناجائز ہونے میں کوئی شک نہیں اس لئے کہ اس سے حدیث میں لازی طور پر لفظی اور معنوی تغیر ہو جائے گا۔ اور یہ عمل حدیثیں گھڑنے والوں کا ہے۔ (جس کے حرام ہونے میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ مترجم)

ب) اگر امتحان کی غرض سے ایسا کیا جائے تاکہ محدث کی اہلیت اور حفظ و ضبط کا اندازہ ہو جائے تو اس شرط پر یہ عمل جائز ہے جس مجلس میں ایسا کیا جائے اس مجلس کے منتشر ہونے سے پہلے درست بات بتا دی جائے تاکہ کوئی کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو۔

جائے۔

ح) اگر سہو و خطا سے ایسا ہو جائے تو ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں وہ معذور ہو گا لیکن اگر اس سے بکثرت ایسا ہونے لگے تو اس سے اس کی صفت ضبط و حفظ میں خلل پیدا ہو جائے گا اور پھر لازماً ضعیف قرار دے دیا جائے گا۔

اب رہا یہ کہ حدیث مقلوب کی حیثیت کیا ہے تو ظاہر ہے کہ اسے ضعیف ناقابل قبول ہی قرار دیا جائے گا۔

۵ - اس موضوع پر سب سے مشہور تصانیف:

ا) کتاب "رافع الارتیاب فی المقلوب من الاسماء و الالقاب" ہے جو خطیب بغدادی کی لکھی ہوئی ہے کتاب کے نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں صرف سند مقلوب پر بحث کی گئی ہے۔

المزید فی متصل الاسانید

۱ - تعریف:

ا) لغوی لحاظ سے: المزید مصدر "زیادہ" کا اسم مفعول ہے۔ اور المتصل المنقطع کی ضد ہے اور الاسانید، اسناد کی جمع ہے۔

ب) اصطلاح کے لحاظ سے: اصول حدیث کی اصطلاح میں کسی سند میں جو بظاہر متصل ہو گا کسی جگہ ایک راوی کا اضافہ کر دیا گیا ہو۔ اس اضافے کو المزید فی متصل الاسانید کہا جاتا ہے۔

۲ - مثال:

ابن مبارک نے کہا: "ہم سے سفیان نے روایت کی، انہوں نے عبدالرحمٰن بن یزید سے، ان سے بسر بن عبید اللہ نے روایت کرتے ہوئے کہا: "میں نے ابو ادریس سے سنا، ابو ادریس نے کہا: "میں نے واثلہ کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے ابو مرثد رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: "لا تجلسوا علی القبور ولا تصلوا الیھا"[99] (قبروں پر نہ بیٹھا کرو اور نہ ہی قبروں کے رخ نماز پڑھو)

۳ - اس مثال میں اضافے کی شکل:

اس مثال میں دو جگہ اضافہ کیا گیا ہے۔ پہلی جگہ لفظ "سفیان" اور دوسری جگہ لفظ "ابا

ادریس" اور دونوں جگہ اضافے کا باعث محض وہم ہے۔

ا) پہلی اضافہ جو لفظ "سفیان" سے ہوا ہے یہ ابن المبارک کے بعد راویوں کا ہے۔ اس لئے ثقہ راویوں کی تعداد نے ابن المبارک سے اور انہوں نے عبدالرحمٰن بن یزید سے روایت کی ہے ان میں سے بعض وہ بھی ہیں جنہوں نے اس کی صراحت کر دی ہے کہ ابن المبارک نے سند میں وعن عبدالرحمٰن کی بجائے لفظ اخبرنا عبدالرحمٰن کا لفظ استعمال کیا ہے۔

ب) لیکن "ابا ادریس" کے لفظ کا اضافہ تو یہ ابن مبارک کا وہم ہے اس لئے کہ ثقہ راویوں کی ایک تعداد نے اس حدیث کو عبدالرحمٰن بن یزید سے روایت کیا ہے۔ جس میں ابو ادریس کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ اور بعض نے صراحت کی ہے کہ بسر نے واثلہ سے سماع کیا ہے۔

۴ - اضافہ کو رد کرنے کی شرائط:

کسی سند میں اضافے کو رد کرنے اور اسے راوی کا وہم قرار دینے کے لئے دو شرطیں ہیں۔

ا) جس نے سند میں اضافہ نہیں کیا وہ اس شخص سے جس نے اضافہ کیا ہے ضبط و حفظ میں بڑھا ہوا ہو۔

ب) اضافے کی جگہ پر (کسی اور سلسلہ روایت میں) لفظ سماع کی صراحت ہو۔

اگر ان دو شرطوں یا ان میں سے ایک میں خلل واقع ہو گا تو اضافے کو ترجیح دے کر قبول کر لیا جائے گا۔ اور وہ سند جو اس سے خالی ہو گی اسے منقطع تصور کر لیا جائے گا۔ لیکن یہ انقطاع خفی ہو گا جسے "مرسل خفی" کا نام دیا جائے گا۔

۵ - اضافے کے وقوع کے دعویٰ پر وارد ہونے والے اعتراضات:

اضافے کے وقوع کے دعوی پر دو قسم کے اعتراضات کی گنجائش ہو سکتی ہے۔

ا) اگر وہ اسناد جو اضافے سے خالی ہے اور اضافے والی جگہ پر حرف "عن" کے ساتھ بیان ہو رہی ہے تو پھر اسے منقطع تصور کر لینا چاہیئے۔

ب) اگر اس میں سماع کی صراحت موجود ہو تو اس بات کا احتمال ہے کہ راوی نے یہ حدیث پہلے بالواسطہ سنی ہو اس کے اور اس راوی کے درمیان جس کا اضافہ ہوا ہے کوئی اور راوی موجود ہو۔ اس کے بعد بلاواسطہ اس سے سماع کر لیا ہو۔

مندرجہ بالا اعتراضات کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے۔

ا) کہ پہلا اعتراض بالکل بجا ہے اور معترض کی بات تسلیم کی جاتی ہے۔

ب) رہا دوسرا اعتراض تو اس میں مذکورہ بات کا احتمال ممکن ہے لیکن علماء اضافے پر اس وقت تک یہ حکم نہیں لگاتے کہ یہ راوی کا وہم ہے جب تک کوئی قرینہ ایسا نہ پایا جائے جو اس پر دلالت کرتا ہو۔

۶ - اس موضوع پر بہترین تصانیف:

اس موضوع پر بہترین تصنیف خطیب بغدادی کی کتاب "تمیز المزید فی المتصل الاسانید" ہے۔

المضطرب

۱ - تعریف:

ا) لغت کے لحاظ سے: المضطرب "الاضطراب" سے اسم مفعول ہے جس کے معنی بے چینی اور نظام کی خرابی اور فساد ہے اس لفظ کی اصل اضطراب الموج سے نکلی ہے جو اس وقت بولا جاتا ہے جب پانی میں بہت زیادہ حرکت ہو اور موجیں ایک دوسرے سے ٹکرا رہی ہوں۔

ب) اصطلاح کے لحاظ سے اصول حدیث کی اصطلاح میں مضطرب وہ حدیث ہے جو مختلف طرق سے مروی ہو اور سب طرق قوت میں مساوی ہوں۔

۲ - تعریف کی توضیح:

مضطرب حدیث ایسی حدیث ہے جو مختلف و متعارض شکلوں پر مروی ہو۔ اور جن کو باہم جمع کرنا ممکن نہ ہو۔ نیز یہ تمام روایات ایسے طرق سے مروی ہوں جو ہر لحاظ سے یکساں درجے کے ہوں۔ جس کی وجہ سے کسی ایک طریق یعنی سلسلہ روایت کو دوسرے طرق پر کسی صورت ترجیح دینا ممکن نہ ہو۔

۳ - اضطراب متحقق ہونے کی شرائط:

مضطرب کی تعریف پر غائر نظر ڈالنے سے ظاہر ہوتا ہے کسی حدیث کو مضطرب کہنے کے لئے دو شرطوں کا متحقق ہونا ضروری ہے اور وہ دو شرطیں یہ ہیں:

ا) روایات حدیث میں ایسا اختلاف جس کی وجہ سے ان کا باہم جمع ہونا ممکن نہ ہو۔

ب) روایات کا پہلی قوت و ضعف میں اس طرح یکساں ہونا کہ کسی ایک کو دوسری روایت

پر ترجیح دینا ممکن نہ ہو۔

لیکن جب ایسی صورت پائی جائے کہ اس طرح کی روایات میں کسی ایک کو دوسری پر ترجیح دینا یا قابلِ قبول صورت میں ان روایات کا جمع کرنا ممکن ہو جائے تو ایسی حالت میں حدیث سے صفت اضطراب دور ہو جائے گی اور ہم ترجیح کی صورت میں ترجیحی روایت پر اور جمع کی صورت میں تمام روایات پر عمل پیرا ہو جائیں گے۔

۴ - اقسام مضطرب:

اضطراب کے جائے وقوع کے لحاظ سے مضطرب حدیث کی دو قسمیں ہیں، مضطرب السند اور مضطرب المتن سند میں اضطراب بہت زیادہ واقع ہوتا ہے۔

ا) مضطرب السند کی مثال: حضرت ابو بکرؓ کی حدیث ہے آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: "یا رسول اللہ! اراک شبت، قال: شیبتنی ھود واخواتھا"[۹۷] (یا رسول اللہ! میرے نزدیک آپ پر بڑھاپا طاری ہو گیا ہے آپ نے جواب میں فرمایا کہ "مجھے سورۃ ھود اور اس طرح کی دیگر سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے")

دارقطنی نے کہا کہ یہ حدیث مضطرب ہے اس لئے کی صرف ابو اسحاق کے طریق سے روایت ہوئی ہے۔ اور اس روایت میں ابو اسحٰق سے راویوں کو دس طرح کے اختلافات ہیں بعض نے اس کو بطور مرسل روایت کیا ہے، بعض نے بطور موصول، بعض نے اسے حضرت ابو بکرؓ کی روایت، بعض نے اسے حضرت سعد کی، اور بعض نے ام المومنین عائشہؓ کی روایت شمار کیا ہے۔ اس کے رواۃ تقریباً سب کے سب ثقات ہیں اس لئے ان میں سے کسی سلسلہ روایت کو کسی دوسرے پر ترجیح نہیں دی جا سکتی، اور نہ ان کے درمیان جمع کرنا ممکن ہے۔

ب) مضطرب المتن کی مثال: ترمذی نے شریک سے روایت کی ہے۔ انہوں نے ابو حمزہ سے، انہوں نے شعبی سے، انہوں نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "سُئل رسول صلی اللہ علیہ وسلم عن الزکاۃ فقال: ان فی المال لحقا سوی الزکاۃ" (حضور صلی علیہ وسلم سے زکوٰۃ کے متعلق پوچھا گیا آپ نے فرمایا: "مال میں زکوٰۃ کے سوا اور بھی حق ہوتا ہے")

ابن ماجہ نے اسی طریق سے ان لفظوں میں اس حدیث کو روایت کیا "لیس فی المال حق سوی الزکاۃ" (مال میں زکوٰۃ کے سوا کوئی حق نہیں") عراقی نے کہا کہ یہ واضح

قسم کا اضطراب ہے جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہے۔

۵ - کن اشخاص سے اضطراب واقع ہوتا ہے:

ا) کبھی ایک ہی راوی سے اضطراب واقع ہوتا ہے اور وہ اس طرح پر کہ ایک ہی راوی حدیث کو مختلف طریقوں سے روایت کرے۔

ب) کبھی اضطراب جماعت سے واقع ہوتا ہے یعنی جماعت کے افراد میں سے ہر ایک حدیث کو اس طریق پر روایت کرتا ہے جو دوسروں کے طریق سے مختلف ہوتا ہے۔

۶ - مضطرب کے ضعیف ہونے کا سبب:

مضطرب کے ضعیف ہونے کا سبب یہ ہے کہ اضطراب راویوں کے حافظہ وحفظ کے نہ ہونے کا احساس دلاتا ہے۔

۷ - اس موضوع پر مشہور تصنیفات:

اس موضوع پر مشہور تصنیف حافظ ابن حجر کی ہے جس کا نام "المقترب فی بیان المضطرب" ہے۔

المصحف

۱ - تعریف:

ا) لغوی لحاظ سے: مصحف "تصحیف" سے اسم مفعول ہے۔ اس کے معنی صحیفے میں غلطی کے ہیں اور اسی سے صحافی اس شخص کو کہتے ہیں جو صحیفہ پڑھنے میں غلطی کرتا ہے[98] اور اپنی غلط خوانی کے باعث بعض الفاظ کو بدل دیتا ہے۔

ب) اصطلاح کے لحاظ سے: اصول حدیث کی اصطلاح میں "تصحیف" حدیث کے ان کلمات کو جو ثقہ راویوں نے روایت کئے ہوں لفظی یا معنوی طور پر بدل ڈالنا ہے۔

۲ - اس کی اہمیت اور باریکی:

یہ بڑا اہم اور لطیف فن ہے اس کی اہمیت ان غلطیوں کی نقاب کشائی سے سامنے آتی ہے جو بعض راویوں سے واقع ہوتی ہیں۔ اور اس اہم کام کا بوجھ وہی ماہرین اٹھا سکتے ہیں جو حفظ و ضبط میں اعلیٰ ترین معیار کے ہوں مثلاً امام دار قطنی وغیرہ۔

۳ - مصحف کی تقسیمیں

علماء نے مصحف حدیث کی تین درجہ میں تقسیمیں کی ہیں۔ اور ہر تقسیم ایک خاص اعتبار سے کی گئی ہے۔

ا) پہلی تقسیم جائے وقوع کے اعتبار سے ہے۔ اس تقسیم کی پھر دو قسمیں ہیں۔

۱ - اسناد میں تصحیف۔ اس کی مثال العوام بن مراجم سے شعبہ کی روایت ہے جسے ابن معین نے تصحیف کر کے العوام بن مزاحم بنا دیا۔

۲ - متن میں تصحیف۔ اس کی مثال زید بن ثابت کی حدیث ہے "احتجر فی المسجد....." (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرہ بنایا......) جس کی تصحیف کر کے ابن لھیعہ نے یوں روایت کی " احتجم فی المسجد......." (آپؐ نے مسجد میں سینگی لگوائی)

ب) دوسری تقسیم لکھنے والے کے اعتبار سے ہے اس کی بھی دو قسمیں ہیں:

۱ - پہلی قسم وہ تصحیف ہے جو بینائی میں کمزوری کی وجہ سے ہوتی ہے۔ کہ خوش خطی یا نقطے نہ ہونے کے باعث پڑھنے والے سے غلطی ہو جاتی ہے اور یہ غلطی اکثر واقع ہوتی ہے۔ مثلاً حدیث ہے: "من صام رمضان واتبعه ستا من شوال ....." (جس نے رمضان کے روزے رکھے اور اس کے بعد شوال کے بھی چھ روزے رکھے .....) ابو بکر صولی کو پڑھنے میں اشتباہ ہو گیا اور انہوں نے ستًّا کو شیئًا لکھ لیا۔

۲ - دوسری قسم وہ تصحیف ہے جو لکھنے والے راوی کی سماعت کی کمزوری یا مجلس میں شیخ سے اس کی دوری یا اسی قسم کی اور کسی وجہ سے واقع ہوتی ہے۔ جس کے باعث بعض کلمات کے متعلق اسے اشتباہ رہ جاتا ہے۔ اس لئے کہ ایسے کلمات بناوٹ کے لحاظ سے ہم وزن ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ایک حدیث عاصم احول سے مروی ہے تو سماعت کی کمزوری کے باعث لکھنے والے نے عاصم احول کے بجائے "عاصم الاحدب" لکھ لیا۔

ج) تیسری تقسیم لفظ و معنی کے اعتبار سے ہے محدثین نے اس کی بھی دو قسمیں کی ہیں۔

۱ - لفظ میں تصحیف۔ اس کا وقوع اکثر ہوتا ہے جیسا گزشتہ مثالوں سے واضح کیا گیا ہے۔

۲ - معنی میں تصحیف: یہ ہے کہ تصحیف کرنے والے راوی لفظ تو اس کی اصل حالت پر رہنے دے لیکن اس کی شرح و تفسیر اس طور پر کر دے جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے جو مفہوم سمجھا ہے وہ مراد نہیں۔ مثلاً ابو موسیٰ العنزی کا قول ہے

"نحن قوم لنا شرف نحن من عنزہ صلی الینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" (ہم ایسی قوم ہیں جسے یہ شرف حاصل ہے کہ ہم قبیلہ عنزہ سے تعلق رکھتے ہیں ہماری طرف رخ کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہے) یہ بات انہوں نے اس حدیث کی بنیاد پر کی ہے "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی الی عنزۃ" (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عنزہ یعنی چھڑی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی) اس حدیث کو ان سے وہم ہو گیا کہ حضورؐ نے ان کے قبیلہ کی جانب رخ کر کے نماز ادا فرمائی حالانکہ یہاں عنزہ سے مراد ایک ایسی چھڑی ہے جس کے سرے پر برچھی چڑھی ہوئی ہو (کئی موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چھڑی کو بطور "سترہ" سامنے کھڑی کر کے اس کی طرف رخ کر کے نماز ادا فرمائی تو انہوں نے لفظ تو بدستور بحال رکھا لیکن چونکہ ان کا قبیلہ خود عنزہ کے نام سے مشہور تھا اس لئے انہوں نے یہ گمان کر لیا کہ حضورؐ نے ان کے قبیلے کی طرف رخ کر کے نماز ادا فرمائی۔ مترجم)

۴ - حافظ ابن حجر کی تقسیم:

مندرجہ بالا تین اقسام کے علاوہ حافظ ابن حجر نے اس کی ایک اور تقسیم کی ہے جو دو اقسام پر مشتمل ہے:

ا) المصحف: یہ وہ حدیث ہے جس میں لفظ کی اصلی شکل موجود رہتی ہے لیکن حروف کے نقطوں کی تبدیلی کی وجہ سے لفظ بدل جاتا ہے۔

ب) المحرف: اصل خط بحال رہنے کے باوجود حروف کی شکل بدلنے سے تلفظ بدل جاتا ہے۔

۵ - کیا تصحیف راوی کو مجروح کر دیتی ہے:

ا) اگر راوی سے تصحیف کا ظہور شاذ و نادر ہو تو اس کے حفظ و ضبط کو مجروح نہیں کیا جائے گا۔ اس لئے کہ خفیف غلطی سے کوئی شخص بھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔

ب) لیکن اگر اس قسم کی تصحیف راوی سے بکثرت ہونے لگ جائے تو راوی کی عدالت ضبط و حفظ کے لحاظ سے مجروح ہو جائے گی اور اسے روایت حدیث کی خدمت کے لئے نااہل قرار دینے کے لئے کافی ہو گی۔

۶ - کسی راوی کے بکثرت تصحیف میں مبتلا ہونے کا سبب:

اکثر و بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ جن لوگوں کو اپنے شیوخ اور مدرسین سے حدیث لینے کا موقع نہیں ملتا تو وہ کتابوں اور صحیفوں سے حدیثیں لے لیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ تصحیف میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہی

وجہ ہے کہ آئمہ حدیث نے ایسے لوگوں سے حدیث اخذ کرنے سے پرہیز کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے کہا ہے: "اور کسی صحفی سے حدیث نہ لی جائے" یعنی ایسے شخص سے حدیث نہ لی جائے جس نے کتابوں اور صحیفوں سے حدیثیں پڑھی ہوں۔

۷ - اس موضوع پر مشہور تصانیف:

ا) التصحیف یہ امام دارقطنی کی تصنیف ہے۔

ب) اصلاح خطاء المحدثین یہ امام خطابی کی تصنیف ہے۔

ج) تصحیفات المحدثین ابو احمد العسکری اس کے مصنف ہیں۔

شاذ اور محفوظ

۱ - شاذ کی تعریف:

ا) لغوی لحاظ سے: شاذ دراصل "شذ" کا اسم فاعل ہے بمعنی منفرد ہونا، شاذ کے معنی ہوں گے "جمہور سے الگ تھلگ ہو جانے والا"

ب) اصطلاح کے لحاظ سے: اصول حدیث کی اصطلاح میں وہ حدیث ہے جسے ,مقبول، راوی نے روایت کیا ہو۔ لیکن یہ روایت اس سے بہتر روایت کی مخالف ہو۔

۲ - تعریف کی توضیح:

مقبول وہ عادل شخص ہے جس کا حفظ و ضبط مکمل ہو، یا وہ عادل جس کا ضبط کچھ ہلکا ہو، یا وہ شخص جو اس سے بہتر ہو یعنی ضبط میں زیادتی یا کثرت عدد یا دیگر اسباب کی بنیاد پر قابل ترجیح ہو۔ شاذ کی تعریف میں علماء کا اختلاف ہے۔ جس کی بنیاد پر متعدد اقوال منقول ہیں۔ لیکن جو تعریف ہم نے کی ہے حافظ ابن حجر کی اختیار کردہ ہے جس کے متعلق انہوں نے کہا "اصطلاح حدیث کے اعتبار سے شاذ کی اس تعریف پر ہی اعتماد ہے"[۹۹]

۳ - شاذ کہاں واقع ہوتا ہے؟

شذوذ سند اور متن دونوں میں واقع ہوتا ہے۔

ا) سند میں شذوذ کی مثال:

ترمذی نسائی اور امام ماجہ نے ابن عیینہ سے انہوں نے عمرو بن دینار سے، انہوں نے عوسجہ سے، انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے، کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں وفات پا گیا جس کا اپنے آزاد کردہ غلام کے سوا کوئی وارث نہیں تھا" ابن جریج اور دوسروں نے اس واقعہ کو موصول روایت کرتے

میں ابن عیینہ کا ساتھ دیا لیکن حماد بن زید نے ان لوگوں سے اختلاف کرتے ہوئے اسے عمرو بن دینار بواسطہ عوسجہ موقوف روایت کیا اور ابن عباس کا ذکر نہیں کیا۔ اسی وجہ سے ابو حاتم نے کہا "المحفوظ حدیث ابن عیینہ" (ابن عیینہ کی حدیث محفوظ ہے) حماد بن عدل حفظ و ضبط والوں میں سے ہیں اس کے باوجود ابو حاتم نے ان لوگوں کی روایت کو اس لئے ترجیح دے دی کہ ان کی تعداد زیادہ تھی۔

ب) شذوذ فی المتن کی مثال:

وہ حدیث ہے جو ابو داؤد اور ترمذی نے عبدالواحد بن زیاد سے روایت کی، انہوں نے ابو صالح سے اور انہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعاً روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اذا صلی احدکم الفجر فلیضطجع عن یمینہ"
(تم میں سے جب کوئی نماز صبح ادا کرے تو دائیں پہلو پر کچھ دیر لیٹ جائے)
بیہقی نے کہا کہ اس روایت میں عبدالواحد نے ایک بڑی تعداد کی مخالفت کی ہے اس لئے دوسرے لوگوں نے اس روایت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کے طور پر بیان کیا ہے نہ کہ قول کے طور پر۔ اصحاب اعمش جو بڑے ثقہ لوگ ہیں ان کے درمیان عبدالواحد منفرد ہیں جنہوں نے ان لفظوں میں حدیث کو روایت کیا ہے۔

۴ - المحفوظ:

مذکورہ بالا شاذ روایت کے مقابلہ میں محفوظ روایت ہے۔ جسے زیادہ ثقہ راوی نے کسی راوی کے خلاف روایت کی ہو اس کی دو مثالیں وہی ہیں جو شاذ کی بحث میں گزر چکی ہیں۔

۵ - شاذ و محفوظ کا حکم:

ظاہر بات ہے کہ شاذ حدیث مقبول نہیں لیکن محفوظ حدیث مقبول ہے۔

راوی کے متعلق جہالت یعنی عدم واقفیت

۱ - اس کی تعریف:

ا) لغوی تحقیق: لغت میں "جہل" "علم" کی ضد ہے راوی کے متعلق جہالت سے مراد راوی کا مشہور نہ ہونا ہے۔

ب) اصطلاح کے لحاظ سے: اصول حدیث کی اصطلاح میں راوی کی ذات اور اس کے ذاتی حالات سے عدم واقفیت کو "الجہالۃ بالراوی" کہتے ہیں۔

۲ - اس کے اسباب:

راوی کے غیر معروف اور مجہول ہونے کے تین اسباب ہیں:

ا) راوی کی شناخت کے لئے الفاظ کی کثرت: مثلاً نام، کنیت، لقب، صنعت، حرفت اور نسبت وغیرہ راوی ان میں سے بعض کے ساتھ مشہور ہوتا ہے۔ لیکن کسی خاص مقصد کے تحت روایت میں درج بالا الفاظ اس کے لئے وہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے جس میں اسے شہرت نہیں ہوتی جس کی بنا پر سننے والا اسے کوئی اور راوی سمجھ بیٹھتا ہے اور اس طرح مذکورہ راوی کے حالات اندھیرے میں ہی رہتے ہیں اور وہ مجہول الحال بن جاتا ہے۔

ب) قلت روایت: بعض اوقات راوی سے قلت روایت کی بنا پر بہت کم روایات لی جاتی ہیں۔ بلکہ بعض حالات میں ایسے بھی راوی ہوتے ہیں جن سے صرف ایک ہی روایت لی گئی ہوتی ہے۔

ج) نام کی تصریح نہ ہونا: بعض اوقات اختصار وغیرہ کے مقصد سے صریح نام کی بجائے مبہم یعنی غیر صریح قسم کا نام لے کر ذکر کر دیا جاتا ہے۔

۳ - مثالیں:

ا) راوی کی شناخت کے لئے کثرت الفاظ کی مثال: ایک راوی محمد بن السائب بن بشر الکلبی ہے جسے بعض لوگوں نے اس کے دادا کی طرف نسبت کر کے درمیان سے اس کے باپ کا نام غائب کر دیا ہے اور اسے محمد بن بشیر کہہ دیا بعض نے اس کا نام حماد بن سائب رکھ دیا اور بعض نے ان کو ابو النصر کی کنیت دے دی بعض نے ابو سعید اور بعض نے ابو ہشام کہا نتیجہ یہ نکلا کہ ان تمام الفاظ کی کثرت کی بنا پر یہی ایک راوی راویوں کی پوری جماعت نظر آنے لگا۔

ب) راوی کی روایت اور اس سے کی جانے والی قلت کی مثال:

ابو الشعراء دارمی تابعی ہیں جن سے حماد بن مسلمہ کے سوا کسی اور نے کوئی روایت نہیں کی۔

ج) نام کی تصریح کے بغیر کی جانے والی روایت کی مثال: راوی کا قول "اخبرنی فلان او شیخ او رجل او نحو ذلک" (مجھے فلاں نے یا ایک شیخ نے یا ایک شخص نے خبر دی)

۴ - مجہول کی تعریف:

وہ شخص جس کی ذات اور صفات سے واقفیت نہ ہو اسے مجہول کہتے ہیں۔

جس شخص کی ذات شخصیت کا کسی کو علم نہ ہو یا شخصیت کا علم ہو لیکن اس کی صفات یعنی عدالت دیانت اور حفظ و ضبط کا علم نہ ہو۔

۵ - مجہول کی قسمیں :

کہا جاتا ہے کہ مجہول کی تین قسمیں ہیں :۔ مجہول العین، مجہول الحال، اور مبہم۔

ا) مجہول العین :

۱ - تعریف : یہ وہ راوی ہے جس کا نام لیا جائے لیکن اس سے ایک راوی کے سوا کوئی روایت نہ کرے۔

۲ - روایت کا حکم : اس کی روایت کا حکم یہ ہے کہ وثوق حاصل کئے بغیر اس کی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔

۳ - وثوق کیسے حاصل ہو گا : وثوق دو جزوں میں سے کسی ایک کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہے۔

ا) جس شخص نے اس سے روایت کی ہے اس کے سوا کوئی دوسرا شخص اس کی توثیق کرے۔

ب) یا اس کی توثیق اس سے روایت کرنے والا ہی کر دے بشرطیکہ وہ جرح و تعدیل کی اہلیت رکھتا ہو۔

۴ - کیا راوی مجہول کی حدیث کا کوئی خاص نام ہے؟ : اس کی حدیث کا کوئی خاص نام تو نہیں البتہ اس کی حدیث کا شمار ضعیف احادیث میں ہوتا ہے۔

ب) مجہول الحال اس کا دوسرا نام مستور بھی ہے :

۱ - تعریف : مجہول الحال یا مستور وہ راوی ہے جس سے دو یا دو سے زیادہ افراد نے روایت کی ہو لیکن اس کی توثیق نہ ہو سکی ہو۔

۲ - اس کی روایت کا حکم : اس کی روایت جمہور کے قول کے مطابق رد کر دی جائے گی۔

۳ - کیا اس کی حدیث کا کوئی خاص نام ہے؟ اس کی حدیث کا کوئی خاص نام نہیں البتہ اس کی حدیث کا شمار ضعیف احادیث میں ہوتا ہے۔

ج) المبہم : مبہم کو بھی مجہول کے انواع میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ علماء حدیث نے اس پر ایک خاص نام کا اطلاق کیا ہے لیکن اس کی حقیقت مجہول کی حقیقت سے بالکل مشابہت رکھتی ہے۔

۱ - تعریف : وہ راوی جس کے نام کی صراحت روایت حدیث میں نہ کی گئی ہو۔

والا اس کے نام کی صراحت نہ کر دے یا کسی دوسرے طریق سے اس کے نام کی صراحت نہ ہو جائے۔

اس کی روایت رد کرنے کا سبب یہ ہے کہ خود اس کی شخصیت مجہول الحال ہے اس لئے کہ جس کے نام میں ابہام پیدا ہو جائے تو اس کی ذات مبہم ہو جاتی ہے اور ایسی صورت میں اس کی عدالت بطریق اولیٰ مبہم ہو جائے گی۔ اس لئے اس کی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔

۳ - اگر تعدیل کے لئے بولے جانے والے کسی لفظ کے ذریعے اس کی ذات میں ابہام پیدا ہو جائے تو آیا اس کی روایت قابل قبول ہو گی؟ مثلاً اس سے روایت کرنے والا یہ کہے "اخبرني الثقة" (مجھے ایک ثقہ نے خبر دی) اس کا جواب یہ ہے کہ صحیح ترین قول کے مطابق اس صورت میں بھی اس کی روایت قبول نہیں ہو گی اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ اس راوی کے نزدیک وہ شیخ ثقہ ہو لیکن دوسروں کے نزدیک غیر ثقہ ہو۔

۴ - کیا مبہم راوی کی حدیث کا کوئی خاص نام ہے؟ ہاں اس کی حدیث کا خاص نام "المبہم" ہے۔ مبہم وہ حدیث ہے جس کے راوی کے نام کی صراحت نہ ہو بیقونی نے اپنی منظومہ میں کہا ہے "ومبہم مافیہ راولم یسم" مبہم وہ حدیث ہے جس کے راوی کا نام نہ لیا گیا ہو۔

۶ - ا- باب جہالت پر مشہور تصانیف:

ا) راوی کی شناخت کے لئے کثرت الفاظ کے موضوع پر خطیب بغدادی کی درج ذیل کتاب ہے۔ "موضح اوہام الجمع والتفریق"

ب) راوی کی قلت روایت کے بارے میں جو کتابیں لکھیں گئیں ہیں ان کے نام کتب الوحدان رکھے گئے ہیں ان میں صرف راویوں کے تذکرے ہیں جن سے صرف ایک حدیث لی گئی ہے ایسی ہی ایک کتاب امام مسلم نے بھی لکھی ہے جس کا نام بھی الوحدان ہے۔

ج) ایسی کتابیں جو ان راویوں پر لکھی گئی ہیں جن کے ناموں کی تصریح نہیں کی گئی ہے ان کتابوں کو المبہمات کا نام دیا گیا ہے۔ ان میں ایک کتاب خطیب بغدادی کی ہے جس کا نام "الاسماء المبہمہ فی الانباء المحکمۃ" ہے اور دوسری کتاب ولی الدین عراقی کی ہے جس کا نام "المستفاد من مبہمات المتن والاسناد" ہے۔

البدعہ[1]

۱ - تعریف:

ا) لغوی لحاظ سے: لغوی لحاظ سے بدعت "بدع" معنی انشاء (ایجاد کرنا) کا مصدر ہے (القاموس)۔

ب) اصطلاح کے لحاظ سے: اصول حدیث کی اصطلاح میں دین میں نئی بات پیدا کرنے جبکہ دین مکمل ہو چکا ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خواہشات اور رسوم و رواج کو دین کا جز بنانے کا نام بدعت ہے۔

۲ - بدعت کی اقسام:

بدعت کی دو قسمیں ہیں۔

ا) بدعت مکفرہ: اس کا مرتکب اس کے سبب کفر تک پہنچ جاتا ہے۔ مثلاً وہ ایسا اعتقاد رکھے جس سے کفر لازم آتا ہو قطعی بات یہ ہے کو جو شخص شریعت کے کسی ایسے متواتر امر کا انکار کرے جو ضروریات دین میں سے ہو یا اس کے برعکس اعتقاد رکھے اس کی روایت رد کر دی جائے گی۔[2]

ب) بدعت مفسقہ: اس بدعت کا مرتکب اس کی وجہ سے فاسق ہو جاتا ہے اگرچہ اس کی تکفیر نہیں کی جا سکتی۔

۳ - بدعتی کی روایت کا حکم:

راوی حدیث اگر بدعت مکفرہ کا مرتکب ہے تو اس کی روایت رد کر دی جائے گی۔

ب) اور اگر وہ بدعت مفسقہ کا مرتکب ہے تو جمہور کے نزدیک جو صحیح بات ہے وہ یہ ہے کہ اس کی روایت دو شرطوں کے ساتھ قبول کر لی جائے گی۔

۱ - وہ اپنی بدعت کی طرف داعی نہ ہو۔

۲ - ایسی بات کی روایت نہ کرے جو اس کی بدعت کی ترویج کا سبب بنے۔

۴ - کیا مبتدع کی حدیث کا کوئی خاص نام ہے؟

مبتدع کی حدیث کا کوئی خاص نام نہیں البتہ جیسا کہ آپ کو معلوم ہو گیا ہے اس کی حدیث ناقابل قبول ہو گی اگر قبول کی جائے گی تو مندرجہ بالا شرائط کو مدنظر رکھ کر ہی قبول کی جا سکے گی۔

حافظہ کی کمزوری

۱ - برے حافظے والا کسے کہتے ہیں؟

سئی الحفظ وہ شخص ہے جو اپنی خطا یعنی غلطی پر اپنے صواب یعنی درستی کو ترجیح نہ دے سکے۔

۲ - اس کی قسمیں:

سئی الحفظ کی دو قسمیں ہیں:

ا) اگر حافظہ کی کمزوری اپنی ابتدائی زندگی ہی سے ہو اور ہر حالت میں اس کے ساتھ منسلک رہے تو بعض محدثین کی رائے کے مطابق اس کی روایت کردہ خبر کو شاذ کہا جائے گا۔

ب) لیکن اگر اس پر ضعف حفظ کی بیماری بعد میں طاری ہوئی ہے بڑھاپے کی وجہ سے یا بینائی ختم ہو جانے یا کتب خانہ جل جانے کے باعث تو اس کی خبر کو مختلف شمار کیا جائے گا۔

۳ - اس کی روایت کا حکم:

ا) پہلی قسم یعنی جس کا حافظہ ابتدائی زندگی ہی سے خراب چلا آیا ہو اس کی روایت ناقابل قبول ہو۔

ب) دوسری قسم یعنی مختلط کے حکم میں مندرجہ ذیل تفصیل ہے:

۱ - جو حدیث اس نے اس اختلاط سے قبل بیان کی اور وہ اس میں امتیاز بھی کر سکتا ہو تو وہ مقبول ہوگی۔

۲ - لیکن جو حدیث اس نے اختلاط کے بعد بیان کی ہوگی وہ ناقابل قبول ہوگی۔

۳ - اور ایسی روایت جس میں وہ امتیاز نہ کر سکے کہ آیا اختلاط سے قبل اس کی روایت کی ہے یا بعد میں تو اس حدیث کو قبول کرنے میں اس وقت تک توقف کیا جائے گا جب تک وہ یہ امتیاز نہ کر لے۔

فصل چہارم

مقبول اور مردود کے درمیان خبر مشترک

- بحث اول: خبر کی جس کی طرف نسبت کی جائے اس کے لحاظ سے اس کی تقسیم۔
- بحث دوم: مقبول و مردود کے درمیان متفرق و مشترک اقسام۔

پہلا مبحث

- خبر کی جس کی طرف نسبت کی جائے اس کے لحاظ سے اس کی تقسیم۔

خبر کی جس کی طرف نسبت کی جائے اس کے لحاظ سے خبر کی چار قسمیں ہیں۔

۱ - الحدیث القدسی۔
۲ - المرفوع۔
۳ - الموقوف۔
۴ - المقطوع۔

اب اس بحث کو ایک تسلسل کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔

الحدیث القدسی

۱ - حدیث قدسی کی تعریف:

ا) لغوی لحاظ سے. لغت میں القدسی کی نسبت ”القدس“ کی طرف ہے جس کے معنی ہیں

پاکیزگی ہے

یعنی وہ حدیث جو ذات اقدس یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو۔

ب) اصطلاح کے لحاظ سے۔ اصول حدیث کی اصطلاح میں وہ حدیث ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہو کر ہم تک اس طرح پہنچے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نسبت اللہ عزوجل کی طرف کی ہو۔

۲ - اس حدیث اور قرآن کے درمیان فرق:

قرآن اور حدیث قدسی میں فرق کے بہت سے پہلو ہیں جن میں سب سے زیادہ مشہور یہ ہیں۔

ا) قرآن لفظاً و معناً اللہ کی طرف ہے لیکن حدیث قدسی کا مفہوم تو منجانب اللہ ہے اور الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔

ب) قرآن کی تلاوت عبادت ہے لیکن حدیث قدسی کی تلاوت اس طرح کی عبادت متصور نہیں ہوگی۔

ج) قرآن کے ثبوت کے لئے تواتر شرط ہے جبکہ حدیث قدسی کے ثبوت کے لئے تواتر شرط نہیں ہے۔

۳ - احادیث قدسیہ کی تعداد

احادیث قدسیہ کی تعداد احادیث نبویہ کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔ اس کی تعداد دو سو سے کچھ زائد ہے۔

۴ - مثال:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابو ذرؓ نے روایت کی ہے جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"یا عبادی انی حرمت الظلم علی نفسی وجعلتہ بینکم محرماً فلا تظالموا"

(اے میرے بندو! میں نے اپنی ذات پر ظلم کو حرام کر رکھا ہے اور تم لوگوں کے درمیان بھی میں نے اسے ممنوع کر دیا ہے پس تم ایک دوسرے پر ہرگز ظلم نہ کرو)۔

۵ - حدیث قدسی کی روایت کے لئے الفاظ:

حدیث قدسی کے راوی کے لئے دو لفظ ہیں وہ دونوں میں سے جس کو چاہے روایت حدیث کے لئے استعمال کر سکتا ہے مثلاً:

ا) "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیما یرویہ عن ربہ عزوجل"

(حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزو جل سے روایت کرتے ہوئے فرمایا)

ب) "قال اللہ تعالیٰ فیما رواہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"

(یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے)۔

۶ - اس موضوع پر مشہور تصانیف:

اس موضوع پر سب سے زیادہ مشہور تصنیف عبدالرؤف مناوی کی الاتحافات السنیہ بالاحادیث القدسیہ" ہے جس میں انہوں نے ۲۷۲ احادیث قدسیہ جمع کی ہیں۔

المرفوع

۱ - تعریف:

ا) لغوی لحاظ سے: لغت میں المرفوع فعل "رفع" (بلند کیا) جو "وضع" (اتار دیا) کی ضد ہے کا اسم مفعول ہے۔ گویا حدیث کو "مرفوع" اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کی نسبت ایک بلند مقام کی طرف کی گئی ہے۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

ب) اصطلاح کے لحاظ سے: اصول حدیث کی اصطلاح میں جس قول، فعل، تقریر اور صفت کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی جائے وہ حدیث مرفوع ہے۔

۲ - اصطلاحی تعریف کی توضیح:

ہر وہ قول، فعل، تقریر اوصفت جس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی جائے وہ مرفوع حدیث ہے۔ خواہ یہ نسبت بسند صحابی ہو، یا ان سے نچلے درجہ کا راوی ہو اور خواہ یہ سند متصل ہو یا منقطع اس طرح مرفوع کے دائرہ میں موصول، مرسل، متصل اور منقطع تمام قسم کی روایتیں داخل ہو جائیں گی۔ حدیث مرفوع کی یہی مشہور تعریف ہے۔ البتہ اس تعریف کی وضاحت میں بعض دیگر اقوال بھی ہیں۔

۳ - اس کی اقسام:

تعریف بالا سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرفوع کی چار اقسام پر مشتمل ہے:

۱ - مرفوع قولی۔

۲ - مرفوع فعلی۔

۳ - مرفوع تقریری۔
۴ - مرفرع وصفی۔

۴ - مثالیں:

ا) مرفوع قولی کی مثال: صحابی یا تابعی وغیرہ یہ کہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا.....

ب) مرفوع فعلی کی مثال: صحابی یا تابعی وغیرہ یہ کہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا......

ج) مرفوع تقریری کی مثال: صحابی یا تابعی وغیرہ یہ کہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ عمل کیا گیا۔

د) مرفوع وصفی کی مثال: صحابی یا تابعی وغیرہ یہ کہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے بہتر اخلاق والے تھے۔

الموقوف

۱ - تعریف:

ا) لغت کے لحاظ سے تعریف: لغت کے لحاظ سے موقوف دراصل "الوقف" مصدر کا مفعول ہے، گویا کہ راوی حدیث اپنا سلسلہ سند صحابی تک پہنچا کر ٹھہر گیا اور اسے آگے نہیں چلایا

ب) اصطلاح کے لحاظ سے: اصلول حدیث کی اصطلاح میں ایسے قول، فعل یا تقریر کو جس کی نسبت صحابی کی طرف کی گئی ہو، موقوف کہا جاتا ہے۔

۲ - تعریف کی وضاحت:

وہ قول، فعل یا تقریر جس کی نسبت کسی ایک صحابی یا جماعت صحابہ کی طرف کی جائے اسے موقوف کہیں گے خواہ یہ نسبت سند کے ساتھ ہو یا منقطع سند کے ساتھ۔

۳ - مثالیں:

ا) موقوف قولی کی مثال: راوی کا کہنا کہ: "قال علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ: "حدثوا الناس بما یعرفون اترید ون ان یکذب اللہ و رسولہ ﷺ (لوگوں سے اس زبان میں باتیں کرو جسے وہ جانتے سمجھتے ہوں کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی جائے)

ب) موقوف فعلی کی مثال: امام بخاری کا قول: "وام ابن عباس وھو متیمم"
(حضرت ابن عباس نے تیمّم کی حالت میں امامت کی)۔

ج) موقوف تقریری کی مثال: کسی تابعی کا قول: "فعلت کذا امام احمد الصحابہ ولم ینکر علی" میں نے یہ کام ایک صحابی کے سامنے کیا اور انہوں نے اس پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا

۴ - موقوف کا ایک دوسرا استعمال:

موقوف کی اصطلاح کا استعمال یہ ہے کہ صحابہ کرام کے سوا دوسرے لوگوں یعنی تابعین سے جو روایات آئی ہیں ان پر بھی موقوف کا مشروط اطلاق ہوتا ہے۔ مثلاً یہ کہا جاتا ہے:

"ہذا حدیث وقفہ فلان علی الزھری او علی عطاء ونحو ذلک"

یہ ایک ایسی حدیث ہے جس کو فلاں راوی نے زھری یا عطا پر موقوف کر دیا (زھری اور عطا دونوں تابعی ہیں)۔

۵ - فقہاء خراسان کی اصطلاح:

فقہاء خراسان

ا) مرفوع کو خبر کہتے ہیں۔

ب) اور موقوف کو اثر کہتے ہیں۔

لیکن محدثین ان سب کو "اثر" کا نام دیتے ہیں۔ اس لئے کہ لفظ "اثرت الشی" سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی ہیں "میں نے اسے روایت کیا"۔

۶ - کچھ اور ایسی شاخیں جو حکماً مرفوع کے ضمن میں آتی ہیں:

کچھ اور ایسی اقسام ہیں۔ جو اپنی ظاہری شکل و صورت میں موقوف کے دائرہ میں آتی ہیں۔ لیکن باریک بینی اور تحقیقی نظروں سے غور کرنے والا ان کو مرفوع حدیث کا درجہ دیتا ہے۔ اس لئے علماء محدثین نے ان پر مرفرع حکماً کا اطلاق کیا ہے۔ یعنی بظاہر یہ حدیث موقوف ہے لیکن حکما اس کو مرفوع کا درجہ دیا گیا ہے۔ درج ذیل صورتیں اسی ضمن میں آتی ہیں۔

ا) ایسا صحابی جو اہل کتاب سے روایت لینے میں معروف نہیں ہے وہ ایک ایسی بات کہہ دے جس میں اجتہاد کی گنجائش نہ ہو۔ اور نہ ہی اس کا تعلق کسی کی لغوی تشریح سے ہو یا کسی اچھوتی مثال کی توضیح سے ہو۔

۱ - گزشتہ واقعات مثلاً ابتدائے آفرینش کی خبر دینا۔

۲ - آنے والے واقعات مثلاً عظیم جنگوں فتنوں اور روز محشر کے احوال کی خبر دینا۔

۳ ۔ ایسے اعمال کی خبر دینا جن کے کرنے پر مخصوص سزا ہو۔ مثلاً راوی یہ کہے "من فعل کذا فلہ اجر کذا" (جو شخص یہ کرے تو اس کا صلہ یہ ہوگا۔)

ب) صحابی کوئی ایسا فعل کرے جس میں اجتہاد کی گنجائش نہ ہو۔ جیسا کہ حضرت علیؓ نے سورج گرہن کے موقع پر جو نماز پڑھی اس میں ہر رکعت میں دو سے زائد مرتبہ رکوع میں گئے۔

ح) کوئی صحابی یہ خبر دے کہ لوگ یہ کہتے تھے یا کرتے تھے یا اس طرح کے عمل کو ناپسند نہیں کرتے تھے۔

۱ ۔ اگر اس بات کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی طرف کی جائے تو وہ مرفوع ہوگی۔ جیسا کہ حضرت جابرؓ کا قول ہے "کنا نعزل علی عہد رسول اللہ علیہ وسلم"[۱۲] (ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عزل کرتے تھے،

اور اگر اس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی طرف نہ کی جائے تو جمہور کے نزدیک وہ موقوف ہوگی جیسا کہ حضرت جابرؓ کا قول ہے "کنا اذا صعدنا کبرنا واذا نزلنا سبحنا"[۱۳] (ہم جب بلندی پر چڑھتے تو تکبیر کہتے اور جب نیچے اترتے تو تسبیح)

د) یا صحابی یہ کہے۔ "امرنا بکذا اونھینا عن کذا او من السنۃ کذا" (ہمیں اس کا حکم دیا گیا یا ہمیں اس سے منع کیا گیا یا ایسا کرنا سنت ہے۔)

جیسا کہ بعض صحابہ کا قول ہے: "امر بلال ان یشفع الاذن ویوتر الاقامۃ"[۱۴] (بلال کو حکم دیا گیا کہ کلمات اذان کو دو دو بار کہیں اور اقامت کے وقت کلمات ایک ایک بار کہیں۔)

یا جیسا کہ ام عطیہ کا قول ہے: "نھینا عن اتباع الجنائز ولم یعزم علینا"[۱۵] (ہمیں جنازوں کے پیچھے چلنے سے منع کیا گیا۔ اور یہ ہم پر لازم نہیں کیا گیا)

یا جیسا کہ حضرت انس سے روایت کرتے ہوئے ابو قلابہ نے کہا۔ "من السنۃ اذا تزوج البکر علی الثیب اقام عندھا سبعا" (سنت یہ ہے ثیبہ پر کوئی شخص باکرہ کو نکاح کر کے لائے تو باکرہ کے پاس پہلے سات روز قیام کرے)[۱۶]

راوی حدیث کی روایت کرتے ہوئے صحابی کا ذکر کرتے وقت ان چار الفاظ میں سے کوئی لفظ کہے "یرفعہ" یا "ینمیہ" یا "یبلغ بہ" یا "روایۃً" (یعنی صحابی نے یہ حدیث مرفوعاً روایت کرتے ہوئے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے ہوئے یا یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تک پہنچاتے ہوئے یا

صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے......) جیسا کہ اعرج کی حدیث جو حضرت ابوہریرہؓ نے روایہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے بیان کی۔ "تقاتلون قوماً صغار الاعین"(تم لوگ چھوٹی آنکھوں والے لوگوں سے جنگ کرو گے)

یا صحابی کسی آیت کی ایسی تفسیر کرے جس کا تعلق اس آیت کے شان نزول سے ہو جائے

جیسا کہ حضرت جابر کا قول ہے "کانت الیہود تقول: "من اتی امراتہ من دبرھا فی قبلھا جاء الولد احول" اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "نساؤکم حرث لکم ...... الایہ"(یہودیوں کا کہنا تھا کہ جو شخص اپنی بیوی کے ساتھ پشت کی طرف سے وطی کرے گا اس کے ہاں بھینگا بچہ پیدا ہو گا۔) اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں........ الخ)

کیا موقوف حدیث بطور استدلال پیش کی جا سکتی ہے؟

اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ موقوف حدیث کبھی صحیح ہوتی ہے کبھی حسن اور کبھی ضعیف لیکن اگر اس کی صحت ثابت ہو جائے تو کیا اس سے استدلال کیا جا سکے گا۔ یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بنیادی طور پر موقوف حدیث ناقابل حجت ہے۔ اس لئے کہ یہ صحابہ کے اقوال و افعال ہیں۔ لیکن اگر یہ ثابت ہو جاتے ہیں تو ان اقوال و افعال سے ضعیف احادیث کو قوت مل جاتی ہے۔ جیسا کہ مرسل کی بحث میں گزر چکا ہے۔ اس لئے کہ صحابہ کا معمول ہمیشہ سنت پر عمل رہا ہے یہ اس وقت ہے جب اس پر مرفوع کا حکم نہ لگایا جائے۔ لیکن جب موقوف حدیث کا حکم لگ گیا ہو تو یہ مرفوع ہی کی طرح قابل حجت ہے۔

المقطوع

۱ - **تعریف:**

ا) لغوی تحقیق: مقطوع، قطع یقطع (کاٹ دینا) سے اسم مفعول ہے۔ قطع، وصل کی ضد ہے۔

ب) اصطلاح کے لحاظ سے: اصول حدیث کی اصطلاح میں مقطوع اس قول کو کہتے ہیں جس کی نسبت تابعیؒ یا اس سے نیچے کسی کی طرف کی گئی ہو۔

۲ - اصطلاحی تعریف کی توضیح:

مقطوع وہ قول یا فعل ہے جس کی نسبت تابعی یا تبع تابعی یا اس سے نیچے کسی شخص کی طرف کی جائے واضح رہے کہ "مقطوع" "منقطع" سے مختلف ہے اس لئے کہ مقطوع متن کے لحاظ سے اور منقطع سند کے لحاظ سے یعنی حدیث مقطوع تابعی یا غیر تابعی متصل ہو اس کا متن سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

۳ - مثالیں:

ا) مقطوع قولی کی مثال: مبتدع کے پیچھے نماز کے سلسلے میں حضرت حسن بصری کا قول: "صل وعلیہ بدعتہ" (اس کے پیچھے نماز پڑھ لو رہی اس کی بدعت تو وہ اس کے سر ہوگی)

ب) مقطوع فعلی کی مثال: جیسا کہ ابراہیم محمد بن منتشر کا قول: "کان مسروق یرخی الستر بینہ و بین اھلہ ویقبل علی صلاتہ ویخلیھم ودنیاھم" (حضرت مسروق اپنے اور اپنے اہل خانہ کے درمیان پردہ لٹکا کر نماز میں مشغول ہو جاتے اور اپنے اہل و عیال اور ان کی دنیا سے بھی بے خبر ہو جاتے)

۴ - حدیث مقطوع سے استدلال کرنے کا حکم:

مقطوع حدیث سے احکام شرعیہ کے لئے استدلال نہیں کیا جا سکتا اگرچہ اس کی نسبت قائل کی طرف درست ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ وہ کسی ایک مسلمان کا فعل یا کلام ہوتا ہے لیکن کوئی ایسا قرینہ موجود ہے جو اس کے لئے مرفوع ہونے پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ تابعی کا ذکر کرتے ہوئے راوی کا یہ قول "یرفعہ" (یعنی تابعی اسے مرفوعاً بیان کرتا ہے) تو ایسی حدیث پر مرفوع مرسل کا حکم لگایا جائے گا۔

۵ - مقطوع کا اطلاق منقطع پر:

امام شافعی اور طبرانی جیسے محدثین نے لفظ "مقطوع" کا اطلاق "منقطع" پر بھی کیا ہے۔ اور اس سے ان کی مراد وہ منقطع ہے جس کا اسناد متصل نہ ہو۔ یہ اصطلاح زیادہ مشہور نہیں ہے۔ اس سلسلے میں امام شافعی کے لئے یہ عذر پیش کیا جاتا ہے۔ کہ انہوں نے یہ بات اس وقت کی تھی جب مقطوع کے لئے اصطلاع ابھی مقرر نہیں ہوئی تھی۔ البتہ طبرانی کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اصطلاح سے ہٹ کر مجازاً اس کا اطلاق کیا ہے۔

۶ موقوف و مقطوع پر مشہور تصانیف:

ا) مصنف ابن ابی شیبہ۔

ب) مصنف عبدالرزاق۔
ح) ابن جریر ابن ابی حاتم اور ابن المنذر کی تقاسیر۔

بحث دوم

مقبول اور مردود کے درمیان دیگر مشترک اقسام

المسند

۱ - تعریف:
ا) لغت کے لحاظ سے تعریف: مسند دراصل "اسند" کا اسم مفعول ہے جس کے معنی ہیں "اضافت یا نسبت کی"
ب) اصطلاح کے لحاظ سے: اصول حدیث کی اصطلاح میں "مسند" وہ روایت ہے جس کی سند اتصال کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع ہو[۱۱]

۲ - مثال:
امام بخاری نے اپنی صحیح میں یہ روایت کی ہے۔
"حدثنا عبداللہ بن یوسف عن مالک ابی الزناد عن الاعرج عن ابی ھریرہ قال: "ان رسول صلی اللہ علیہ وسلم قال: اذا شرب الکلب فی اناء احدکم فلیغسلہ سبعا"[۱۲] (ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، ان سے مالک نے، ان سے ابو الزناد نے، ان سے اعرج نے اور ان سے حضرت ابو ھریرہؓ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "جب کتا تمہارے کسی برتن میں منہ ڈال دے تو اسے سات بار دھولو)
یہ ایسی حدیث ہے کہ اس کی سند اول سے آخر تک متصل ہے اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع ہے۔

المتصل

۱ - تعریف:
ا) لغوی لحاظ سے: "متصل" اتصل کا اسم فاعل ہے جو انقطع کی ضد ہے اس کا دوسرا

نام موصول بھی ہے۔

ب) اصطلاح کے لحاظ سے: اصول حدیث کی اصطلاح میں متصل وہ حدیث ہے جس کی سند متصل ہو۔ خواہ وہ موقوف ہو یا مرفوع۔

۲ - مثال:

ا) متصل مرفوع کی مثال: "مالک عن ابن شہاب عن سالم بن عبداللہ عن ابیہ عن رسول صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال: کذا......." (مالک نے ابن شہاب سے، انہوں نے سالم سے، انہوں نے عبداللہ سے، انہوں نے اپنے والد سے، انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی آپ نے یہ فرمایا........)

ب) متصل موقوف کی مثال: مالک عن نافع عن ابن عمر انہ قال: کذا....." (مالک نے نافع سے، انہوں نے ابن عمر سے روایت کی انہوں نے یہ فرمایا.......)

۳ - کیا قول تابعی کو بھی متصل کہا جا سکتا ہے؟

عراقی نے کہا "تابعین کے اقوال اگر متصل الاسانید ہوں تو انہیں غیر مشروط طور پر متصل نہیں کہا جائے گا۔ البتہ بعض شرائط کے ساتھ انہیں متصل کہنا درست ہو گا۔ اور محدثین کے کلام میں ایسے الفاظ آئے بھی ہیں مثلاً: ہذا متصل الی سعید بن المسیب او الی الزھری او الی مالک و نحو (یہ قول سعید بن المسیب یا زھری یا مالک وغیرہ تک متصل ہے) اس کے متعلق نکتے کی بات یہ بتائی گئی ہے کہ ایسی جملہ روایات کو مقاطع کہا جائے گا۔ اور ان پر متصل کا اطلاق اس طرح ہو گا جس طرح ایک اور چیز کی وصف بیک وقت دو ایسے الفاظ سے کی جائے جو لغت کے لحاظ سے متضاد ہوں۔

زیادات الثقات (ثقہ راویوں کے اضافے)

۱ - زیادات الثقات سے مراد:

الزیادات 'زیادہ' کی جمع ہے اور الثقات 'ثقہ' کی جمع ہے۔ اور ثقہ سے مراد ایسا راوی جس میں عدل اور ضبط وحفظ کی صفات پائی جاتی ہوں۔ زیادۃ الثقات سے مراد ثقہ راویوں کی روایت کردہ کسی حدیث کے اندر وہ زائد الفاظ ہیں جن کا ذکر اسی حدیث کے دوسرے ثقہ راویوں کی روایتوں سے ہمیں نہ ملے۔

۲ - جن محدثین نے اس موضوع پر کام کیا ان میں سے بعض کا ذکر:

بعض ثقات کی روایت کردہ احادیث میں اس قسم کے اضافوں نے دیگر علماء کی توجہ اپنی طرف

مبذول کر لی ہے اور انہوں نے ان کی تلاش و جستجو اور جمع و ترتیب میں بہت کام کیا۔ تاہم درج ذیل آئمہ حدیث نے اس میدان میں بہت شہرت حاصل کی۔

ا) ابو بکر عبداللہ محمد بن زیاد النیسابوری۔

ب) ابو نعیم الجرجانی۔

ج) ابوالولید حسان بن محمد القرشی۔

زیادات کے مواقع:

ا)متن کے اندر: کسی ایک لفظ یا جملہ کا اضافہ۔

ب) اسناد کے اندر: موقوف کو مرفوع کرنا یا مرسل کو متصل بنا دینا۔

۴ - متن میں زیادات کا حکم:

متن کے اندر اضافے کے حکم کے متعلق علماء کے متعدد اقوال ہیں۔

ا) بعض نے ان زیادات کو مطلقاً قبول کر لیا۔

ب) بعض نے انہیں مطلقاً رد کر دیا۔

ج) اور بعض نے انہیں اس صورت میں قبول کر لیا کہ اگر راوی کسی حدیث کو پہلی بار اضافے کے بغیر روایت کرے، پھر کسی دوسرے سے سن کر اضافہ کر لے[119] مشہور محدث ابن الصلاح نے قبول و عدم قبول کے لحاظ سے اضافوں کی تین قسمیں کی ہیں۔ یہ بڑی اچھی تقسیم ہے۔ جس سے امام نووی وغیرہ نے بھی اتفاق کیا ہے۔ تینوں قسمیں ذیل میں بیان کی جا رہی ہیں۔

ا) ایسا اضافہ جس میں ثقات یا اوثق راویوں کی روایت سے مخالفت نہ ہو اس کا حکم یہ ہے کہ اسے قبول کر لیا جائے گا۔ اس لئے کہ اس کی حیثیت حدیث کی سی ہوگی جسے مجموعی طور پر ثقہ راویوں میں سے ایک نے روایت کیا ہے۔

ب) ایسا اضافہ جو ثقہ یا اوثق راویوں کی روایت کے خلاف ہو۔ اس پر عدم قبول کا حکم جاری ہوگا جیسا کہ شاذ حدیث کی بحث میں پہلے گزر چکا ہے۔

ج) ایسا اضافہ جس میں ثقہ راویوں کی روایات سے مخالفت کا ایک پہلو موجود ہو یہ مخالفت صرف دو باتوں کے اندر منحصر ہوتی ہے۔

۱ - مطلق کو مقید کر دینا۔

۲ - عام کو خاص بنا دینا۔

اس تقسیم پر کوئی حکم لگانے سے ابن الصلاح نے سکوت اختیار کیا ہے اور امام نووی نے اپنی یہ

رائے دی ہے کہ "والصحیح قبول ہذا الاخیر" (دوسری قسم یعنی عام کو خاص کرنا کو قبول کرنا درست بات ہے۔

۵ - متن میں اضافے کی مثالیں:

ا) ایسے اضافے کی مثال جس میں مخالفت نہیں ہے۔ مسلمؒ[۱۲۱] نے اپنی صحیح میں دلوغ الکلب (کتے کا برتن میں منہ ڈال دینا) والی حدیث کی روایت علی بن مسہر کے طریق سے کی ہے۔ انہوں نے اعمش سے، انہوں نے ابو رزین سے اور ابو صالح سے اور ان دونوں نے حضرت ابوھریرہ سے یہ حدیث روایت کی ہے اس میں ایک کلمہ "فلیرقہ" (اسے انڈیل دے) کا اضافہ ہے جبکہ اعمش کے باقی شاگردوں میں سے کسی نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ ان سب نے اس حدیث کو اس طرح ذکر کیا ہے۔ "اذا ولغ الکلب فی اِناء احدکم فلیغسلہ سبع مرار" (تم میں سے کسی کے برتن میں کتا منہ ڈال دے تو اس کو سات بار دھو ڈالو) اس حدیث میں مندرجہ بالا کلمہ کا اضافہ اس خبر واحد کی طرح ہو گا۔ جسے صرف علی بن مسہر نے روایت کی ہے اور چونکہ وہ ایک ثقہ راوی ہے اس لئے اس اضافے کو قبول کر لیا جائے گا۔

ب) ایسے اضافے کی مثال جس میں مخالفت ہے:
ایک حدیث میں ہے "یوم عرفہ ویوم النحر وایام التشریق عیدنا اہل الاسلام وھی ایام اکل و شرب" (ذوالحجہ کی نو تا ۱۳ تاریخ یعنی یوم عرفہ، یوم نحر اور ایام تشریق، ہم اہل اسلام کی عید کے ایام ہیں نیز یہ کھانے پینے کے بھی دن ہیں) اس میں پہلا لفظ "یوم عرفہ" اس حدیث میں اضافہ ہے اس ایک طریق کو چھوڑ کر باقی کسی روایت میں یہ اضافہ موجود نہیں ہے۔ اس حدیث کو اضافے کے ساتھ صرف موسیٰ بن علی بن رباح نے اپنے والد اور انہوں نے حضرت عقبہ بن عامر سے روایت کی ہے۔ امام ترمذی اور امام ابو داؤد نے اس کی تخریج کی ہے۔

ج) اسی اضافے کی مثال جس میں مخالفت کا کوئی پہلو موجود ہو۔ ایک حدیث ہے جسے امام مسلم نے ابو مالک اشجعی کے طریق سے روایت کی ہے۔ ابو مالک نے ربعی سے اور ربعی نے حضرت حذیفہ سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: .... اور ہمارے لئے ساری روئے زمین کو مسجد اور مٹی کو ذریعہ طہارت قرار دیا گیا ہے۔ (قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: و ...... وجعلت لنا الارض کلھا مسجدا وجعلت تربتھا لنا طھورا)

اس حدیث میں ابو مالک اشجعی نے لفظ "تربتہا" کی زیادتی کی ہے۔ ان کے علاوہ کسی اور راوی نے اس حدیث میں اس لفظ کی روایت نہیں کی ہے بلکہ سب نے اس حدیث کو اس طرح روایت کیا ہے۔

"وجعلت لنا الارض مسجداً و طهوراً"[۱۲۲] (ہمارے لئے زمین کو مسجد اور ذریعہ طہارت قرار دیا گیا ہے۔)

۲ - اسناد میں اضافے کا حکم:

اسناد میں اضافے کی بنیاد دو ایسے مسائل پر مبنی ہوگی جو کثیر الوقوع ہیں ان میں سے ایک وصل مع الارسال (یعنی ایک سند موصول ہو اور دوسری مرسل) کا تعارض اور دوسرا رفع مع الوقوف (یعنی ایک سند مرفوع اور دوسری موقوف) کا تعارض ان کے علاوہ اضافے کی جتنی صورتیں ہیں ان کے لئے علماء نے "المزید فی متصل الاسانید" کے عنوان کے تحت الگ سے بحثیں کی ہیں۔ زیادت یعنی اضافے کے قبول ورد کے سلسلے میں علماء کے چار مختلف اقوال ہیں۔

ا) وصل یا رفع کرنے والے راوی کے اضافے کو قبول نہ کیا جائے جمہور فقہا اور اہل اصول کا بھی مسلک ہے[۱۲۳]

ب) ارسال یا وقف کرنے والے راوی کے اضافے کو قبول نہ کیا جائے اکثر اصحاب حدیث کا یہی مسلک ہے۔

ج) اضافے کو اگر راویوں کی اکثریت روایت کر رہی ہو تو اسے قبول کر لیا جائے بعض اصحاب حدیث کا یہی مسلک ہے۔

د) جو راوی ضبط و حفظ میں سب سے بڑھ کر ہو اس کے اضافے کو قبول کر لیا جائے بعض اصحاب حدیث کا یہی قول ہے۔

مثال: حدیث "لا نکاح الا بولی" (نکاح کا انعقاد صرف ولی کے ذریعے ہوتا ہے۔) اس کو یونس بن ابو اسحاق السبیعی اور ان کے بیٹے اسرائیل اور قیس بن الربیع نے ابو اسحاق سے سند متصل سے روایت کیا ہے۔ اور سفیان ثوری، شعبہ بن الحجاج نے ابو اسحاق سے مرسل روایت کی ہے[۱۲۴]

الاعتبار والمتابع والشاهد

۱ - ہر ایک کی تعریف:

ا) الاعتبار:

لغت کے لحاظ سے: "اعتبر" کا مصدر ہے اعتبار کے معنی ہیں امور پر ایسی باریک بینی سے غور کرنا کہ ان کے ذریعے اسی طرح کی دیگر چیزیں بھی پہچانی جا سکیں۔

۲ - اصطلاح کے لحاظ سے: اصول حدیث کی اصطلاح میں کسی حدیث کی، جسے صرف ایک راوی نے روایت کی ہو۔ دیگر طرق کی تلاش کو اعتبار کہتے ہیں۔ تاکہ یہ معلوم کیا جا سکے کہ آیا اس کی روایت کرنے میں دوسرے راوی بھی اس کے ساتھ شریک ہیں یا نہیں۔

ب) المتابع: اس کا دوسرا نام "تابع" بھی ہے۔

۱ - لغت کے لحاظ سے: لغت میں متابع "تابع" کا اسم فاعل ہے۔ جس کے معنی پیروی اور موافقت کے ہیں۔

۲ - اصطلاح کے لحاظ سے: اصول حدیث کی اصطلاح میں متابع اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں اس کے راویوں کی حدیث فرد[۱۲۵] کے راویوں کے ساتھ لفظی اور معنوی یا صرف لفظی طور پر مشارکت ہو جائے اور تمام راویوں کا صحابی پر آکر اتحاد ہو جائے یعنی سب نے ایک ہی صحابی سے روایت کی ہو۔

ج) الشاہد:

۱ - لغت کے لحاظ سے: یہ لفظ شہادت کا اسم فاعل ہے شاہد نام اس لئے دیا گیا ہے کہ یہ اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ اس حدیث فرد کی اصلیت ہے۔ اور یہ اسے اس طرح سے قوت دیتا ہے جس طرح مدعی کے موقف کو گواہ طاقت بہم پہنچاتا ہے۔

۲ - اصطلاح کے لحاظ سے: اصول حدیث کی اصطلاح میں شاہد وہ حدیث ہے جس میں اس کے راویوں کی حدیث فرد کے راویوں کے ساتھ لفظی اور معنوی یا صرف معنوی طور پر مشارکت ہو جائے لیکن صحابی میں اختلاف ہو۔ یعنی ان راویوں نے الگ الگ صحابیوں سے روایتیں کی ہوں۔

۲ - الاعتبار، متابع اور شاہد کا قسیم[۱۲۶] نہیں ہے:

یہاں کسی کو یہ وہم پیدا ہو سکتا ہے کہ اعتبار، متابع اور شاہد دونوں کا قسیم ہے لیکن یہ بات ایسی نہیں ہے اعتبار دراصل متابع اور شاہد تک پہنچنے کے لئے غور و فکر کا ایک ڈھانچہ ہے اور نظام ہے۔ دوسرے الفاظ میں اعتبار دراصل تابع اور شاہد کی تلاش اور جستجو کا ایک طریقہ ہے۔

۳ - تابع اور شاہد کے لئے ایک دوسرے کی اصطلاح:

قبل ازیں تابع اور شاہد کی تعریف گزر گئی ہے۔ جس سے اکثر محدثین کا اتفاق ہے اور وہی مشہور ہے یہاں ان دونوں کی ایک اور تعریف بھی ہے ملاحظہ ہو:

ا) تابع: حدیث فرد کے راویوں کے درمیان لفظی مشارکت کا نام ہے خواہ صحابی میں اتحاد ہو یا اختلاف۔

ب) شاہد: حدیث فرد کے راویوں کے درمیان معنوی مشارکت ہو خواہ صحابی میں اتحاد ہو یا اختلاف کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک کے نام کا اطلاق دوسرے پر ہوتا ہے۔ چنانچہ تابع کے نام کا اطلاق شاہد پر اور شاہد کے نام کا اطلاق تابع پر ہوتا ہے۔ اور بقول حافظ ابن حجر اس میں کوئی اشکال نہیں ہے[۱۴۷] کیونکہ ان دونوں کا اصل مقصد و مدعا ایک ہی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حدیث فرد کا کوئی اور مسئلہ روایت تلاش و جستجو کے بعد معلوم کیا جائے اور اس طرح اسے تقویت فراہم کی جائے۔

۴ - متابعت:

ا) تعریف:

۱ - لغوی لحاظ سے: تابع، وافق کے ہم معنی ہے اس لئے متابعت کے معنی موافقت کے ہوئے۔

۲ - اصطلاح کے لحاظ سے: اصول حدیث کی اصطلاح میں متابعت کسی راوی کا روایت حدیث میں کسی دوسرے راوی کے ساتھ شریک ہونے کا نام ہے۔

ب) اس کی قسمیں: متابعت کی دو قسمیں ہیں:

۱ - متابعت تامہ: یہ کہ راوی کے ساتھ مشارکت سند کی ابتداء ہی سے ہو جائے۔

۲ - متابعت ناقصہ: یہ کہ راوی کے ساتھ مشارکت سند کے دوران میں ہو۔

۵ - مثالیں:

میں ایک ایسی مثال پیش کرنا چاہتا ہوں جسے حافظ ابن حجر نے متابعت تامہ متابعت ناقصہ اور شاہد سب کے لئے پیش کیا ہے[۱۴۸]

امام شافعی نے اپنی کتاب "الام" میں مالک سے روایت کی ہے، انہوں نے عبداللہ بن دینار سے، انہوں نے حضرت ابن عمر سے، جنہوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الشہر تسع و تسعون، فلا تصوموا حتی تروا الھلال، ولا تفطروا حتی تروہ، فان غم علیکم فاکملوا العدۃ ثلاثین" (مہینہ ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے اس لئے روزہ نہ رکھو جب تک کہ چاند نہ دیکھ لو اور روزے رکھنا بند نہ کرو جب تک چاند نہ دیکھ لو اگر تم پر بادل چھا جائے تو تیس کی گنتی پوری کر لو)۔

ان الفاظ پر مشتمل حدیث کے متعلق سب لوگوں کا خیال ہے کہ امام شافعی حضرت امام مالک سے روایت کرنے میں منفرد ہیں اس لئے انہوں نے اس حدیث کو امام شافعی کی روایت کردہ غریب احادیث میں شمار کیا ہے۔ کیونکہ امام مالک کے شاگردوں نے امام مالک سے ایک سند سے اس کی روایت کی ہے۔ اس کے الفاظ ہیں۔ "فان غم علیکم فاقدروا لہ" (اگر بادل ہو تو اس کا اندازہ لگا

لو) ۔ لیکن اعتبار یعنی تلاش و جستجو کے بعد ہم نے حضرت امام شافعی کی اس سہولت کے لئے متابعت تامہ، متابعت ناقصہ اور شاہد کو بھی پالیا۔

ا) متابعت تامہ۔ بخاری کی عبداللہ بن مسلم القعنبی سے روایت ہے جو امام مالک سے بعینہ اسی سند سے روایت کرتے ہیں جس میں ہے۔ "فان غم علیکم فاکملوا العدۃ ثلاثین" (اگر تم پر بادل چھا جائے تو تیس کی گنتی پوری کر لو) ۔

ب) متابعت ناقصہ۔ ابن خزیمہ نے عاصم بن محمد سے روایت کی ہے جنہوں نے اپنے والد محمد بن زید سے انہوں نے اپنے دادا عبداللہ بن عمر سے یہ لفظ "فکملوا ثلاثین" (تو تیس پورے کر لو) کی روایت کی ہے۔

ج) شاہد۔ نسائی نے محمد بن حنین سے، انہوں نے حضرت ابن عباس سے اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: "فان غم علیکم فاکملوا العدۃ ثلاثین" (اگر تم پر بادل چھا جائے تو تیس کی گنتی پوری کر لو) ۔

ان الفاظ پر مشتمل حدیث کے متعلق بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ امام شافعی حضرت امام مالک سے روایت کرنے میں منفرد ہیں۔ اس لئے انہوں نے اس حدیث کو امام شافعی کی روایت کردہ غریب احادیث میں شمار کیا ہے۔ کیونکہ امام مالک کے شاگردوں نے امام مالک سے اسی ایک سند سے اس کی روایت کی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

فان غم علیکم فاقدروالہ (اگر بادل ہو تو اس کا اندازہ لگالو) لیکن اعتبار یعنی تلاش و جستجو کے بعد ہم نے حضرت امام شافعی کی اس روایت کے لئے متابعت تامہ، متابعت ناقصہ اور شاہد کو بھی پالیا ہے۔

ا) متابعت تامہ۔ بخاری کی عبداللہ بن مسلم القعنبی سے روایت ہے جو امام مالک سے بعینہ اسی سند سے روایت کرتے ہیں، جس میں ہے "فان غم علیکم فاکملوا العدۃ ثلثین" (اگر آپ لوگوں پر بادل چھا جائے، تو پھر تیس کی گنتی پوری کر لو)

ب) متابعت ناقصہ۔ ابن حزیمہ نے عاصم بن محمد سے روایت کی ہے، جنہوں نے آپ کے والد محمد بن زید سے انہوں نے اپنے دادا عبداللہ بن عمر سے یہ لفظ "فکملو ا ثلاثین (تو تیس پورے کر لو) روایت کی ہے۔

ج) شاہد۔ نسائی نے محمد بن حنین سے، انہوں نے حضرت ابن عباس سے اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے روایت کی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا "فان غم علیکم فاکملوا العدۃ ثلاثین" (اگر تم پر بادل چھا جائیں، تو تیس کی گنتی پوری کر لو)

باب اول

۱۔ تدریب الراوی جلد دوم ص ۱۷۷۔

۲۔ روایت کنندگان کا تعلق مختلف ممالک یا مختلف اقوام سے ہو یا وہ مختلف مسالک سے تعلق رکھتے ہوں اس بنا پر بعض دفعہ راویوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے لیکن ان کی روایت کردہ خبر متواتر نہیں ہوتی اور بعض دفعہ راویوں کی تعداد کم ہوتی ہے لیکن اس کی روایت کردہ خبر متواتر ہوتی ہے۔ درحقیقت راویوں کے احوال کے مدنظر یہ فرق وقوع پذیر ہوتا ہے۔

۳۔ تدریب الراوی جلد دوم ص ۱۸۰

۴۔ نزھۃ النظر ص ۲۶

۵۔ اس حدیث کی روایت امام بخاری، امام ترمذی، امام احمد اور امام ابن ماجہ نے کی ہے۔

۶۔ اصل سند سے مراد اس کا وہ سرا ہے جس میں صحابی ہوتا ہے۔ صحابی سلسلہ سند کی ایک کڑی ہوتا ہے۔ یعنی اگر صحابی ایک ہو تو ایسی حدیث غریب مطلق کہلاتی ہے۔ حافظ ابن حجر نے اصل سند کی تشریح کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ "سلسلہ روایت کے مدار و مرجع کو اصل سند کہتے ہیں خواہ اس تک پہنچنے والے طریق یعنی سلسلہ ہائے روایت متعدد ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ مدار و مرجع سند کا وہ سرا ہے جس میں صحابی ہوتا ہے" حافظ ابن حجر کے کلام سے ملا علی قاری نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ صحابی اگر ایک ہو تو ایسی حدیث میں غرابت نہیں ہو گی یعنی اسے غریب شمار نہیں کیا جائے گا۔ ملا علی قاری کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام عدول یعنی پاکیزہ کرنے والے ہیں میری (یعنی صاحب کتاب) کی رائے یہ ہے کہ ابن حجر کا یہ مقصد نہیں ہے، واللہ اعلم، اس کی دلیل یہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے حدیث غریب کی یہ تعریف کی ہے کہ "غریب وہ حدیث ہے جس کا راوی صرف ایک ہو خواہ یہ صورت سند کے کسی بھی حصے میں کیوں نہ پیش آ جائے" یعنی راوی کا تفرد خواہ صحابی کے موقع و محل میں ہی کیوں نہ پایا جائے، اس لئے کہ صحابی سلسلہ سند کی ایک کڑی ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۷۔ اس حدیث کی روایت امام بخاری اور امام مسلم دونوں نے کی ہے۔ حدیث کا ترجمہ ہے "اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہی ہوتا ہے"

۸۔ بخاری و مسلم۔

۹۔ شیخ سے کسی حدیث کو لفظ, عن, کے ساتھ روایت کرنا عنعنہ کہلاتا ہے، اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

۱۰۔ مدلس اس راوی کو کہتے ہیں جو حدیث کی روایت کرتے ہوئے سلسلہ روایت یعنی سند کے کسی نقص یا عیب کی پردہ پوشی کر جائے۔

۱۱۔ تدریب الراوی جلد اول ص ۷۵، ۷۶۔

۱۲۔ ابیہ سے مراد حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔

۱۳۔ علی سے مراد حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔

۱۴۔ اس سے مراد حضرت عبداللہ بن مسعود ہیں۔

۱۵۔ بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں "لملال الطول" مطلب یہ ہے کہ امام بخاری نے اپنی کتاب میں بہت سی احادیث صحیحہ کی روایت اس خوف سے نہیں کی کہ کہیں کتاب کی طوالت سے لوگ اکتا نہ جائیں۔

۱۶۔ یعنی ایسی احادیث جن میں حدیث صحیح کی وہ شرطیں موجود تھیں جن پر محدثین کا اجماع ہے۔

۱۷۔ علوم الحدیث ص ۱۶

۱۸۔ ہمارے بھائی فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر محمود المیرہ جو بڑے محقق عالم ہیں آج کل اس کتاب کی ان احادیث کا تتبع کر رہے ہیں جن کے متعلق امام ذہبی نے کوئی فیصلہ نہیں دیا ہے۔ چھان بین کے بعد وہ ایسی احادیث کے حسب حال حکم لگائیں گے۔ ان کا ارادہ ہے کہ اس کام سے فارغ ہو کر مستدرک کو نئے سرے سے طبع کرائیں گے۔ اللہ انہیں جزائے خیر دے۔

۱۹۔ یہ اہل قلم امیر علاؤالدین ابو الحسن علی بن بلبان ہیں جن کی وفات ۷۳۹ھ میں ہوئی تھی۔ انہوں نے صحیح ابن حبان کی اس نئی ترتیب کا نام "الاحسان فی تقریب ابن حبان" رکھا تھا۔

۲۰۔ تدریب الراوی جلد اول، ص ۱۰۹۔

۲۱۔ تدریب الراوی جلد اول ص ۱۰۹۔

۲۲۔ تدریب الراوی جلد اول ص ۱۱۵ تا ۱۱۶۔

۲۳۔ بخاری اپنی کتاب میں باب کا جو عنوان قائم کرتے ہیں اسے ترجمۃ الباب کہا جاتا ہے اور تمہیدی کلمات کو مقدمہ کا نام دیا جاتا ہے۔ آپ تراجم ابواب اور مقدمات میں بھی اکثر احادیث ہی درج کرتے ہیں۔ مترجم۔

۲۴۔ علوم الحدیث ص ۲۴۔

۲۵۔ معالم السنن جلد اول ص ۱۱۔

۲۶۔ جامع ترمذی شرح تحفۃ الاحوذی، کتاب العلل جلد ۱۰، ص ۵۱۹۔

۲۷۔ نخبۃ الفکر، ص ۲۹۔

۲۸۔ حوالۂ سابق، ص ۲۴۔

۲۹۔ تدریب الراوی، جلد اول ص ۱۶۰۔

۳۰۔ ترمذی شریف، فضائل جہاد جلد پنجم، ص ۳۰۰ مع شرح تحفۃ الاحوذی۔

۳۱۔ کتاب کا پورا نام "مصابیح السنہ" ہے۔ مولف نے اس کتاب میں صحیحین، سنن اربعہ اور سنن دارمی سے حدیثیں چھانٹ کر جمع کر دی ہیں پھر خطیب تبریزی نے اس کی ترتیب بہتر بنا کر اور اس میں اضافہ کر کے اسے "مشکاۃ المصابیح" کے نام سے مدون کیا۔

۳۲۔ عربی کی اصل عبارت میں مظنات کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کی تشریح بقول مؤلف یہ ہے۔

۳۳۔ مظنات جمع ہے مظنۃ کی (ظاء کی زیر کے ساتھ) مظنۃ الشئ کا مطلب اس چیز کے وجود کی جگہ ہے اس لئے عربی کے اس عنوان کے معنی یہ ہوں گے "ایسی کتابیں جن میں حسن کے ذیل میں آنے والی احادیث کا وجود ہے۔

۳۴۔ امام ترمذی نے یہ حدیث کتاب الطہارۃ میں درج کی ہے۔ امام بخاری اور امام مسلم نے اس حدیث کی روایت ابو الزناد سے، انہوں نے اعرج سے اور انہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے کی ہے۔

۳۵۔ علوم الحدیث، ص ۲۲۔

۳۶۔ "محتف بالقرائن" سے کیا مراد ہے۔

محتف: احتف: یحتف: احتفافاً یعنی گھر جانا سے اسم فاعل ہے جب کسی چیز کے چاروں طرف دوسری چیزیں جمع ہو جائیں تو درمیانی چیز دوسرے مختلف چیزوں کے درمیان گھر جاتی ہے۔ قرائن: جمع ہے قرینہ کی، جس کے معنی ہیں، ندیہ، اثر، اور علامت کے جو کسی دوسری جز کی نشان دہی کرے، جیسے دھواں اڑ رہا ہو، تو اس سے اشارہ ہوتا ہے کہ کہیں آگ لگی ہوئی ہے، اس طرح بعض ایسی علامات و نشانات ہوتے ہیں، جو فی الحقیقت کسی خبر احاد کی مطلوبہ شرائط سے کچھ زائد ہوتے ہیں، اگر کوئی ایسی خبر احاد جو مقبول ہونے کے ضروری شرائط رکھنے کے علاوہ کچھ ایسے مزید قرائن بھی رکھتی ہو، جس سے اس کے اندر مزید قوت پیدا ہو گئی ہو، تو اس خبر مقبول میں امتیاز پیدا ہو جاتا ہے، اور یہ امتیاز ان اخبار احاد میں نہیں ہوتا، جو اس طرح کے قرائن سے خالی ہوں، اس لئے یہ امتیاز رکھنے والی خبر احاد کے مقابلہ میں قابل ترجیح ہوتی ہے۔ (مترجم)۔

"بحث دوم"

۳۷۔ ترمذی شریف۔ کتاب القدر، جلد چہارم، ص ۴۵۰۔ اس حدیث کی روایت امام احمد نے بھی کی ہے۔

۳۸۔ بخاری شریف۔ کتاب الطب، جلد دہم، ص ۱۷۱ مع شرح فتح الباری۔ اس حدیث کی روایت امام مسلم، امام ابو داؤد اور امام احمد نے بھی کی ہے۔

۳۹۔ ابو داؤد۔

۴۰۔ صحیح مسلم۔

۴۱۔ ابو داؤد، ترمذی شریف۔

۴۲۔ بعض علماء نے ان کی چالیس سے اوپر قسمیں بتائی ہیں۔

۴۳۔ علوم الحدیث۔ باب معرفۃ الموضوع ص ۸۹۔

۴۴۔ معرفۃ علوم الحدیث ص ۷۱، ۷۲۔

۴۵۔ حوالہ سابق۔

۴۶۔ تدریب الراوی جلد اول ص ۱۸۱۔

۴۷۔ ترمذی شریف مع شرح تحفۃ الاحوذی جلد اول، ص ۴۱۹، ۴۲۰۔

۴۸۔ علوم الحدیث ص ۹۳، الکفایہ، ص ۱۳۳، ۱۳۴ باب التشدد فی احادیث الاحکام والتجوز فی فضائل الاعمال۔

۴۹۔ تدریب الراوی جلد اول ص ۲۹۸، ۲۹۹، فتح المغیث جلد اول ص ۲۶۸۔

۵۰۔ شرح النخبۃ، ص ۴۲۔

۵۱۔ بخاری شریف، کتاب الصلاۃ، جلد اول، ص ۹۰۔

۵۲۔ علمائے حدیث نے صحیح بخاری میں درج شدہ معلق احادیث کی چھان بین کر کے ان کی مفصل سندیں بیان کی ہیں۔ اس سلسلے میں حافظ ابن حجر کا کام سب سے عمدہ ہے۔ انہوں نے اس موضوع پر جو کتاب تصنیف کی ہے اس کا نام، تغلیق و التعلیق، رکھا ہے۔

۵۳۔ نزہتہ النظر، ص ۴۳، تابعی وہ شخص ہے جسے حالت اسلام میں کسی صحابی کے دیدار کا شرف حاصل ہو جائے اور اس کی وفات حالت اسلام میں ہو۔

۵۴۔ صحیح مسلم۔ کتاب البیوع۔

۵۵۔ رسالہ الشافعی ص ۴۶۱۔

۵۶۔ الکفایتہ ص ۲۱، التدریب جلد اول ص ۲۹۵۔

۵۷۔ التدریب جلد اول ص ۲۱۴۔

۵۸۔ التقریب مع التدریب جلد اول ص ۲۰۸۔

۵۹۔ حاکم نے اپنی کتاب معرفتہ علوم الحدیث صفحہ نمبر ۳۶ پر اس کو بیان کیا ہے اور احمد البزار اور طبرانی نے اوسط میں اسی کے ہم معنی حدیث بیان کی ہے۔ (مجمع الزوائد ص ۱۷۶

۶۰۔ القاموس جلد دوم ص ۲۲۴۔

۶۱۔ شرح الفیتہ العراقی جلد اول ص ۱۸۰۔

۶۲۔ معرفتہ علوم الحدیث ص ۱۲۰۔

۶۳۔ شرح الفیتہ العراقی جلد اول، ص ۱۹۰، التدریب جلد اول ص ۲۲۵۔

۶۴۔ علوم الحدیث ص ۶۶۔

۶۵۔ الکفایتہ ص ۲۵۸۔

۶۶۔ علوم الحدیث ص ۶۷، ۶۸۔

۶۷۔ الکفایتہ ص ۳۶۱۔ ۶۸۔ الکفایتہ ص ۳۵۷

۶۹۔ ابن ماجہ۔ کتاب الجہاد جلد دوم ص ۹۲۵۔

۷۰۔ ابن ماجہ، کتاب اقامتہ الصلاۃ والسنتہ فیہا، جلد اول، ص ۲۲۱ حدیث نمبر ۱۰۰۵۔

۷۱۔ مقدمہ مسلم شرح نووی ج ص ۶۳

بحث سوم

۷۲۔ التدریب الراوی جلد اول ص ۲۸۳۔

۷۳۔ حوالہ سابق ص ۲۸۴۔

۷۴۔ التدریب الراوی جلد اول ص ۲۸۶۔

۷۵۔ حدیث کی اس نوع کا ذکر حافظ ابن حجر نے نخبتہ الفکر میں کیا ہے۔ ابن حجر سے پہلے نہ تو ابن الصلاح نے اور نہ ہی نووی نے اس کا تذکرہ کیا

۷۶۔ القاموس جلد سوم ص ۳۰۶۔

۷۷۔ قواعد معلومہ سے مراد وہ عام قواعد ہیں علماء نے جن کا استنباط نصوص عامہ صحیحہ سے مجموعی طور پر جائزہ لے کر کیا ہے۔

۷۸۔ میزان الاعتدال جلد سوم ص ۲۶۸۔

۷۹۔ التدریب جلد اول ص ۲۹۵، النخبتہ اور اس کی شرح ص ۴۶ اور اس کے مابعد کے صفحات۔

۸۰۔ نخبتہ الفکر اور اس کی شرح ص ۴۷۔

۸۱۔ مقبول سے مراد وہ مفہوم ہے جو صحیح اور حسن دونوں حدیثوں کے راوی کو شامل ہے، یعنی عادل اور قوی حافظہ والا یا عادل جس کا حافظہ کمزور نہ ہو۔

۸۲۔ نخبتہ الفکر اور اس کی شرح ص ۴۷، ابن حجر کا اشارہ ابن الصلاح کی طرف ہے جنہوں نے منکر اور شاذ کو یکساں قرار دیا ہے، علوم الحدیث ص ۷۲۔

۸۳۔ التدریب جلد اول ص ۲۴۰۔

۸۴۔ یہاں معروف کا ذکر اس لئے نہیں ہوا ہے کہ یہ مردود کی قسموں میں سے ایک قسم ہے۔ بلکہ اس کا ذکر صرف اس کے بمقابل یعنی منکر کی مناسبت سے ہوا ہے۔ ورنہ معروف تو مقبول کی قسموں میں سے ایک قسم ہے جسے بطور استدلال بھی پیش کیا جا سکتا ہے یہ بات اہل علم کے ہاں معروف ہے۔

۸۵۔ اس لئے کہ معلل اسم مفعول ہے علله سے جس کے معنی ہیں الهاه یعنی بہلا دیا۔ اسی لئے ماں اگر اپنے بچے کو بہلا دے تو اسے تعليل الام ولدها کہتے ہیں۔

۸۶۔ اس لئے کہ رباعی (چہار حرفی) فعل سے اسم مفعول پر نہیں آتا۔ دیکھئے علوم الحدیث ص ۸۱

۸۷۔ نخبتہ الفکر اور اس کی شرح ص ۴۸، ۴۹

۸۸۔ ابن ماجہ نے اس کی روایت کی ہے باب قیام اللیل جلد اول ص ۴۲۲

۸۹۔ مستملی وہ شخص ہے جو شیخ کی بیان کردہ الفاظ کو بلند آواز میں سننے والوں یعنی شاگردوں تک پہنچا دے جب کہ شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہو۔

۹۰۔ تدریب الراوی جلد اول ص ۲۷۰

۹۱۔ بخاری شریف، باب بدء الوحی

۹۲۔ بخاری شریف باب العتق

۹۳۔ القاموس جلد اول ص ۸۲۲

۹۴۔ بخاری شریف باب الجماعۃ، امام مسلم باب الزکاۃ، موطا امام مالک کتاب الشعر جلد دوم ص ۹۵۲

۹۵۔ اس واقعہ کی تفصیلات تاریخ بغداد جلد دوم ص ۲۰ پر ملاحظہ کیجئے

۹۶۔ مسلم شریف کتاب الجنائز جلد ہفتم ص ۳۸، ترمذی شریف جلد سوم، ص ۳۶۸۔ دونوں محدثین نے اپنی اپنی روایتوں میں ابو ادریس کا اضافہ کیا ہے اور اسے حذف بھی کر دیا ہے

۹۷۔ ترمذی شریف کتاب التفسیر، سورہ واقعہ جلد نہم، ص ۱۸۴ لیکن روایت کے الفاظ یہ ہیں: "مجھے سورہ ہود، واقعہ اور مرسلات نے بوڑھا کر دیا، ترمذی نے فرمایا: "یہ حدیث حسن اور صحیح ہے

۹۸۔ القاموس جلد سوم ص ۱٦٦

۹۹۔ نخبۃ اور اس کی شرح ص ۳۷

۱۰۰۔ یہ طعن راوی کا آٹھواں سبب ہے

۱۰۱۔ یہ طعن راوی کا نواں سبب ہے

۱۰۲۔ النخبۃ اور اس کی شرح ص ۵۲

۱۰۳۔ یہ طعن راوی کا دسواں اور آخری سبب ہے

۱۰۴۔ القاموس جلد اول ص ۲۴۸

۱۰۵۔ بخاری شریف

۱۰۶۔ بخاری شریف، کتاب التیمم، جلد اول، ص ۸۲

۱۰۷۔ بخاری و مسلم شریف

۱۰۸۔ بخاری شریف

۱۰۹۔ بخاری و مسلم شریف

۱۱۰۔ بخاری و مسلم شریف

۱۱۱۔ بخاری و مسلم شریف

۱۱۲۔ بخاری شریف

۱۱۳۔ مسلم شریف

۱۱۴۔ تابعی اسے کہتے ہیں جسے حالت اسلام میں کسی صحابی سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہو اور پھر اس کی وفات بھی حالت اسلام میں ہوئی ہو

۱۱۵۔ بخاری شریف جلد اول ص ۱۵۷

۱۱٦۔ حلیۃ الاولیاء جلد دوم ص ۹٦

۱۱۷۔ مسندکی اس تعریف کو محدث حاکم نے قطعیت کے ساتھ قبول کیا ہے اور ابن حجر نے نخبۃ الفکر میں بھی اسے درست تسلیم کیا ہے۔ اس تعریف کے علاوہ مسند کی اور بھی تعریفیں کی گئی ہیں۔

۱۱۸۔ بخاری شریف جلد اول ص ۴۷

۱۱۹۔ علوم الحدیث ص ۷۷، الکفایۃ ص ۴۲۴ اور بعد کے صفحات

۱۲۰۔ التقریب جلد اول ص ۲۴۸۔ امام شافعی اور امام مالک اس قسم کے اضافے کو قبول کر لینے کے حق میں ہیں جب کہ احناف کا مسلک اسے رد کرنے کا قائل ہے۔

۱۲۱۔ مسلم شریف مع شرح نووی جلد سوم ص ۱۸۲ پر اس حدیث کی مختلف طریق سے روایتیں ملاحظہ کیجئے

۱۲۲۔ صحیح مسلم مع شرح نووی جلد پنجم ص ۴

۱۲۳۔ خطیب بغدادی نے فرمایا: "یہی قول ہمارے نزدیک درست ہے" الکفایۃ ص ۴۱۱

۱۲۴۔ یہ مثال اور اس کے ارسال اور وقف کے سلسلے میں راویوں کا اختلاف الکفایۃ ص ۴۰۹ پر ملاحظہ کیجئے

۱۲ا ــ حدیث فرد حدیث غریب کا دوسرا نام ہے۔ جس میں اصل سند یعنی صحابی یا درمیان سند میں صرف ایک راوی روایت کرنے والا ہو۔ جیسا کہ حدیث غریب کی بحث میں گذر چکا ہے

۱۲ ــ ایک چیز کی اقسام آپس میں ایک دوسرے کی قسیم کہلاتی ہیں

۱۲ ــ شرح نخبۃ الفکر ص ۳۸

۱۲ ــ شرح نخبۃ الفکر ص ۳۷

دوسرا باب

اس شخص کی صفات جس کی روایت قبول کی جاتی ہے اور اس سے متعلق جرح وتعدیل

بحث اول

راوی اور اسے قبول کرنے کی شرائط۔

۱ - تمہیدی مقدمہ :

چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے ہم تک پہنچنے کا ذریعہ رواۃ ہیں اس لئے صحت

حدیث اور عدم صحت کی معرفت کے سلسلے میں ان کی حیثیت مرکزی ہوتی ہے۔ اسی بنا پر علماء حدیث نے راویوں پر اپنی توجہ پوری طرح مرکوز رکھی اور ان کی روایات کو قبول کرنے کے لئے دقیق اور ٹھوس شرطیں مقرر کی ہیں۔ جو ان حضرات کی بالغ نظری، سلامت فکری اور وسعت نظری پر دلالت کرتی ہیں۔ وہ شرائط جن کا راوی کے اندر ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے اور وہ شرائط جنہیں قبول حدیث و اخبار کیلئے معیار بنایا گیا ماضی کے ادوار سے دور حاضر تک دنیا کی کوئی قوم ان کی نظیر نہیں پیش کر سکی اگرچہ دور حاضر سائنٹفک طریق کار اور دقیقہ رسی میں ممتاز ہے لیکن اس میں بھی خبروں کو منتقل کرنے والے افراد اور اداروں کے لئے وہ شرطیں تو کیا جو علمائے حدیث نے راوی کے لئے لگائی تھیں بلکہ ان سے کم بھی نہیں لگائی گئیں۔ سرکاری خبر رساں ایجنسیاں روزانہ ایسی بے شمار خبریں دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلاتی ہیں۔ جن پر سننے والوں کو نہ تو اعتماد ہوتا ہے اور نہ ہی وہ ان کی صداقت کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ سننے والوں کے نزدیک ان خبروں کے راوی یعنی ذرائع مجہول ہوتے ہیں۔ یہی ذرائع خبروں پر سے اعتماد اٹھ جانے کا باعث بنتے ہیں۔ کیونکہ اکثر اوقات جلد ہی ان کے جھوٹ کا پول کھل جاتا ہے۔

۲ - راوی کے مقبول ہونے کی شرطیں:

حدیث و فقہ کے جمہور ائمہ کا اجماع ہے۔ کہ راوی کے اندر دو بنیادی شرائط کا ہونا ضروری ہے۔

ا) عدالت. اس سے مراد راوی کا عاقل، بالغ، مسلمان اور فسق و فجور اور پاکباز متقی ہونا ہے۔

ب) ضبط. اس سے مراد یہ ہے کہ راوی دوسرے ثقہ راویوں کی مخالفت کرنے والا نہ ہو اس کا حافظہ برا نہ ہو اور فاش غلطیوں سے محفوظ ہو۔ نیز بے خبر، سادہ لوح اور وہمی بھی نہ ہو۔

۳ - عدالت کس طرح ثابت ہو گی؟

عدالت مندرجہ ذیل دو چیزوں میں سے کسی ایک سے ثابت ہو گی۔

ا) راوی کے حالات کی چھان بین کرنے والے، علماء جنہیں علمائے تعدیل کہا جاتا ہے، یا ان میں سے کوئی ایک عالم کھلے الفاظ میں اس راوی کی عدالت بیان کر دے۔

ب) یا اس راوی کے عادل ہونے کی اتنی زیادہ شہرت ہو کہ اکثر اہل علم اسے عادل راوی کی حیثیت سے جانتے ہوں۔ اس کی عدالت کے ثبوت کے لئے کسی تعدیل کنندہ کے بیان کی ضرورت نہیں، آئمہ اربعہ (امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام

احمد) سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ اور امام اوزاعی ایسے ہی حضرات ہیں جنہیں کسی تعدیل کی ضرورت نہیں۔

۴ - ثبوت عدالت کے سلسلے میں ابن عبدالبر کا مسلک:

ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ ہر وہ عالم جو عدالت کا حامل ہو آداب علم کا اہتمام کرتا ہو اس کو اس وقت تک عادل ہی قرار دیا جائے گا جب تک اس پر واضح طور پر کوئی جرح ثابت نہ ہو جائے اس بات کی دلیل یہ حدیث پیش کرتے ہیں۔

"یحمل ہذا العلم من کل خلف عدولہ ینفون عنہ تحریف الغالین، وانتحال المبطلین، و تاویل الجاہلین"

اس علم (حدیث) کے حامل ایک دوسرے کے پیچھے ہمیشہ ایسے عادل لوگ ہوں گے اسے حد سے تجاوز کرنے والی تحریف باطل پرستوں کی گھڑی ہوئی اور جاہلوں کی تاویل سے پاک کرتے رہیں گے۔

اس حدیث کو ابن عدی نے الکامل وغیرہ میں روایت کیا ہے۔ عراقی نے کہا ہے کہ اس حدیث کے جملہ طرق ضعیف ہیں۔لیکن بعض علماء نے کثرت طرق کے باعث اسے "حسن" کہا ہے۔

ابن عبدالبر کا یہ قول علماء کے ہاں پسندیدہ نہیں ہے اس لیے کہ یہ حدیث ہی صحیح نہیں ہے۔ بالفرض اس کو اگر صحیح مان لیا جائے تو اس کا مفہوم یہ ہو گا کہ عادل لوگوں کو ایک دوسرے کے پیچھے اس کے، علم کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھانا چاہیئے۔ اس تاویل کی دلیل یہ ہے کہ کچھ لوگ ایسے بھی پائے جائیں گے جو اس علم کے حامل ہوں گے لیکن وہ عادل نہیں ہوں گے۔

۵ - راوی کا ضبط کیسے پہچانا جاتا ہے:

جب کوئی راوی اپنی اکثر روایات میں سے پختہ کار اور ثقہ راویوں کی موافقت کرنے والا ہو تو اسے صحیح الضبط تسلیم کیا جائے گا۔ اگر شاذ و نادر کہیں ان سے مخالفت کرے گا تو یہ مخالفت اس کے ضبط پر اثر انداز نہ ہو گی لیکن اگر اس کی مخالفت بکثرت ہو تو اس کا ضبط مجروح ہو جائے گا۔ اور اس کی روایت قابل حجت نہیں ہو گی۔

۶ - کیا کسی بیان کے بغیر ہی جرح و تعدیل قبول کر لی جائے گی؟

۱) صحیح اور مشہور روایات کے مطابق تعدیل کو تو کسی سبب کے ذکر کیئے بغیر ہی قبول کر لیا جائے گا اس لئے کہ اس کے اسباب بے شمار ہیں جن کا تعین بہت مشکل ہے اس لئے کہ تعدیل کنندہ کو صرف یہ کہنے کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً اس نے یہ کام نہیں کیا یا وہ اس کا مرتکب نہیں ہوا، یا یہ کہ وہ فلاح کام کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

ب) لیکن راوی پر جرح بغیر شرح و تفسیر کے قبول نہیں کی جائے گی، اس لیے کہ اس کا کرنا دشوار نہیں ہے۔ پھر یہ بات بھی ہے اگر جرح کے اسباب میں لوگ مختلف الرائے ہوتے ہیں۔ بعض ناقدین ایسی باتوں کی بنا پر جرح کر دیتے ہیں جو جرح کے قابل نہیں ہوتیں۔ ابن الصلاح نے کہا ہے: "یہ نظریہ فقہ اور اصول فقہ کا مسلمہ نظریہ ہے" خطیب بغدادی نے کہا ہے کہ حدیث کے نقاد اور حفاظ آئمہ میں سے ممتاز لوگوں مثلاً امام بخاری اور امام مسلم وغیرہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ اور اسی لیے امام بخاری نے راویوں کے ایسے گروہ کی روایات کو حجت تسلیم نہیں کیا جن پر امام بخاری کے سوا دوسرے محدثین کی طرف سے پہلے ہی جرح ہو چکی تھی۔ مثلاً عکرمہ اور عمر بن مرزوق وغیرہ۔

اور مسلم نے سوید بن سعید اور ایک ایسی جماعت کی روایات کو حجت تسلیم کیا ہے جس پر کھلا جرح و تنقید ہو چکی تھی امام ابو داؤد نے بھی ایسا ہی کیا ہے اور یہ چیز اس بات کی دلیل ہے کہ وہ لوگ سب کے سب اس طرف گئے ہیں کہ جرح اس وقت تک ثابت نہیں ہوتی جب تک جرح کا سبب نہ بیان کیا جائے [1]

۷ - کیا فرد واحد کی جرح و تعدیل کی بنا پر راوی میں جرح و تعدیل کا ثبوت ہو سکتا ہے؟

ا) صحیح بات یہی ہے کہ فرد واحد کی جرح و تعدیل کی بنا پر راوی میں اس کا ثبوت ہو سکتا ہے۔

ب) ایک قول ضعیف یہ بھی ہے کہ اس کے ثبوت کے لیے کم از کم دو اشخاص کی طرف جرح و تعدیل کا ہونا ضروری ہے۔

۸ - ایک ہی راوی کے اندر جرح و تعدیل کا مجتمع ہونا:

جب ایک راوی کے اندر جرح و تعدیل کے دونوں اسباب جمع ہو جائیں تو:

ا) قابل اعتماد بات یہی ہے کہ جرح کو ترجیح دی جائے گی بشرطیکہ جرح کے اسباب مفصل بیان ہوں۔

ب) ایک ضعیف قول یہ بھی ہے کہ اگر جرح کرنے والوں کے مقابلہ میں تعدیل کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہو تو تعدیل ہی کو ترجیح ہو گی مگر یہ قول قابل اعتماد نہیں ہے۔

۹ - ایک شخص سے ایک عادل راوی کی روایت کا حکم:

ا) اگر ایک عادل راوی کسی شخص کی روایت کر رہا ہو تو اکثر ناقدین کے نزدیک یہ اس بات کی دلیل نہیں ہوگی کہ اس سے اس شخص کی تعدیل بھی ہوگی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کی تعدیل ہو جائے گی۔

ب) کسی عالم کا عمل یا فتویٰ کسی حدیث کے موافق ہو تو اسے اس حدیث کی صحت کی دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔ اور اسی طرح کسی عالم کی کسی حدیث سے مخالفت اس کی صحت کو مجروح نہیں کر سکتی اور نہ ہی اس کے راویوں پر قدح قرار دی جا سکتی ہے۔ اگرچہ ایک ضعیف قول کے مطابق اس پر صحت حدیث کا حکم لگایا جا سکتا ہے اور علم الاصول کے ماہرین میں الآمدی کی بھی یہی رائے ہے مگر اس مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی گنجائش ہے۔

۱۰ - فسق سے تائب ہو جانے والے کی روایت کا حکم:

ا) فسق سے تائب کی روایت قبول کر لی جائے گی۔

ب) مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں کذب بیان کرنے والے کی توبہ کے باوجود بھی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔

۱۱ - ایسے شخص کی روایت کا حکم جو حدیث بیان کرنے پر اجرت لے:

ا) امام احمد، اسحاق اور ابو حاتم وغیرہ کے نزدیک اجرت لینے والے کی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔

ب) بعض دیگر محدثین مثلاً امام ابو نعیم الفضل بن دکین وغیرہ کے نزدیک قبول کر لی جائے گی۔

ج) ابو اسحٰق شیرازی کا فتویٰ ہے کہ وہ شخص جو روایت حدیث میں مشغول رہنے کے باعث اپنے عیال کے لئے معاش کا بندوبست نہ کر سکتا ہو اس کے لئے روایت حدیث پر اجرت لینا جائز ہے۔

۱۲ - جو شخص سہل پسندی کی طرف سجھائی ہوئی بات نہ کر سکتا ہو اور کثرت نسیان میں معروف ہو اس کی روایت کا حکم:

ا) جو شخص حدیث سننے اور سنانے کے اندر تساہل برتنے میں معروف ہو اس کی روایت قبول نہ ہوگی۔ مثلاً وہ شخص جو عین سماع حدیث کے وقت نیند سے احتیاط نہ کرے یا اصل حدیث سے مقابلہ کئے بغیر بیان کرنا شروع کر دے اس کی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔

ب) اسی طرح جو شخص حدیث کے معاملے میں کسی کی طرف سے بجھائی ہوئی بات قبول کر لینے میں مشہور ہو مثلاً اسے کوئی شخص کسی بات کی تلقین کرے اور وہ یہ معلوم کیئے بغیر کہ یہ حدیث ہے لوگوں سے اس کی روایت کرنا شروع کر دے ایسے شخص کی روایت بھی قابل قبول نہ ہوگی۔

ح) اسی طرح اس شخص کی روایت بھی قبول نہ کی جائے گی جو اپنی روایتوں میں کثرت سے بھول جانے میں مشہور ہو۔

۱۳ - ایسے شخص کی روایت کا حکم جس نے حدیث بیان کی اور بھول گیا:

ا) حدیث بیان کر کے بھول جانے والے کی تعریف. ایسا استاد یا شیخ جسے یہ یاد نہ رہے کہ اس نے کون کون سی حدیثیں اپنے شاگرد کو روایت کی ہیں۔

ب) اس کی روایت کا حکم:

۱ - رد کر دی جائے گی: اگر شیخ نے اس کی قطعی نفی کر دی ہو مثلاً شیخ یوں کہے کہ "میں نے اسے یہ حدیث روایت نہیں کی"۔

۲ - قبول کر لی جائے گی: اگر شیخ اس کی نفی کرنے میں تردد کرے مثلاً یہ کہے "مجھے نہیں معلوم" یا: "مجھے یاد نہیں" وغیرہ۔

ج) کیا حدیث کو قبول نہ کرنا شیخ یا اس کے شاگرد میں سے کسی ایک کی عدالت کو مجروح کر دے گا؟: حدیث کو قبول نہ کرنا دونوں میں سے کسی کو مجروح نہیں کرے گا اس لئے کہ اس معاملے میں دونوں یکساں ہوں گے اور کوئی کسی سے بڑھ کر قابل طعن یا جرح نہیں ہو گا۔

د) ایک مثال سے یہ بات سمجھ میں آ سکتی ہے: (عن ربیعه بن ابی عبدالرحمٰن عن سهیل بن ابی صالح عن ابی هریره ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قضی بالیمین مع الشاهد)

ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ میں ایک روایت آتی ہے جسے ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن نے سہیل بن ابی صالح سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے حضرت ابو ھریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ کے ساتھ مدعی سے قسم لے کر فیصلہ فرمایا۔ اس روایت کے بارے میں عبدالعزیز بن محمد الدراوردی نے کہا "مجھ سے ربیعہ بن ابو عبدالرحمٰن نے سہیل کے واسطے سے یہ حدیث روایت کی۔ پھر میں نے سہیل سے ملاقات کی اور ان سے اس حدیث کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ اس پر میں نے ان سے

کہا، کہ اس حدیث کو آپ کی روایت سے ربیعہ نے مجھ سے بیان کیا ہے" اس ملاقات و گفتگو کے بعد سہیل اس حدیث کی ان الفاظ میں روایت کرنے لگ گئے کہ "مجھ سے یہ حدیث عبدالعزیز نے بیان کی، ان سے ربیعہ نے مجھ سے سن کر بیان کی، میں نے ربیعہ کو بتایا تھا کہ میں نے یہ حدیث اسے یعنی ربیعہ کو حضرت ابوھریرہ سے مرفوعاً بیان کی تھی۔

ھ) اس موضوع پر سب سے زیادہ مشہور کتاب: خطیب بغداوی کی ہے جس کا نام ہے "اخبار من حدث و نسی"۔

بحث دوم

جرح وتعدیل کے موضوع پر کتابوں کا عام جائزہ

چونکہ حدیث کی صحت و ضعف کے حکم کا دارومدار چند امور پر مبنی ہے جن میں راویوں کی عدالت اور ان کا ضبط و حفظ ہے، یا پھر ان کی عدالت و ضبط پر طعن یعنی جرح اس وجہ سے علماء حدیث نے ایسی کتب تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کیا جن میں راویوں کی عدالت و ضبط کا معیار نہایت اعلیٰ درجہ کے قابل اعتماد اور مستند آئمہ حدیث کی آرا کی روشنی میں قائم کر کے پیش کیا جا سکے۔ اسی عمل کو تعدیل کا نام دیا جاتا ہے۔ اور ان ہی کتب میں وہ امور و مسائل بھی بیان کئے جاتے ہیں جن کی بنا پر بعض راویوں کی عدالت و ضبط کی صفات مجروح ہو جاتی ہیں۔ ان مسائل کو عادل و غیر متعصب آئمہ و محدثین کے خیالات و افکار سے اخذ کیا جاتا ہے، اور اسی عمل کو جرح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ انہیں دونوں پہلوؤں کو ملحوظ رکھ کر اس موضوع پر تصنیف شدہ کتابوں "کتب الجرح و التعدیل" کا نام دیا جاتا ہے۔

اس عنوان پر مختلف و متنوع کتابیں ہیں۔ بعض ان میں ایسی ہیں جو عادل و ثقہ راویوں کے اقوال پر مشتمل ہیں اور بعض اس کے برعکس ضعیف اور جرح کی زد میں آئے ہوئے راویوں کے حالات و واقعات پر مشتمل ہیں۔ بعض کتابیں ایسی بھی ہیں جو عادل و ثقہ اور ضعیف و مجروح دونوں قسموں کی تفاصیل کا مجموعہ ہیں۔ ایک اور پہلو سے بھی ان کتابوں میں فرق ہے۔ وہ یہ کہ بعض میں راویان حدیث کا علی العموم تذکرہ کیا گیا ہے اور یہ مدنظر نہیں رکھا گیا کہ ان میں حدیث کی کسی کتاب یا کتابوں کے تمام راویوں کا احاطہ ہو جائے جب کہ بعض کتابوں میں اس کا اہتمام کیا گیا ہے کہ ان میں حدیث

کی کسی ایک کتاب یا کتابوں کے تمام راویوں پر گفتگو کی جائے۔

اس موضوع پر علماء جرح و تعدیل کی تصنیفی خدمات کو اہل علم نے بلاشبہ نہایت قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا ہے۔ اور ان کے عمل کو بڑا کارنامہ قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ ان حضرات نے پہلے تمام راویوں کے تراجم یعنی حالات زندگی کا بغور جائزہ لیا اور ان کے متعلق ہونے والی جرح و تعدیل کو بلا کم و کاست بیان کر دیا ہے۔ پھر ان راویوں کے شیوخ (جن سے انہوں نے احادیث روایت کیں) اور شاگردوں (جنہوں نے ان سے روایتیں کی) کا تفصیلی تذکرہ کیا نیز یہ بھی بتایا کہ ان راویوں نے کن کن مقامات کا سفر اختیار کیا اور کب اپنے اپنے شیوخ سے ملے، اس سلسلے میں ان حضرات نے زمان و مکاں کی تحدید ایسے درست طریقے سے کی کہ اس کی مثال ملنی مشکل ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا کہ دور حاضر کی تہذیب یافتہ قومیں اس معیار کے قریب بھی نہیں پہنچ سکیں جو علمائے حدیث نے راویان حدیث کے حالات زندگی پر مشتمل موسوعات (انسائیکلوپیڈیاز) کی تصنیف میں قائم کیا تھا اور جس کے ذریعے انہوں نے راویان حدیث کے متعلق مکمل ریکارڈ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ کر لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ ذیل میں ایسی بعض کتابوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱ - امام بخاری کی کتاب التاریخ الکبیر۔ اس کتاب میں ثقہ اور ضعیف دونوں قسموں کے راویوں کا تذکرہ ہے۔

۲ - ابن ابی حاتم کی الجرح و التعدیل۔ اس میں بھی دونوں قسموں کے راویوں کا تذکرہ ہے۔ اور یہ مذکورہ بالا کتاب سے پوری طرح مشابہت رکھتی ہے۔

۳ - ابن حبان کی الثقات۔ اس کتاب میں صرف ثقہ راویوں کا تذکرہ ہے۔

۴ - ابن عدی کی الکامل فی الضعفاء جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے اس میں صرف ضعیف راویوں کا تذکرہ ہے۔

۵ - عبدالغنی مقدسی کی الکمال فی اسماء الرجال، اس کتاب میں حدیث کی چھ کتابوں (بخاری مسلم، ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ اور نسائی) کے راویوں کا تذکرہ ہے۔ اس میں ثقہ اور ضعیف دونوں قسم کے راوی آگئے ہیں۔

۶ - ذہبی کی میزان الاعتدال، یہ کتاب ضعیف اور متروک (یعنی ایسے تمام راوی جن پر جرح ہوئی اگرچہ یہ جرح قبول نہیں کی گئی) راویوں کے تذکرے کے لئے مخصوص ہے۔

۷ - ابن حجر کی تہذیب التہذیب، یہ کتاب دراصل "الکمال فی اسماء الرجال" نامی کتاب کی بہتر اور مختصر شکل ہے۔

بحث سوم

جرح و تعدیل کے مراتب

ابن ابی حاتم نے اپنی کتاب "الجرح والتعدیل" کے مقدمہ میں جرح و تعدیل کے عمل کو چار مراتب پر تقسیم کیا ہے۔ اور ان میں ہر ایک کا حکم بیان کیا ہے۔ بعد میں علماء نے جرح و تعدیل کے ان چاروں مراتب پر دو مراتب کا اور اضافہ کر دیا ہے۔ جس کے بعد اب جرح و تعدیل کا عمل چھ مراتب پر منقسم ہو گیا۔ ان کی تفصیل ذیل میں ملاحظہ کیجئے۔

۱ - تعدیل کے مراتب اور ان کے الفاظ:

ا) کسی راوی کی توثیق میں مبالغہ پر مشتمل لفظ، یا اسم تفضیل لفظ جو اَفعَل کے وزن پر آئے تعدیل کے سب سے ارفع معیار کو ظاہر کرتا ہے۔ مثلاً یوں کہا جائے فلاں شخص وہ ہے جس پر ثبت اور پختہ روی کی انتہا ہوتی ہے" یا "فلاں شخص وہ ہے جو لوگوں میں سب سے زیادہ ثقاہت کا حامل ہے"

ب) پھر توثیق کے لئے ایک یا دو صفات استعمال کر کے توثیق کو موکد بنایا جائے "ثقہ ثقہ" یا "ثقہ ثبت" (بہت ہی ثقہ یا ثقہ اور پختہ کار)

ج) اس کے بعد توثیق راوی کا درجہ ہے جس میں ایسا لفظ استعمال کیا گیا ہو جو توثیق پر دلالت کرتا تو ہو لیکن اس کی تاکید نہ ہو جیسے کہا جائے "ثقہ" یا "حجۃ" (ثقہ ہے یا حجت ہے) وغیرہ۔

د) پھر ایسے الفاظ جو راوی کی تعدیل پر دلالت کریں لیکن اس میں ضبط شامل نہ ہو مثلاً کہا جائے "صدق" (بہت سچا) یا "محلّہ الصدق" (سچائی پر قائم) یا "لا باس بہ" (اس میں کوئی خرابی نہیں) وغیرہ البتہ "لاباس بہ" کا فقرہ معین کسی راوی کے سلسلے میں استعمال کریں تو یہ فقرہ ثقہ اور پوری طرح اعتماد راوی ہی کے بارے میں استعمال کرتے ہیں۔

ھ) پھر بعض الفاظ ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں راوی کی توثیق یا تجربہ کی کوئی علامت نہیں ہوتی جیسے کوئی کہے "فلاں شیخ" (فلاں شخص عمر رسیدہ بزرگ ہے) یا "روی عنہ الناس" (اس شخص سے بہت لوگوں نے روایت کی ہے یا روایت کرتے ہیں)

و) پھر ایک ایسا طریق بیان بھی ہے جو جرح راوی کی طرف اشارہ کرنے والا ہے۔ جیسے

"فلاں صالح الحدیث" یعنی فلاں شخص روایت حدیث کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یا فلاں "یکتب حدیثہ" (فلاں شخص احادیث لکھ لیتا ہے۔)

۲ - تعدیل راوی کے ان مراتب کا حکم:

ا) مندرجہ بالا مراتب میں سے پہلے تین مراتب کے حامل راوی کی روایت قابل حجت ہو گی۔ اگرچہ ان میں سے بعض کو بعض پر فوقیت حاصل ہے۔

ب) لیکن چوتھا اور پانچواں مرتبہ ایسا ہے جس کے حامل راوی کی روایت قابل حجت نہیں، لیکن ان کی احادیث لکھ لی جائیں گی اور ازمائش کے لئے ان کا جائزہ لیا جائے گا۔ ۲۔ کہ راوی کا ضبط و حفظ کس درجہ کا ہے اگرچہ پانچویں مرتبے کا راوی چوتھے مرتبے کے راوی کے مقابلہ میں کمتر ہے۔

د) چھٹے مرتبہ والے راویوں کی روایت کو قابل حجت نہیں سمجھا جائے گا۔ لیکن ان کی روایات کو لکھ لیا جائے گا۔ اور آزمائش کے لئے ان کا جائزہ نہیں لیا جائے گا۔ اس لئے کہ ان کے عدم ضبط کا معاملہ پوری طرح واضح ہوتا ہے۔

۳ - جرح کے مراتب اور اس کے الفاظ:

ا) نرم رویہ پر دلالت کرنے والے الفاظ۔ (جرح کے سلسلے میں سب سے زیادہ نرم الفاظ ہوتے ہیں) جیسا کہ کہا جائے "فلاں لین حدیث یا فیہ مقال" (فلاں شخص حدیث میں نرم رویہ اختیار کرتا ہے) یا یہ کہا جائے (اس راوی کے متعلق باتیں کہی گئی ہیں)

ب) پھر ایسے الفاظ جن میں ناقابل حجت ہونے کی صراحت ہو۔ اس سے ملتے جلتے الفاظ ہوں، جیسے کہا جائے، "فلاں لا یحتج بہ" یا "ضعیف" یا "لہ مناکیر" (وہ قابل حجت نہیں ہے یا ضعیف ہے یا اس کی مرویات "منکر" ہیں۔

ج) پھر ایسے الفاظ جن میں زیر بحث راوی کی روایات کی عدم کتابت کی صراحت ہو جائے مثلاً "فلان لا یکتب حدیثہ" یا "لا تحل الروایہ عنہ" یا "ضعیف جداً" یا "واہ بالمرہ" (وہ تو اپنی حدیث کو لکھتا ہی نہیں) یا (اس سے روایت لینا ہی درست نہیں) یا (وہ بہت زیادہ ضعیف ہے) یا (وہ بالکل ہی کمزور ہے)

د) پھر وہ الفاظ جن کے ذریعے راوی پر جھوٹ وغیرہ تہمت لگائی جائے جیسا کہ کہا جائے "فلاں متہم بالکذب" یا "فلاں متہم بالوضع" یا "یسرق الحدیث" یا "ساقط یا متروک" یا "لیس بثقہ" (فلاں شخص پر جھوٹ کی تہمت لگی ہے) یا (وضع حدیث کا

اس پر الزام ہے) یا (حدیثیں چراتا ہے) یا (اسے نظر انداز کر دیا گیا ہے) یا یہ ثقہ نہیں ہے)۔

ھ) پھر ایسے الفاظ جو اس کے جھوٹ ہونے پر دلالت کرتے ہوں۔ جیسے "کذاب"، "دجال"، "وضاع" یا "یکذب" یا "یضع" (بہت جھوٹا) یا (بہت فریبی) یا (بڑا جعلساز) یا (جھوٹ بکتا ہے) یا جعلسازی کرتا ہے)۔

و) پھر وہ الفاظ جو اس کے جھوٹ کی عادت کی انتہا کو بیان کریں یہ صورت سب سے زیادہ بری ہے جیسا کہ کہا جائے فلان اکذب الناس یا "الیہ المنتھیٰ فی الکذب" یا "ھو رکن الکذب" (فلاں شخص سب سے بڑھ کر جھوٹ ہے) یا (فلاں کی ذات پر جھوٹ کی انتہا ہوتی ہے) یا (فلاں شخص جھوٹ کا رکن رکین ہے)

- جرح کے اُن مراتب کا حکم

ا) پہلے دو مرتبے والوں کی احادیث ناقابل حجت ہوں گی لیکن ان کی احادیث صرف اعتبار یعنی تحقیق و تفتیش اور چھان پھٹک کے لئے لکھی جائیں گی۔ اگرچہ دوسرے مرتبے والے راوی پہلے مرتبے والے راویوں سے کم درجہ کے ہوں گے۔

ب) لیکن آخری چار مراتب والے راویوں کی احادیث نہ لکھی جائیں گی اور نہ قابل حجت ہوں گی اور نہ ہی ان کا اعتبار کیا جائے گا۔

باب دوم

۱۔ علوم الحدیث ص ۹۶ مختصراً

۲۔ ایسے راویوں کے ضبط و حفظ کی اس طرح آزمائش کی جائے گی کہ ان کی روایت کو ثقہ راویوں کی روایت پر پرکھا جائے گا اگر موافقت ہوگی تو ان روایات کو بطور استدلال پیش کیا جائے گا ورنہ نہیں۔ اس تشریح سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جس راوی کے "صدوق" کا لفظ استعمال ہو اس کی روایت کو آزمائش سے پہلے قابل حجت تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ اس لئے جس کا یہ گمان ہے "صدوق" کی صفت والے راوی کی حدیث حسن ہوتی ہے وہ غلطی پر ہے۔ کیوں کہ حدیث حسن قابل حجت ہوتی ہے، یہ ائمہ جرح و تعدیل کی اصطلاح ہے۔ البتہ حافظ ابن حجر نے صدوق کے لفظ سے اپنی کتاب تقریب التہذیب میں ایک خاص اصطلاح مراد لی ہے۔ واللہ اعلم

تیسرا باب

روایت اس کے آداب، کیفیت ضبط

- فصل اول: روایت ضبط کرنے کی کیفیت اور اس کے تحمل کے طریقے۔
- فصل دوم: روایت کے آداب۔

فصل اول

ضبط روایت کی کیفیت اور اس کے تحمل کے طریقے۔

- بحث اول: حدیث سننے کی کیفیت، اس کا تحمل اور اس کے ضبط کی صورت۔
- بحث دوم: تحمل کے طریقے اور ادائیگی کے الفاظ۔
- بحث سوم: تحریر حدیث، اس کا ضبط اور اس پر تصنیف۔
- بحث چہارم: روایت حدیث کی صورت۔

بحث اول:

حدیث سننے کی کیفیت، اس کا تحمل اور اس کے ضبط کی صورت۔

۱ - تمہید:

کیفیت سماع حدیث سے مراد یہ ہے کہ جو شخص شیوخ سے سماع کرنا چاہتا ہے اس میں کن کن شرائط اور موزوں چیزوں کا ہونا ضروری ہے تاکہ وہ اچھی طرح تیار ہو کر اپنے شیخ سے سنے پھر اس کی روایت کو اپنے علاوہ کسی موزوں آدمی تک پہنچائے مثلاً ایک خاص عمر کے ہونے کی وجوبی یا استحبابی شرط۔

تحمل حدیث سے مراد: شیوخ سے حدیث حاصل کرنے کے طریقوں کا بیان ہے۔

ضبط سے مراد: ایک طالب حدیث اپنے شیخ سے حاصل کردہ حدیث کو ایسے طریقہ سے محفوظ کرے جس کے ذریعے اسے پورے اطمینان کے ساتھ ایسی صورت میں جسے اس نے حاصل کیا تھا دوسرے تک پہنچا سکے۔

اصول حدیث کے علماء نے علوم حدیث کی اس شاخ کی طرف پوری توجہ دی ہے چنانچہ انہوں نے نہایت عرق ریزی اور باریک بینی کے ساتھ اس کے قواعد و شرائط وضع کر کے تحمل حدیث کے طریقوں کے مراتب و امتیازات قائم کر دیئے ہیں۔ ان میں سے بعض مراتب دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہیں۔ اور یہ اہتمام و انصرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی اہمیت و عظمت کے پیش نظر کیا گیا ہے۔ تاکہ ایک شخص سے دوسرے تک انتقال حدیث نہایت حفاظت و احتیاط کے ساتھ ہو سکے۔ اور ہر مسلمان کو ان واسطوں پر پورا اطمینان ہو جن سے ہو کر حدیث اس تک پہنچی ہے اور اسے ان کے متعلق یہ یقین ہو جائے کہ واسطے انتہائی محفوظ اور دقیقہ رسی پر مبنی ہیں۔

۲ - کیا تحمل حدیث کے لئے اسلام اور بلوغ شرط ہے؟

صحیح روایت کے مطابق تحمل کے لئے اسلام و بلوغ کی شرط نہیں ہے البتہ دوسروں تک پہنچانے کے لئے ان دونوں باتوں کی شرط ہے[1] جیسا کہ شرائط راوی کی بحث میں پہلے گزر چکا ہے اسی بنا پر ایسے مسلمان بالغ کی روایت لے لی جائے گی جس نے اسلام لانے اور بالغ ہونے سے پہلے کوئی حدیث سنی ہو۔ اور اسلام لانے اور بالغ ہونے کے بعد کسی کو سنائی ہو۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ بالغ ہونے سے قبل وہ سن شعور و تمیز کو ضرور پہنچ چکا ہو۔

بعض کا خیال یہ بھی ہے کہ تحمل کے لئے بھی بلوغ ضروری شرط ہے۔ لیکن یہ قول درست نہیں ہے اس لئے کہ مسلمانوں نے کم عمر صحابہ مثلاً حضرت حسنؓ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کی روایت کردہ احادیث کو قبول کر لیا ہے اور یہ فرق روا نہیں رکھا کہ ان میں سے کون سی احادیث بلوغ سے پہلے کی ہیں اور کون سی بعد کی۔

۳ - کس عمر میں سماع حدیث شروع کرنا مستحب ہے؟

ا) ایک رائے یہ ہے کہ سماع حدیث کی ابتداء تیس برس کی عمر میں مستحسن ہے۔ اہل شام کی یہی رائے ہے۔

ب) ایک رائے یہ ہے کہ بیس برس کی عمر میں مستحسن ہے۔ اسی پر اہل کوفہ نے اتفاق کیا ہے۔

ج) ایک رائے یہ بھی ہے کہ بیس برس کی عمر میں سماع حدیث کیا جا سکتا ہے۔ اہل بصرہ کی رائے یہی ہے۔

د) بعد کے ادوار میں درست بات یہ ہوئی کہ سماع حدیث کی ابتداء سماع کے قابل ہوتے ہی جلد کر دی جاتی اس لئے تمام احادیث ضبط تحریر میں آ چکی تھیں۔

۴ - کیا نابالغ کے سماع کے لئے عمر کا کوئی تعین ہے؟

ا) بعض علماء نے نابالغ کے سماع کے لئے عمر کی حد کم از کم پانچ برس مقرر کی ہے۔ اور اسی پر اصحاب حدیث کا تعامل ہے۔

ب) بعض کے خیال کے مطابق درست بات یہ ہے کہ شعور و تمیز کا لحاظ رکھا جائے، اگر اس میں صلاحیت ہے کہ جب اسے مخاطب کیا جائے تو بات سمجھ سکے اور اس کا جواب بھی دے سکے تو اسی صورت میں اسے صاحب شعور تسلیم کر لیا جائے گا۔ اور اس کا سماع درست قرار دیا جائے گا ورنہ نہیں۔

بحث دوم

تحمل حدیث کے طریقے اور ادائے حدیث کے الفاظ۔

تحمل حدیث کے آٹھ طریقے ہیں:

۱ - شیخ کے الفاظ میں سماع

۲ - شیخ کے سامنے قرات

۳ ۔ اجازت

۴ ۔ مناولت

۵ ۔ کتابت

۶ ۔ اعلام

۷ ۔ وصیت

۸ ۔ وجادۃ

ذیل میں ان میں سے ہر طریقے کی بالترتیب مختصر وضاحت کی جائے گی۔ اور ساتھ ہی ساتھ ادائے حدیث کے الفاظ بھی بالاختصار بیان کئے جائیں گے

۱ - شیخ کے الفاظ میں سماع:

ا) اس کی صورت یہ ہوگی کہ شیخ پڑھتا جائے اور شاگرد سنتا چلا جائے شیخ خواہ زبانی پڑھتا جائے یا کتاب دیکھ کر سنائے طالب علم بھی سن سن کر لکھتا جائے یا صرف سنتا ہی چلا جائے اور کچھ نہ لکھے۔

ب) سماع کا درجہ: جمہور کے نزدیک تحمل کے طریقوں میں سے سماع سب سے بہتر طریقہ ہے۔

ج) الفاظ اداء:

۱۔ طرق تحمل کی ہر قسم کے لئے علیحدہ علیحدہ الفاظ کی تخصیص کے رواج سے قبل الفاظ شیخ کے سامنے سامع کے لئے جائز تھا کہ وہ ان الفاظ کو اداء کرتے وقت کہے سمعت (میں نے سنا) یا حدثنی (مجھ سے شیخ نے بیان کیا) یا اخبرنی یا انبانی (مجھ کو خبر دی) یا قال لی (مجھ سے کیا) یا ذکر لی (مجھ سے ذکر کیا)۔

۲ - لیکن طرق تحمل میں سے ہر قسم کے لئے علیحدہ علیحدہ الفاظ کی تخصیص کے رواج کے بعد اداء کے لئے حسب ذیل الفاظ قرار پائے۔

سماع کے لئے: سمعت: یا حدثنی (میں نے سنا) یا (مجھ سے بیان کیا)۔

قراءت کے لئے: اخبرنی (مجھے کو خبر دی)۔

اجازت کے لئے: انبانی (مجھے خبر سنائی)

مذاکرہ سننے کے لئے: قال لی (مجھ سے کیا) یا ذکر لی (مجھ سے ذکر کیا)۔

۲ - شیخ کے سامنے قراءت:

اس طریقے کو اکثر محدثین ,عرض، کا نام دیتے ہیں۔

ا) اس کی صورت: اس کی صورت یہ ہے کہ طالب علم پڑھتا جائے اور شیخ سنتا چلا جائے[سے] خواہ طالب علم قراءت کرے یا کوئی دوسرا شخص اور یہ سنتا رہے۔ اور خواہ قراءت اپنی یاد کی بنا پر یا اس کی کتاب دیکھ کر۔ اور خواہ قراءت کرنے والے طالب علم کی قراءت زبانی سنتا رہے یا اپنی کتاب خود کھول کر سنے یا کوئی اور قابل اعتماد شخص کتاب کھول رکھے۔

ب) شیخ کے سامنے قراءت کی روایت کا حکم: قراءۃ علی الشیخ کے طریق پر جو روایت ہو گی جملہ مذکورہ صورتوں میں بالاتفاق روایت ہو گی، البتہ بعض متشددین کو اس سے اتفاق نہیں ہے۔

ج) ایسی روایت کا درجہ: اس روایت کے درجے کے بارے میں قول ہیں۔

ا - یہ سماع کے مساوی ہے: امام مالک اور امام بخاری اور اکثر علماء حجاز اور کوفہ سے یہی مروی ہے۔

۲ - یہ سماع سے درجہ میں کچھ کم ہے: جمہور اہل مشرق سے یہی مروی ہے اور یہی صحیح ہے۔

۳ - اس کا درجہ سماع سے اعلیٰ ہے: امام ابو حنیفہ اور ابن ابی ذئب سے یہی مروی ہے امام مالک سے بھی ایک روایت یہی ہے۔

د) اداء حدیث کے الفاظ:

ا - سب سے زیادہ محتاط الفاظ: "قراءت علی فلاں" (فلاں کے سامنے میں نے پڑھا) یا "قرء علیہ و انا اسمع فاقر بہ" (شیخ کے سامنے پڑھا گیا اور میں سن رہا تھا پھر شیخ نے اس کی توثیق کر دی)۔

۲ - ایسے الفاظ جن کا اطلاق جائز ہے: اس کی صورت یہ ہے کہ سماع پر عدالت کرنے والا قراءت کے لفظ کے ساتھ مقید کر دیا جائے مثلاً "حدثنا قراۃ علیہ (شیخ نے ہم سے اس صورت میں حدیث بیان کی کہ یہ حدیث اس کے سامنے پڑھی گئی)۔

۳ - ایک اور مشہور لفظ جس پر بیشتر محدثین کا عمل ہے: اور وہ لفظ ہے "اخبرنا" (شیخ نے ہمیں خبر دی)۔ اور اس کے سوا اور کسی لفظ کا اطلاق نہ ہو۔

۳ - الاجازۃ (اجازت دینا).

ا) اس کی تعریف: زبانی یا تحریری طور پر روایت کی اجازت دینا۔

ب) اس کی صورت: اس کی صورت یہ ہے کہ شیخ اپنے کسی تلمیذ سے کہے کہ "اجزت لک ان تروی عنی صحیح البخاری" (میں نے تمہیں اس بات کی اجازت دی ہے کہ تم میری طرف سے صحیح بخاری کی روایت کرو)۔

ج) اجازت کی قسمیں: اجازت کی بہت سی اقسام ہیں جن میں سے صرف پانچ کا ذکر آپ کے سامنے کیا جائے گا۔

۱ - یہ کہ شیخ معین شخص کو معین احادیث کی روایت کی اجازت دے۔ مثلاً شیخ یہ کہے "اجزتک صحیح البخاری" (میں نے تم کو صحیح بخاری روایت کرنے کی اجازت دے دی) یہ قسم اجازت کی اقسام ہیں جو مناولت سے خالی ہوں سب سے اعلیٰ ہے (مناولت کی تعریف و تشریح آگے آرہی ہے۔)

۲ - یہ کہ اجازت تو معین شخص کو دی جائے لیکن جن احادیث کی اجازت دی جائے وہ غیر معین ہوں۔ مثلاً شیخ یوں کہے "اجزتک روایہ مسموعاتی (میں نے تم کو مسموعات کی روایت کی اجازت دے دی)۔

۳ - غیر معین اشخاص کو غیر معین احادیث کی روایت کی اجازت مثلاً شیخ یہ کہے "اجزت اصل زمانی روایہ مسموعاتی" (میں نے اپنے ہم زمانہ لوگوں کو اپنی مسموعات روایت کرنے کی اجازت دے دی)۔

۴ - نامعلوم احادیث کی نامعلوم شخص کو روایت کی اجازت مثلاً شیخ یوں کہے: "اجزتک کتاب السنن" (میں نے تم کو کتاب السنن کی اجازت دے دی) جب کہ شیخ سنن کی کئی کتابوں کی روایت کرتا ہو۔ یا یہ کہے "اجزت محمد بن خالد الدمشقی" (میں نے محمد بن خالد دمشقی کو اجازت دے دی) جب کہ اس نام کے متعدد افراد ہوں)

۵ - ایسے شخص کو روایت کی اجازت جس کا ابھی وجود نہ ہو۔ یعنی معدوم ہو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو اسے یعنی معدوم کو روایت کی اجازت کسی موجود کو ملنے والی اجازت کے ضمن میں دے دی جائے مثلاً یوں کہے "اجزت لفلان ولمن یولد لہ" (میں نے فلاں کو اور اس کے ہاں آئندہ پیدا ہونے والی اولاد کو اجازت دے دی) یا اسے یہ اجازت ضمناً نہیں بلکہ اصلاً دے دی

جائے مثلاً یوں کہے "اجزت لمن یولد لفلان" (میں نے فلاں کی جو اولاد ہوگی اس کو اجازت دے دی)۔

و) "اجازت" کا حکم نامہ:

اس کی پہلی قسم کے متعلق صحیح رائے جس سے جمہور علماء کو اتفاق ہے اور جس پر ان کا عمل یہ ہے کہ اس کی روایت اور اس پر عمل دونوں جائز ہیں۔ البتہ علماء کی بعض جماعتوں نے اسے باطل قرار دیا ہے۔ امام شافعی سے ایک روایت بھی یہی ہے۔

باقی اقسام اجازت کے جواز میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔ بہر حال حدیث کے تحمل و روایت کا یہ طریقہ (طریقہ اجازت) بڑا ہی کمزور ہے۔ اس میں ہرگز تساہل برتنا نہیں چاہئے۔

ھ) طریقہ اجازت میں ادائے حدیث کے الفاظ:

۱ - سب سے بہتر الفاظ: "اجازلی فلان" (مجھے فلاں شیخ نے اجازت دے دی)۔

۲ - جواز کے الفاظ: سماع یا قراءت پر دلالت کرنے والے الفاظ کو اجازت کے لفظ کے ساتھ مقید کر دیا جائے مثلاً یوں کہے "حدثنا اجازۃ" یا "اخبرنا اجازۃ" (شیخ نے ہمیں طریقہ اجازت کی صورت میں حدیث بیان کی) یا (ہمیں طریقہ اجازت کی صورت میں خبر دی)۔

۳ - متاخرین کی اصلاح: لفظ "انبانا" (ہمیں خبر دی) جس کو کتاب الوجازۃ" کے مصنف نے اختیار کیا ہے۔[1]

۴ - المناولۃ (حوالے کر دینا):

ا) اقسام: مناولت کی دو انواع ہیں:

۱ - مناولت مع اجازت: اجازت کی سب سے اونچی قسم یہی ہے اس کی صورت یہ ہے کہ شیخ اپنے تلمیذ کو اپنی کتاب ہی دے دے اور اس سے کہہ دے کہ "فلاں شیخ سے یہ میری روایت ہے اب تم مجھ سے اس کو روایت کرتے رہو" پھر شیخ اپنی یہ کتاب اس شاگرد کی ملکیت میں رہنے دے یا اسے اس کی نقل حاصل کرنے کے لئے عاریۃً دے دے۔

۲ - مناولت بغیر اجازت: اس کی صورت یہ ہے کہ شیخ اپنی کتاب شاگرد کو دے دے کہ "ہذا سماعی" (یہ ہے میرا سماع) یعنی اس کتاب میں جس قدر روایتیں ہیں وہ اس نے اپنے شیخ سے سنی ہیں۔

ب) مناولت کی صورت میں روایت کا حکم:

۱ - جو مناولت مع اجازت ہو اس کی آگے روایت درست ہے اس کا درجہ شیخ کے سامنے پڑھ کر سنانے اور سننے سے کم تر ہے۔

۲ - لیکن جو مناولت مع اجازت نہ ہو اس کے متعلق یہ قول ہے کہ اس کی آگے روایت درست نہیں ہے۔

ج) الفاظ اداء:

۱ - الاحسن (سب سے بہتر) یہ کہ شاگرد کہے "ناولنی" یا "ناولنی و اجازلی" (شیخ نے یہ میرے حوالے کی) یا (شیخ نے یہ میرے حوالے کر کے مجھے اس کی اجازت دی) یہ دوسرا فقرہ شاگرد اس وقت کہے گا جب اسے "مناولت" کے ساتھ اجازت بھی حاصل ہو۔

۲ - جواز کے الفاظ: سماع یا قراءت پر دلالت کرنے والے الفاظ بشرطیکہ یہ الفاظ "حدثنا مناولۃ" یا "اخبرنا مناولۃ و اجازۃ" کے ساتھ مقید ہوں یعنی (شیخ نے ہم سے مناولت کی صورت میں حدیث بیان کی) یا (شیخ نے ہمیں مناولت مع اجازت کی صورت میں خبر دی)۔

۵ - کتابت (لکھ لینا):

ا) اس کی صورت یہ ہے کہ شیخ اپنی سنی ہوئی روایت کو خود ہی لکھ کر یا اپنے حکم سے لکھوا کر موجودہ شاگردوں کو دے دے یا غیر موجود شاگردوں کو بھیج دے۔

ب) اس کی اقسام: اس کی بھی دو قسمیں ہیں:

۱ - کتابت مع اجازت: مثلاً یہ کہہ دے "اجزتک ما کتابت لک اوالیک و نحو ذلک" (میں نے جو کچھ لکھ کر تمہیں دیا ہے یا تمہاری طرف بھیجا ہے اس کو روایت کرنے کی تم کو اجازت ہے)

۲ - کتابت بغیر اجازت: مثلاً شیخ اپنے شاگرد کو جو کچھ احادیث لکھ کر اسے بھیج دے لیکن روایت کرنے کی اجازت نہ دے۔

ج) تحریری شکل میں دی ہوئی احادیث کی روایت کا حکم:

۱ - کتابت میں اجازت کا حکم یہ ہے کہ ان کو روایت کرنا درست ہے۔ اور یہ صورت اپنی صحت و قوت میں مناولت مع اجازت کے برابر ہیں۔

٢ - کتابت بغیر اجازت کا حکم: یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے ایسی احادیث کو روایت کرنے سے منع کیا ہے۔ اور کچھ نے روایت کرنے کی اجازت بھی دی ہے اصحاب حدیث کی نظر میں روایت کا جواز زیادہ صحیح ہے۔ کیونکہ اس سے اجازت کا مفہوم خود بخود نکلتا ہے۔

د) کیا تحریر کی تصدیق کے لئے گواہی کی شرط ضروری ہے؟

١ - بعض نے تحریر کے لئے گواہی کی شرط کو ضروری قرار دیا ہے ان کا کہنا ہے کہ ایک تحریر دوسری کے مشابہ ہوتی ہے اس لئے اس بات کے تعین کے لئے کہ یہ مکتوب کس کا ہے گواہی ضروری ہے لیکن یہ قول ضعیف قول ہے۔

٢ - بعض دیگر حضرات کے قول کے مطابق صرف اتنا کافی ہے کہ مکتوب الیہ کاتب کی تحریر پہچانتا ہو۔ کیونکہ عموماً ایک انسان کی تحریر دوسرے انسان سے مختلف ہوتی ہے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے۔

ھ) الفاظ اداء:

١ - لفظ کتابت کی تشریح: جیسا کہ کوئی کہے "کتب الی فلان" (میری طرف سے فلاں نے لکھا تھا)۔

٢ - یا سماع اور قراءت پر دلالت کرنے والے الفاظ جو کتابت کے لفظ کے ساتھ مقید ہوں مثلاً کوئی یہ کہے "حدثنی فلان کتابۃ" (مجھ سے فلاں نے تحریری شکل میں بیان کیا) یا "اخبرنی کتابۃ" (مجھے تحریری صورت میں خبر دی)۔

٦ - الاعلام (مطلع کرنا):

ا) اس کی صورت یہ ہے کہ شیخ اپنے تلمیذ کو مطلع کرے کہ یہ حدیث یا یہ کتاب میں نے اپنے شیخ سے سنی ہے۔

ب) اس کی روایت کا حکم: اعلام کی صورت میں حاصل شدہ احادیث کی آگے روایت کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔

١ - روایت کا جواز: بہت سے اصحاب حدیث، فقہ اور اصول ایسی روایت کے جواز کے قائل ہیں۔

٢ - عدم جواز: بہت سے محدثین اور فقہا عدم جواز کے قائل ہیں۔ اور بظاہر یہی رائے صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ شیخ جانتا ہے کہ یہ حدیث اس

کی روایت ہے لیکن کسی خاص نقص کے باعث وہ مناسب نہیں سمجھتا کہ اس کی روایت آگے جائے۔ البتہ اگر وہ خود روایت کی اجازت دے دے تو اس صورت میں روایت آگے درست ہو جائے گی۔

ح) الفاظ اداء:
راوی اس روایت کو آگے پہنچاتے وقت یہ کہے گا "اعلمنی شیخی بکذا": (میرے شیخ نے مجھے یہ حدیث اس طرح بتائی ہے)۔

۷ - وصیت: (وصیت کرنا):

ا) اس کی صورت یہ ہے شیخ اپنی وفات یا سفر کے وقت اپنے تلمیذ سے اپنی روایت کردہ کتاب کے بارے میں وصیت کر دے۔

ب) وصیت کی شکل میں حاصل شدہ احادیث کی روایت کا حکم:

۱ - جواز: بعض سلف کے ہاں جائز ہے مگر یہ غلط ہے، اس لئے کہ اس نے اس کتاب کی وصیت کی ہے روایت کی وصیت نہیں کی۔

۲ - عدم جواز: فی الحقیقت یہی بات درست ہے۔

ح) الفاظ اداء:
راوی کہتے ہیں "اوصی الی فلان بکذا" (فلاں نے مجھے یہ وصیت کی) یا "حدثی فلان وصیتہ" (فلاں شخص نے مجھ سے وصیت کی صورت میں یہ حدیث بیان کی)

۸ - الوجادۃ (پالینا):

ا) واو کے کسرہ کے ساتھ وجد کا مصدر ہے یہ مصدر مولد ہے یعنی عربی زبان کے قواعد سے ہٹ کر بن گیا ہے اور عرب لوگوں سے سننے میں نہیں آیا۔

ب) اس کی صورت: صورت اس کی یوں ہے کہ طالب حدیث کو کسی شیخ کے قلم سے لکھی ہوئی احادیث مل جائیں جنہیں شیخ روایت کرتا ہو۔ طالب حدیث کو یہ بات معلوم ہو مگر اس نے شیخ سے نہ سماع کیا ہو نہ اجازت حاصل کی ہو۔

ج) اس کی روایت کا حکم: یہ منقطع کے حکم میں ہے۔ اگرچہ اس میں ایک پہلو اتصال کا بھی ہے۔

د) الفاظ اداء: ایسی روایت کو پانے والا آگے روایت کرتے وقت یہ کہے "وجدت بخط فلاں" (میں نے یہ حدیث فلاں کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریر کی صورت میں پائی

ہے) یایوں کہے "قراءت بخط فلان کذا" (میں نے فلاں کی تحریر میں یہ پڑھا ہے) یہ کہہ کر اسناد اور متن حدیث بیان کرے۔

بحث سوم

حدیث کا لکھنا، محفوظ رکھنا اور اس پر تصنیف کرنا

۱ - کتابت حدیث کا حکم:

صحابہ اور تابعین کے دور سے ہی کتابت حدیث کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔

ا) بعض نے کتابت حدیث کو ناپسند کیا ہے جن میں ابن عمر، ابن مسعود اور زید بن ثابت وغیرہ ہیں۔

ب) بعض نے کتابت حدیث کو مباح قرار دیا ہے جن میں عبداللہ بن عمرو، انس اور عمر بن عبدالعزیز اور دیگر اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اجمعین ہیں۔

ج) پھر سب نے جواز کتابت پر اجماع کر لیا اور اختلاف ختم ہو گیا اگر احادیث کو کتابوں میں جمع نہ کر لیا جاتا تو بعد کے ادوار میں اور بالخصوص ہمارے زمانے میں یہ حدیثیں ضائع ہو جاتیں۔

۲ - حکم کتابت میں اختلاف کا سبب:

حکم کتابت میں اختلاف کا سبب یہ ہے کہ لکھنے کی اجازت اور ممانعت کے بارے میں متعارض احادیث وارد ہوئی ہیں:۔

ا) ان میں نہی کی حدیث ہے جس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لاتکتبوا عنی شیئاً الا القرآن ومن کتب عنی شیئاً غیر القرآن فلیمحہ" (مجھ سے قرآن کے سوا کوئی چیز نہ لکھو اور جس نے قرآن کے سوا مجھ سے کچھ لکھا ہے اسے مٹا دے۔)

ب) اس طرح اباحت کتابت کے لئے حدیث موجود ہے جس کی تخریج امام بخاری اور امام مسلم دونوں نے کی ہے الفاظ یہ ہیں ان رسول اللہ علیہ وسلم قال: "اکتبوا لابی شاہ" (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ ابو شاہ کے لئے لکھ دو) اس کے علاوہ بھی متعدد احادیث کتابت احادیث کی اباحت معلوم ہوتی ہیں۔ انہیں میں وہ حدیث بھی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عمرو کو کتابت کی اجازت دی تھی۔

۳ - اباحت اور نہی کی احادیث کے درمیان تطبیق:

علماء کرام نے کتابت کی نہی اور اباحت کے درمیان متعدد طریقوں سے تطبیق پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

ا) بعض نے کہا ہے کہ لکھنے کی اجازت اسے ہے جس پر نسیان کا غلبہ ہو۔ اور حدیث بھول جانے کا اندیشہ ہو۔ اور نہی اس کے لئے ہے جس کو نسیان کا اندیشہ نہ ہو بلکہ یہ اندیشہ ہو کہ اگر وہ لکھ لے تو یاد رکھنے سے گریز کرے ۔ اور تحریر کا ہی سہارا لے لے

ب) بعض نے کہا ہے کہ حدیث لکھنے کی ممانعت اس وقت آئی جب اس بات کا خطرہ تھا کہ کہیں یہ جہاں قرآنی آیات لکھنے سے کے ساتھ گڈمڈ نہ ہو جائیں پھر جب یہ اندیشہ جاتا رہا تو لکھنے کی اجازت دے دی گئی اور اس بنا پر کتابت سے ممانعت کی حدیث منسوخ ہو گئی۔

۴ - کاتب حدیث پر کیا ذمہ داری عاید ہوتی ہے؟

کاتب حدیث کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی تمام تر توجہ حدیث کے الفاظ کی شکلوں اور نقطوں کو اس طریقے سے ضبط تحریر میں لانے کی طرف مبذول کر دے جس سے التباس کی کوئی گنجائش نہ باقی رہے پیچیدہ الفاظ خاص طور پر اعلام یعنی شخصی ناموں کی حرکات (زیر، زبر، پیش) کی صراحت کرے اس لئے کہ شخصی ناموں کا اندازہ نہ ماقبل کی عبارت سے لگایا جا سکتا ہے اور نہ ہی مابعد کی عبارت سے۔ اس کا رسم الخط معروف قواعد کے مطابق واضح ہونا چاہئے نیز وہ اپنی طرف سے اس سلسلے میں کوئی ایسی اصطلاح تو مقرر نہ کر لے جس کے اشارے کو لوگ نہ سمجھ سکیں کیونکہ یہ بھی ضروری ہے کہ جہاں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو وہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور لکھے اور اس کے بار بار تکرار سے نہ اکتائے اور اس کی پابندی نہ کرے کہ اگر اصل میں نہیں ہے تو وہ بھی نہ لکھے بلکہ اس کمی کو پورا کر دے جیسا کہ اسم ذات کے ساتھ عزوجل اور تعالیٰ وغیرہ کے الفاظ ہیں اسی طرح صحابہ کرام کے لئے رضی اللہ عنہ اور علماء کے لئے رحمتہ اللہ کے کلمات کا ذکر بھی ضرور کرے صرف درود یا صرف سلام پر اقتصار کر لینا درست بات نہیں ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نام کے ساتھ صرف "ص" یا "صلعم" کے اشارے لکھنا مکروہ ہے بلکہ ہر بار نام کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم کو کامل طور پر لکھ دینا چاہئے۔

۵۔۔۔۔۔ مقابلہ اور اس کی کیفیت :

کاتب حدیث پر لازم ہے کہ کتابت سے فارغ ہونے کے بعد اپنے مسودہ کا اپنے شیخ کے اصل نسخے سے مقابلہ کر کے یہ اطمینان کر لے کہ نقل مطابق اصل ہے، اگرچہ اسے شیخ سے یہ اصل بطریق اجازت کیوں نہ حاصل ہوئی ہو، اور مقابلہ کا طریقہ یہ ہے، کہ سننے سنانے کے دوران طالب حدیث اور اس کا شیخ اپنے اپنے مکتوبات اپنے اپنے ہاتھ میں رکھیں اور تحریر ملاتے جائیں، یہ بھی ہو سکتا ہے، کہ کوئی دوسرا قابل اعتماد شخص قرآت حدیث کے دوران یا اس کے بعد جس وقت ممکن ہو شیخ کی کتاب لے کر طالب علم کے مسودے سے اس کا مقابلہ کرے۔

۶۔۔۔۔۔ الفاظ اداء کی کتابت کی اصطلاحات :

اکثر کاتبین حدیث کا یہ معمول ہے کہ وہ الفاظ اداء کی تحریر کے لئے اشارات استعمال کرتے ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں۔

ا) حدثنا. کی بجائے "ثنا" یا "نا"

ب) اخبرنا. کی بجائے "انا" یا "ارنا"

ج) ایک اسناد سے دوسری اسناد کی طرف پلٹنے کے لئے "ح" سے اشارہ کرتے ہیں،

د) یہ بھی معمول ہے کہ سند میں مذکور تمام راویوں کے درمیان لفظ "قال" اختصار کی خاطر حذف کر دیا جاتا ہے، لیکن قاری کے لئے صحیح صورت یہی ہے کہ پڑھتے وقت کلمہ "قال" کو زبان سے ضرور ادا کر دے، مثلاً طالب حدیث پڑھتا ہے "حدثنا عبداللہ بن یوسف اخبرنا مالک" عبداللہ بن یوسف نے ہم سے حدیث بیان کی انہوں نے کہا ہمیں مالک نے خبر دی" پڑھتے وقت اخبرنا مالک سے پہلے "قال" کا لفظ لگا کر "قال اخبرنا مالک" کہنا چاہئے، اس طرح اختصار کی خاطر اسناد کے آخر میں لفظ "انہ" بھی حذف کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً یوں کہا جاتا ہے، عن ابی هريرة قال، (حضرت ابوھریرہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں) مگر قاری کے لئے موزوں بات یہی ہے کہ "انہ قال" پڑھے اس لئے کہ اعراب کے لحاظ سے کلام کی تصحیح کی خاطر پڑھنا ضروری ہے۔

۷۔۔۔۔۔ طلب حدیث میں سفر :

ہمارے سلف صالحین نے علم حدیث کی طرف بھرپور توجہ دی اور بے مثال بلند ہمتی کا مظاہرہ کیا انہوں نے احادیث کے جمع و ضبط میں اس قدر اہتمام کیا، اتنی محنت صرف کی اور اتنا وقت لگایا کہ عقل مشکل ہی سے اس کی تصدیق پر آمادہ ہوتی ہے، ایک طالب علم جب اپنے شہر کے شیوخ سے احادیث

حاصل کر کے فارغ ہو جاتا تو قریب و بعید کے دوسرے شہروں کی طرف سفر شروع کر دیتا، تاکہ ان شہروں کے محدثین سے احادیث حاصل کر سکے۔ وہ سفر کی تمام صعوبتیں اور زندگی کی تلخیاں خندہ پیشانی سے برداشت کرتا۔ خطیب بغدادی نے اس موضوع پر ایک کتاب بھی تصنیف کی ہے جس کا نام "الرحلۃ فی طلب الحدیث" رکھا ہے یعنی طلب حدیث میں سفر۔ اس میں حضرات صحابہ، تابعین اور ان سے بعد کے طالبین حدیث کے سفر کے واقعات کو جمع کیا ہے، جس کو سن کر اور مطالعہ کر کے اہل علم کو بہت خوشی ہوتی ہے۔ جو شخص ان دلچسپ واقعات کو جاننا چاہے، اسے ضرور اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ اس کتاب کا مطالعہ طالبین علم حدیث میں جوش و جذبے کی ایک لہر پیدا کر دیتا، ان کی ہمتیں بڑھا دیتا اور ان کے عزائم کو اور بلندی عطا کرتا ہے۔

۸۔۔۔ علم حدیث میں تصانیف کی قسمیں:

ہر وہ شخص جو حدیث کے موضوع پر کسی بھی پہلو سے تصنیف کی قدرت رکھتا ہے، اس پر لازم ہے، کہ تصنیف کا سلسلہ شروع کر دے، تاکہ متفرق احادیث یکجا ہو سکیں، مشکلات کی توضیح ہو جائے، غیر مرتب مضامین کو مرتب شکل دی جا سکے اور جن موضوعات کی فہرست موجود نہیں ان کی فہرست تیار کر لی جائے۔ اس کا بڑا فائدہ یہ ہو گا، کہ اہل مطالعہ کی تحقیق کے لئے کم سے کم وقت میں احادیث کی بڑی بڑی ضخیم کتب سے استفادہ کرنا آسان ہو جائے گا، علم حدیث کے موضوع پر لکھی گئی کسی کتاب کو شائع کرنے سے اس وقت تک گریز کرنا چاہئے، جب تک کتاب کی ترتیب و تہذیب بہت بہتر نہ ہو جائے، اور اس کام کے لئے کتاب بھی ایسی منتخب کرنی چاہئے جس سے نفع اور فائدے کی بہت زیادہ توقع ہو، علماء نے علم حدیث کے موضوع پر متنوع قسم کی کتابیں لکھی ہیں۔ ذیل میں ان کی مشہور اقسام بیان کی جاتی ہیں:۔

ا) الجوامع: الجوامع ہر وہ کتاب ہے جس میں مولف عقائد، عبادات، معاملات، سیرت و مناقب، پند و موعظت، "فتن" اور احوال قیامت کے متعلق احادیث جمع کر دے جیسے امام بخاری کی "الجامع الصحیح"۔

ب) المسانید: مسند ہر وہ کتاب ہے کہ جس میں ہر صحابی کی مرویات کو موضوع اور عنوان کا لحاظ رکھے بغیر جمع کیا جائے، جیسے "مسند امام احمد بن حنبل"۔

ج) السنن: سنن سے مراد ایسی کتابیں ہیں جنہیں فقہی ابواب پر مرتب کیا گیا ہو، تاکہ احکام شریعت کے استنباط کے لئے فقہاء ان سے استفادہ کر سکیں، یہ کتابیں الجوامع سے اس لحاظ سے مختلف ہوتی ہیں، کہ ان میں عقائد، سیرت اور مناقب وغیرہ کے ابواب نہیں ہوتے بلکہ ان کے مباحث صرف فقہی ابواب اور احادیث احکام تک محدود رہتے ہیں، جیسے "سنن ابی داؤد"۔

د) المعاجم: معجم ہر وہ کتاب ہے جس میں اس کے مولف نے اپنے شیوخ کے ناموں کی ابجدی ترتیب کے مطابق احادیث جمع کی ہوں، جیسے طبرانی کی "المعاجم الثلاثۃ" (معجم کبیر، معجم اوسط، معجم صغیر)۔

ھ) العلل: "کتب العلل" ایسی کتابوں کو کہا جاتا ہے جو معلول احادیث اور ان کی علل کے بیان پر مشتمل ہوں، جیسے ابن ابی حاتم کی "العلل" اور امام دارقطنی کی "کتاب العلل"۔

و) الاجزاء: الجزء ہر وہ چھوٹی سی کتاب ہے جس میں کسی ایک راوی کی مرویات یکجا کر دی گئی ہوں یا اس میں ایک موضوع سے متعلق تمام احادیث جمع کر دی گئی ہوں، جیسے امام بخاری کی "جزء رفع الیدین فی الصلاۃ"۔

ز) الاطراف: اطراف سے مراد ہر ایسی کتاب ہے، جس میں مصنف نے ہر حدیث کا ایک ایک ایسا ظرف یعنی حصہ جمع کر دیا گیا ہو، جس پر غور کرنے سے باقیماندہ حدیث کا مضمون سمجھ میں آ سکتا ہو، اس کے بعد ہر متن حدیث کی اسناد کا مکمل یا بعض کتابوں کے حوالے سے ذکر ہو جیسے المزی کی "تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف"۔

ح) المستدرکات: المستدرک ہر اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں مولف نے کسی دوسری کتاب پر استدراک کر کے اسی کی شرائط پر پوری اترنے والی ایسی حدیث کو جمع کیا ہو جو اس کتاب میں جمع ہونے سے رہ گئی ہوں جیسے ابو عبداللہ حاکم کی "المستدرک علی الصحیحین"۔

ط) المستخرجات: المستخرج ہر وہ کتاب ہے جس میں مولف نے کسی دوسرے مولف کی کتاب کی احادیث کی تخریج کی ہو، اور یہ تخریج مولف اول کی تخریج سے علاوہ ہو، البتہ یہ ممکن ہے کہ کسی ایک کے شیخ پر یا اوپر کسی راوی پر دونوں کا اجتماع بھی ہو جائے، جیسے ابو نعیم اصفہانی کی "المستخرج علی الصحیحین"

بحث چہارم

روایت حدیث کی صفت[۱]

۱ - اس نام سے مراد:

اس عنوان سے مراد اس کیفیت و آداب کا بیان ہے جن کے ساتھ متصف ہو کر روایت بیان کی جاتی ہے، گذشتہ مباحث میں اس عنوان سے متعلق کچھ چیزیں بیان ہو گئی ہیں، جو باقی رہ گئی تھیں وہ اس بحث میں بیان ہو جائیں گی۔

۲ - اگر راوی کو روایت یاد نہ ہو تو کیا اپنی کتاب سے اس کی یہ روایت جائز ہو گی؟

یہ ایسا معاملہ ہے، جس میں علماء کا اختلاف ہے، بعض نے افراط کی حد تک اس میں شدت اختیار کی ہے۔ اور بعض نے ایسا نرم رویہ اختیار کیا کہ جس میں تفریط ہو گئی اور بعض کا رویہ توسط و اعتدال کا ہے۔

ا) متشدّدین نے یہ کہا ہے، کہ جب تک راوی اپنے حفظ سے روایت نہ کرے، اس کی روایت حجت نہیں ہو سکتی، امام مالک، امام ابو حنیفہ اور ابو بکر صیدلانی شافعی سے یہی قول منقول ہے۔

ب) سہولت پسند نرم رویہ رکھنے والے، ایسے لوگ ہیں، جنھوں نے اصل نسخوں سے تقابل کئے بغیر صرف نقول سے روایات لے لی ہیں، مثلاً ابن لھیعہ وغیرہ،

ج) اعتدال و توسط پسند: زیادہ تعداد ان لوگوں کی ہے، ان کی رائے ہے کہ اگر راوی نے روایت کے تحمل اور اصل نسخوں سے تقابل کی شرطیں پوری کر لی ہیں تو کتاب سے روایت جائز ہو گی، اگرچہ کتاب اس کے پاس سے غائب ہو گئی ہو، بشرطیکہ اس کا غالب خیال یہ ہو، کہ کتاب تغیر و تبدل سے محفوظ ہے، خاص طور پر اگر وہ شخص ایسا ہو جس کی نظروں سے تغیر و تبدل پوشیدہ نہ رہ سکتا ہو۔

۳ - ایسے نابینا کی روایت کا حکم جسے سنی ہوئی روایات یاد نہ ہوں

کسی ایسے نابینا نے جو سن کر یاد نہ رکھتا ہو کسی قابل اعتماد شخص کی مدد سے اپنی سنی ہوئی حدیثیں لکھوالی ہوں، انہیں محفوظ کر لیا ہو اور کتاب کی بھی پوری نگہداشت کی ہو، اور پڑھنے والے نے اسے پوری احتیاط سے پڑھ کر سنایا ہو، کہ اس کا غالب یہ ہو کہ یہ احادیث تغیر و تبدل سے بچی ہوئی ہیں تو ایسی صورت میں اکثر کے نزدیک اس کی روایت درست ہو گی اور اس کی حیثیت اس ان پڑھ نابینا کی طرح ہو گی جو حافظہ نہیں رکھتا،

۴ - حدیث کی روایت بالمعنی اور اس کی شرائط۔

حدیث کی روایت بالمعنی میں بھی سلف کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض نے اس سے منع کیا ہے اور بعض نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔

ا) حدیث، فقہ اور اصول والوں کے ایک گروہ نے روایت بالمعنی کو ممنوع قرار دیا ہے، اس گروہ میں امام ابن سیرین اور ابو بکر رازی وغیرہ شامل ہیں۔

ب) جمہور محدثین اور اصحاب فقہ و اصول کے ایک بڑے گروہ نے روایت بالمعنی کو جائز قرار دیا ہے، اس گروہ میں چاروں ائمہ فقہ بھی شامل ہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ راوی کو اداء معنی میں یقین قطعی ہو پھر جن لوگوں نے روایت بالمعنی کو جائز قرار دیا ہے انہوں نے اس کے لئے چند شرائط بھی مقرر کی ہیں۔

۱ - راوی الفاظ اور مقاصد الفاظ کا عالم ہو۔

۲ - وہ اس بات سے اچھی طرح باخبر ہو کہ ان معانی کا اثر کہاں تک پہنچے گا۔

یہ سب معاملہ "مصنفات" کے علاوہ دوسری کتابوں کا ہے، لیکن جہاں تک تصنیف شدہ کتب کا تعلق ہے، ان سے روایت بالمعنی کسی طرح جائز نہیں، اور نہ ہی ان کے الفاظ بدلے جاسکتے ہیں، خواہ یہ الفاظ اصل الفاظ کے ہم معنی کیوں نہ ہوں اس لئے کہ روایت بالمعنی کا جواز ایک ضرورت پر مبنی، کیونکہ بعض دفعہ راوی کے ذہن سے ایک آدھ لفظ غائب ہو جاتا، جس کی بناء پر اس کے ہم معنی لفظ سے روایت کر دی جاتی، لیکن جب احادیث کتابوں میں لکھی ہوئی مل جائیں تو پھر روایت بالمعنی کی ضرورت نہیں رہتی۔

روایت بالمعنی کرنے والے کے لئے مناسب بات یہ ہے، کہ حدیث روایت کرنے کے بعد یہ کہہ دیا کرے، "اوکما قال" یا "اونحوہ" یا "او شبہہ" (یا جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا) یا (اسی جیسا) یا (یا اس سے ملتا جلتا)۔

۵ - حدیث پڑھنے میں غلطی کرنا اور اس کا سبب۔

لحن فی الحدیث کا مطلب حدیث کی قراءت میں غلطی کرنا ہے، اس کے کئی اسباب ہیں،

ا) لیکن سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ نحو و لغت کا علم نہ ہو، اس لئے طالب حدیث کے لئے ضروری ہے، کہ نحو و لغت کو اچھی طرح سیکھ لے، تاکہ الفاظ اور ان کے اعراب کی غلطی سے محفوظ رہے، خطیب نے حماد بن مسلمہ سے روایت کر کے کہا ہے، کہ "اس شخص کی مثال جو طالب حدیث ہے، اور نحو و لغت نہیں جانتا، اس گدھے کی طرح ہے جس کے منہ پر توبرہ چڑھا ہو لیکن اس میں جو یا چارہ نہ ہو"[۱]

ب) کتب و صحائف سے احادیث لینا اور شیوخ سے نہ لینا:

پہلے گذر چکا ہے، کہ حدیث کے حاصل کرنے اور شیوخ سے اس کے تحمل کے متعدد طریقے ہیں، جن میں سے بعض زیادہ قوی ہیں، سب سے زیادہ قوی طریقہ یہ ہے، کہ شیخ کی زبان سے الفاظ حدیث بلاواسطہ سنے جائیں، یا شیخ کو پڑھ کر سنا دیئے جائیں، حدیث کا اشتغال رکھنے والے شخص کے لئے ضروری ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حدیث اہل علم و تحقیق کی زبان سے سنے، تاکہ لفظی غلطیوں سے محفوظ رہے، طالب حدیث کے لئے یہ مناسب نہیں، کہ کتب و صحائف سے احادیث حاصل کر کے روایت شروع کر دے، اور ان کتابوں کو اپنا شیخ تصور کر لے، ایسی صورت میں اس سے بہت زیادہ غلطیاں ہوں گی اور الفاظ بھی الٹ پلٹ جائیں گے۔ اسی وجہ سے پہلے زمانے کے علماء نے کہا ہے، کہ "قرآن کو مصحفی سے نہ سیکھو، اور حدیث کو صحفی سے نہ لو" ۸

حدیث غریب

۱ - حدیث غریب کی تعریف:

ا) لغت میں غریب اس مسافر کو کہتے ہیں، جو اپنے اقارب سے دور ہو، یہاں غریب سے مراد ایسے الفاظ ہیں، جن کے معنی مخفی ہوں، صاحب قاموس نے کہا ہے، "غرب بر وزن کرم غمض اور خفی" کے ہم معنی ہے، ۹

ب) اصول حدیث کی اصطلاح میں "غریب" اس حدیث کو کہتے ہیں، جس میں خفی المعنی الفاظ موجود ہوں، اور قلت استعمال کے باعث ان کو سمجھنے میں مشکل پیش آئے۔

۲ - اس کی اہمیت اور پیچیدگی:

یہ بڑا اہم اور مشکل فن ہے، محدثین کے لئے اس سے بے خبری ایک بڑا نقص تصور ہوتی ہے، لیکن اس میں غوطہ زنی بہت مشکل کام ہے، اس لئے اس وادی میں قدم رکھنے والے کو بہت سوچ بچار سے کام لینا چاہئے اور خدا سے ڈرتے رہنا چاہئے، کہ کہیں محض اپنے وہم و گمان کے سہارے اس کے نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے کلام کی تفسیر کا اقدام نہ کر بیٹھے۔ اسی لئے سلف صالحین ایسا قدم اٹھانے سے پہلے بہت زیادہ سوچ بچار کر لیا کرتے تھے۔

۳ - سب سے بہتر تشریح:

حدیث غریب کی سب سے بہتر تشریح یہ ہے کہ دوسری حدیث اس کی تفسیر کر دے، جیسا کہ

۱مریض کی نماز کے سلسلے میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ صل قائما فان لم تستطع فقاعداً کھڑے ہو کر نماز ادا کرو، اگر توفیق نہ ہو، تو بیٹھ کر پڑھو، فان لم تستطع فعلیٰ جنب اگر بیٹھ کر بھی نہ پڑھ سکو، تو لیٹ کر پڑھو،

حدیث میں لفظ "علی جنب" کی شرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ہوتی ہے، جس کے الفاظ ہیں "علی جنبہ الایمن مستقبل القبلۃ بوجہہٖ (دائیں کروٹ پر لیٹ کر قبلہ رو)

۴ - اس عنوان پر مشہور ترین تصانیف:

ا) غریب الحدیث مصنفہ ابو عبیدہ القاسم بن سلام

ب) النہایہ فی غریب الحدیث والاثر، یہ ابن اثیر کی تصنیف ہے اور اپنے موضوع پر بہترین کتاب ہے۔

ج) "الدر النثیر" یہ کتاب سیوطی نے لکھی ہے اور یہ النہایہ کی تلخیص ہے۔

د) "الفائق" اس کے مصنف علامہ زمخشری ہیں۔

فصل دوم

روایت کے آداب

- بحث اول: محدث کے آداب
- بحث دوم: طالب حدیث کے آداب

بحث اول

محدث کے آداب

۱ - مقدمہ:

چونکہ اشتغال بالحدیث اللہ تعالی سے قرب حاصل کرنے کے لئے اشرف و اعلیٰ عمل ہے، اس لئے ضروری ہے کہ جو شخص علم حدیث میں مشغولیت رکھتا ہو اور عوام میں اس کی اشاعت کر رہا ہو، پہلے وہ اپنے آپ کو اعلیٰ اخلاق اور پاکیزہ صفات سے آراستہ کرے، اور لوگوں کو احادیث نبوی کی جو تعلیم دے رہا ہے، اس کا وہ خود سچا نمونہ ہو، نیز دوسروں کو ان پر عمل پیرا ہونے کی نصیحت کرنے سے پہلے خود اپنی زندگی ان کے مطابق ڈھال چکا ہو۔

۲ - نمایاں صفات جن سے محدث کو متصف ہونا چاہئے یہ ہیں:

ا) نیت کی درستی اور اخلاص اور دنیوی اغراض مثلاً جاہ طلبی اور شہرت، وغیرہ سے دل کو پاک و صاف رکھے۔

ب) اس کا سب سے بڑا مقصد اشاعت حدیث اور حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے لوگوں تک اس کی تبلیغ ہو، اس خدمت پر وہ صرف اللہ تعالی سے اجر جزیل کا طلب گار ہو۔

ج) جو شخص اس سے علم و عمر میں بڑا ہو، اس کی موجودگی میں حدیث بیان نہ کرے۔

د) جب کوئی اس سے کسی ایسی حدیث کا طلب گار ہو، جس کے متعلق اسے علم ہو، کہ یہ حدیث کسی دوسرے بزرگ کے پاس ہے، تو وہ سائل کو اس بزرگ سے رجوع کرنے کی ہدایت کرے۔

ھ) وہ محض اس بنا پر کسی سے روایت حدیث میں بخل نہ کرے، جس کے متعلق وہ یہ جانتا ہو کہ اس کی نیت درست نہیں ہے اس لئے نیت درست ہو جانے کی بعد میں بھی امید ہو سکتی ہے۔

و) حدیث کی املاء اور تعلیم کے لئے مجلس منعقد کرے، بشرطیکہ درس حدیث کا وہ اپنے آپ کو اہل پاتا ہو، اس لئے کہ یہ صورت روایت حدیث کا بلند ترین درجہ ہے۔

۳ - مجلس املاء میں آنے سے پہلے جن اعمال کا کرنا مستحب ہے:

ا) وضو کرے، خوشبو لگائے، اور اپنی ڈاڑھی کو کنگھی کرے۔

ب) وقار، رعب اور وجاہت کے ساتھ بیٹھے، تاکہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تعظیم نمایاں ہو۔

ج) تمام حاضرین کی طرف متوجہ ہو، بعض کو چھوڑ کر بعض کی طرف متوجہ ہونے کا طریقہ درست نہیں۔

د) اپنی مجلس کی ابتداء اور انتہا اللہ تعالی کی حمد و ثنا اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر درود سے کرے، اور مناسب حال دعا بھی کرے۔

ھ) حاضرین کے فہم و ادراک اور سمجھ سے بالا کوئی حدیث بیان نہ کرے۔

و) املاء کے خاتمے پر طالبان حدیث کی دلچسپی اور ترغیب کے لئے لطائف و حکایات بھی بیان کرے، تاکہ ان کی تکان دور ہو جائے اور ان میں اکتاہٹ پیدا نہ ہو،

۴ - عمر کی وہ کون سی حد ہے جسے حدیث بیان کرنے کے لئے موزوں تصور کیا جاتا ہے؟

ا) ایک گروہ کا خیال ہے کہ پچاس برس دوسرے کا خیال ہے کہ چالیس برس، بعض نے اس سے کم و بیش بھی بتائی ہے۔

ب) صحیح صورت یہ ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو اس کا اہل پاتا ہو، اور شائقین حدیث اس کے پاس آنے لگ جائیں، تو اسے روایت حدیث شروع کر دینی چاہئے، عمر چاہے اس کی جو بھی ہو،

۵۔ اس موضوع پر سب سے زیادہ مشہور تصانیف:

ا) "الجامع لاخلاق الراوی و آداب السامع" مصنفہ خطیب بغدادی

ب) جامع بیان العلم وفضلہ وماینبغی فی روایہ و حملہ، مصنفہ ابن عبدالبر

بحث دوم

طالب حدیث کے آداب

۱ - مقدمہ:

طالب حدیث کے آداب سے مراد وہ اوصاف عالیہ اور اخلاق حمیدہ ہیں جن کے ساتھ اسے متصف ہونا چاہئے اور جو اس علم کے شرف کا تقاضا ہیں جسے وہ حاصل کر رہا ہے۔ یعنی علم حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان میں کچھ اوصاف تو وہ ہیں جو محدث اور طالب حدیث دونوں میں ہونے چاہئیں اور کچھ وہ ہیں جن کا تعلق صرف طالب حدیث سے ہے۔

۲ - محدث اور طالب حدیث میں مشترکہ طور پر پائے جانے والے اوصاف:

ا) تصحیح نیت اور طلب میں اللہ کے لئے اخلاص:

ب) اس بات سے پرہیز کرتے رہنا کہ دنیوی اغراض تک رسائی اس کے طلب کی غایت نہ بن جائے، ابو داؤد اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا "من تعلّم علما یبتغی بہ وجہ اللہ، لا یتعلمہ الا لیصیب بہ غرضاً من الدنیا لم یجد عرف الجنۃ یوم القیامہ" (جس شخص نے رضائے الٰہی کا ذریعہ بننے والے علم کو صرف دنیوی غرض کے حصول کے لئے سیکھا، قیامت کے دن وہ جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہے)

ج) احادیث کے سماع کے ساتھ ساتھ ان پر عمل پیرا بھی ہونا:

۲ - وہ آداب جن کا تعلق صرف طالب حدیث کی ذات سے ہے:

ا) ہمیشہ اللہ تعالی سے توفیق، سلامت روی اور راہ طلب کو آسان بنا دینے نیز فہم و ضبط حدیث میں اس کی اعانت کی دعا مانگتا رہے۔

ب) علم حدیث کی طرف ہمہ تن متوجہ رہے اور اس کی تحصیل کے لئے اپنی تمام تر کوشش بروئے کار لائے۔

ج) سماع حدیث کی ابتدا اپنے علاقے کے سب سے بڑے شیخ کے ہاں کرے جو علم و دین

اور اسناد میں سب سے زیادہ ممتاز ہو۔

د) اپنے شیخ کی بلکہ ہر عالم کی جس سے سماع حدیث کرے تعظیم و توقیر کرتا رہے، یہ بات علم حدیث کے شرف و جلال کا ایک حصہ ہی نہیں بلکہ اس سے فیض یاب ہونے کا ایک ذریعہ بھی ہے۔ ہمیشہ اپنے شیخ کی رضا جوئی کا متلاشی رہے اور اگر کبھی شیخ سے کوئی زیادتی بھی ہو جائے تو اسے خندہ پیشانی سے برداشت کرے،

ھ) اگر دوران تعلیم اسے علمی فوائد حاصل ہوں تو ان سے اپنے رفقائے درس اور طالبان حدیث کو بھی آگاہ کرے اور انہیں ان سے ہرگز نہ چھپائے اس لئے کہ علمی فوائد کو طالبان علم سے چھپانا ایسا کمینہ پن ہے جس کا راستہ صرف جاہل اور رذیل قسم کے لوگ اختیار کرتے ہیں جبکہ طلب علم کی غایت ہی اشاعت علم ہے۔

و) وہ حیا یا تکبر کی بنا پر سماع حدیث تحصیل علم اور استفادہ کرنے میں کوتاہی نہ کرے خواہ اسے ایسے شخص کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کرنا پڑیں جو اس سے عمر اور مرتبے میں کمتر ہو،

ز) وہ صرف سماع حدیث یا اس کی کتابت پر ہی قناعت نہ کرے بلکہ اس کی معرفت اور اس کا فہم بھی حاصل کرے، اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو وہ اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر بھی کچھ نہیں کر سکے گا۔

ح) سماع اور ضبط و حفظ میں صحیحین کو مقدم رکھے گا پھر سنن ابوداؤد، سنن ترمذی اور سنن نسائی کو، پھر بیہقی کی سنن کبریٰ کو اور اس کے بعد حسب ضرورت مسانید اور جوامع کو مثلاً مسند امام احمدؒ بن حنبل، موطا امام مالک وغیرہ۔ کتب علل میں دارقطنی کی العلل، اسماء الرجال میں امام بخاری کی التاریخ الکبیر، جرح و تعدیل میں ابن ابی حاتم کی الجرح و التعدیل، ضبط اسماء میں ابن ماکولا کی کتاب اور غریب حدیث میں ابن اثیر کی النهایہ کو حسب ضرورت زیر مطالعہ رکھے گا۔

باب سوم

۱۔ تحمل کا مطلب شیوخ سے حدیث اخذ کرنا ہے اور ادا سے مراد شاگردوں اور طالب علموں کو حدیث کی روایت کرنا اور ان تک پہنچانا ہے۔

۲۔ سماع مذاکرہ سماع تحدیث سے الگ چیز ہے۔ سماع تحدیث میں یہ ہوتا ہے کہ شیخ اور شاگرد دونوں مجلس تحدیث میں آنے سے قبل بیان ہونے والی احادیث کی ترتیب و ضبط کے سلسلے میں پوری طرح تیاری کرتے ہیں جب کہ سماع مذاکرہ میں اس قسم کی کوئی تیاری نہیں ہوتی

۳۔ اس سے مراد یہ ہے کہ طالب علم صرف ان احادیث کی قرأت کرے جو شیخ سے مروی ہوں، ہر قسم کی احادیث کی قرائت مراد نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ شیخ طالب علم کی زبان سے اپنی مرویات سن کر ان کی تصحیح و توثیق کر لے

۴۔ مصنف کا نام ابو العباس الولید بن بکر العمری ہے۔ اور کتاب کا پورا نام الوجازۃ فی تجویز الاجازۃ

۵۔ میں اس موضوع پر اختصار کے ساتھ بحث کروں گا۔ اس لئے کہ اس زمانے میں کتاب وغیرہ کے سلسلے میں لوگوں کے طریق کار کا علم اور ان کی تفصیلات کا تعلق اس فن کے ماہرین کے ساتھ ہے۔

۶۔ اس موضوع پر بھی میں مختصر بحث کروں گا اس لئے کہ اس کی بعض جزئیات روایت کے عمل میں ضروری تھیں۔ البتہ اس زمانے میں ان جزیات کا مطالعہ تاریخ روایت کے مطالعہ کے ضمن میں آتا ہے جو اس فن کے ماہرین کے لئے ضروری ہے۔

۷۔ تدریب الراوی جلد دوم ص ۱۰۶

۸۔ مصحفی سے مراد وہ شخص ہے جو قرآن مجید مصحف سیپاروں سے سیکھتا ہے اور قاریوں یا شیوخ سے نہیں سیکھتا صحفی سے مراد وہ شخص ہے جو احادیث صحف یعنی کتابوں سے لیتا ہے اور شیوخ سے نہیں لیتا۔

۹۔ القاموس جلد اول ص ۱۱۵

۱۰۔ بخاری شریف

۱۱۔ سنن دارقطنی

چوتھا باب

اسناد اور اس کے متعلقات

- فصل اول : لطائف اسناد کے بیان میں
- فصل دوم : راویوں کی معرفت کے بیان میں

فصل اول

لطائف اسناد

۱ - بلند وپست سند

۲ - مسلسل سند

۳ - اکابر کی اصاغر سے روایت

۴ - آباءَ کی اپنے بیٹوں سے روایت

۵ - بیٹوں کی اپنے آباء سے روایت

۶ - مدبج اور روایت اقران

۷ - سابق ولاحق

بلند و پست اسناد

- ۱ -

۱ - تمہید:

اسناد یعنی بیان سند اس امت محمدیہ کی ایک عمدہ خصوصیت ہے۔ پہلی امتوں میں سے کسی کو بھی اس طرح کی کوئی خصوصیت و فضیلت حاصل نہیں ہوئی، یہ ایک ایسی سنت ہے جس کی بڑی تاکید کی گی ہے اور جو بہت دور رس ہے۔ اس لئے مسلمانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ نقل حدیث کے باب میں اس پر اعتماد کریں۔ عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں "اسناد دین کا حصہ ہے۔ اگر بیان سند نہ ہوتا تو جس کا جو جی چاہتا کہتا" سفیان ثوری کا قول ہے "اسناد مومن کا ہتھیار ہے" جس طرح اسناد سنت ہے اسی طرح اسناد میں بلندی کی طلب بھی سنت ہے، امام احمد بن حنبل کا قول ہے "اونچی سند کی طلب سلف صالحین کی سنت ہے" یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے رفقاء کوفہ سے مدینہ کی طرف سفر کر کے حضرت عمرؓ سے حدیث کی سماع کرتے اور اس طرح اپنی سند اونچی کر لیتے۔ اسی لئے حدیث کی طلب میں سفر مستحب قرار پایا۔ متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسناد کی بلندی کے حصول کی خاطر سفر بھی کیا ہے، حضرت ابو ایوب اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما کا شمار ان ہی میں ہوتا ہے۔

۲ - تعریف:

ا) لغت کے لحاظ سے العالی مصدر علو سے اسم فاعل ہے، علو نزول کی ضد ہے اور نازل مصدر نزول سے اسم فاعل ہے۔

ب) اصطلاح

۱ - میں اسناد عالی سے مراد کسی حدیث کی وہ سند ہے جس کے رجال یعنی واسطوں کی تعداد اس دوسری سند کے رجال کی تعداد سے کم ہو جس کے ذریعے یہی حدیث زیادہ واسطوں سے منتقل ہو کر پہنچی ہو۔

۲ - اسناد سافل: کسی بھی حدیث کی وہ سند ہے جس کے رجال کی تعداد اس دوسری سند کے رجال کی تعداد سے زیادہ ہو، جس کے ذریعے یہی حدیث کم واسطوں سے منتقل ہو کر پہنچی ہو۔

۳ - علو اسناد کی اقسام:
علو اسناد کی پانچ اقسام بیان کی گئی ہیں ان میں سے ایک تو علو مطلق ہے اور باقیماندہ علو نسبتی ہیں۔

ا) حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے صحیح اور صاف ستھری سند کے ساتھ قرب علو مطلق ہے جو علو کی تمام اقسام میں سب سے جلیل القدر ہے۔

ب) ائمہ حدیث میں سے کسی امام سے قرب: اگرچہ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تک واسطوں کی تعداد زیادہ ہی کیوں نہ ہو جائے مثلاً اعمش، ابن جریج اور امام مالک وغیرھم سے قرب بشرطیکہ یہ قرب صحت و نظافت اسناد کے ساتھ ہو۔

ج) کتب ستہ یا ان کے علاوہ معتمد علیہ کتب کی روایت کے لحاظ سے قرب:
اس قرب کی مختلف صورتوں یعنی موافقت، ابدال، مساوات اور مصافحت کی طرف متاخرین نے بڑی توجہ دی ہے۔

ا - الموافقہ (موافقت): اس سے مراد ہے، کہ ایک مصنف کے شیخ تک ایسے سلسلہ روایت کے ذریعے سند پہنچائی جائے جو مصنف کے سلسلہ روایت کے علاوہ ہو اور جس میں مصنف کے مقابلے میں واسطوں کی تعداد کم ہو۔ یعنی اگر مصنف کے طریق سے حدیث کی روایت کی جاتی تو اس کے رجال یعنی واسطے زیادہ ہوتے۔

اس کی مثال:
حافظ ابن حجر نے شرح النخبہ میں اس کی مثال پیش کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ "امام بخاری نے قتیبہ کے واسطے سے امام مالک سے ایک حدیث روایت کی۔ اگر تم امام بخاری کے طریق سے اس حدیث کی روایت کرتے تو ہمارے اور قتیبہ کے درمیان آٹھ واسطے ہوتے۔ اگر ہم بعینہٖ یہی حدیث ابو العباس سراج، جو کہ امام بخاری کے ایک شیخ ہیں، کے طریق سے بواسطہ قتیبہ روایت کریں تو ہمارے اور قتیبہ کے درمیان صرف سات واسطے رہ جائیں گے۔ ایسی صورت میں امام بخاری کے ساتھ ان کے شیخ میں ہماری موافقت بھی ہو جاتی ہے اور ان کے ذریعہ سند اوپر تک لے جانے میں علو اسناد بھی حاصل ہو جاتا ہے" اھ

۲ - البدل : (بدل) اس سے مراد یہ ہے کہ ایک مصنف کے شیخ کے شیخ تک ایسے سلسلہ روایت کے ذریعے سند پہنچائی جائے جو مصنف کے سلسلہ روایت کے علاوہ ہو اور جس میں مصنف کے مقابلے میں واسطوں کی تعداد کم ہو۔ یعنی اگر مصنف کے طریق سے حدیث کی روایت کی جاتی تو اس کے رجال میں واسطے زیادہ ہوتے ابن حجر نے اس کی مثال دیتے ہوئے فرمایا: "اوپر والی مثال میں اگر یہ اسناد کسی اور طریق سے ہم سے قعنبی تک پہنچ جائے اور پھر ان کے واسطے سے امام مالک تک جا پہنچے، اس صورت میں اس طریق کے اندر قتیبہ کی بجائے قعنبی آئیں گے جو امام بخاری کے شیخ الشیخ ہیں" (یعنی قعنبی کے طریق سے روایت کرنے میں قتیبہ کے طریق سے روایت کرنے کی بہ نسبت واسطوں کی تعداد کم ہو جائے گی)

۳ - المساواۃ (مساوات) اس سے مراد یہ ہے کہ مصنف کی روایت کردہ حدیث کے سلسلہ اسناد میں واسطوں کی جتنی تعداد ہو، اس حدیث کے ایک دوسرے سلسلہ روایت میں بھی واسطوں کی اتنی تعداد ہو اور اس طرح مصنف کے طریق اور دوسرے طریق میں مساوات قائم ہو جائے۔

اس کی مثال:۔ حافظ ابن حجر نے اس کی مثال دیتے ہوئے فرمایا "امام نسائی ایک حدیث کی روایت کرتے ہیں، اس روایت میں نسائی سے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تک گیارہ واسطے ہوتے ہیں، بعینہ یہی حدیث ایک دوسرے سلسلہ سند سے مروی ہوتی ہے، اس میں بھی ابتدائی راوی سے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تک گیارہ ہی راوی ہوتے ہیں، اس طرح واسطوں کی تعداد کے لحاظ سے امام نسائی کے ساتھ مساوات قائم ہو "

۴ - المصافحہ: (مصافحہ) یہ اصطلاح بھی مساوات کے تقریباً ہم معنی ہے البتہ اس میں خصوصیت یہ ہے کہ راوی سے آخر تک اسناد میں واسطوں کی تعداد مصنف کے کسی شاگرد کی اسناد کی تعداد کے مساوی ہوتی ہے، وجہ تسمیہ بھی اس کی یہی ہے کہ بالعموم جب دو شخص آپس میں ملاقات کرتے ہیں، تو بات چیت سے پہلے وہ مصافحہ ضرور کرتے ہیں۔

د) راوی کے پہلے وفات پا جانے سے سند کو علو (بلندی) کامل ہو جاتا ہے، اس کی مثال امام نووی نے بیان کی ہے۔ وہ کہتے ہیں: "میں جس حدیث کو ایسے تین راویوں سے

روایت کروں، جنہوں نے بیہقی سے اور انہوں نے حاکم سے روایت کی ہو، تو یہ سند اس روایت کی سند سے اعلیٰ ہو گی جس میں میں ایسے تین راویوں سے روایت کروں جنہوں نے ابو بکر بن خلف سے اور انہوں نے حاکم سے روایت کی ہو، اس لئے کہ بیہقی کی وفات ابن خلف سے پہلے ہو چکی تھی"۴۔

ھ) سماع میں تقدم سے سند کو علو حاصل ہوتا ہے۔ یعنی شیخ سے سماع میں تقدم کی وجہ سے علوم اسناد حاصل ہو جاتا ہے۔ جو شخص پہلے سماع کرے گا اسے بعد میں سماع کرنے والوں کے مقابلے میں علو اسناد حاصل ہو جائے۔

اس کی مثال ملاحظہ ہو۔ ایک شیخ سے دو شخص سماعت کرتے ہیں، اور دونوں میں سے ایک کا سماع درس ساٹھ برس پہلے ہوتا ہے، اور دوسرے شخص کا چالیس برس پہلے دونوں کے رجال سند کی تعداد برابر ہے، لیکن پہلا شخص دوسرے کے مقابلے میں اعلیٰ سند کا حامل ہوگا اس کا عملی طور پر ظہور اس شخص کے حق میں ہوگا جس کا شیخ دماغی توازن کھو بیٹھے یا بڑھاپے کی وجہ سے اس کی عقل ماری جائے۔

۴ - اقسام النزول:

نزول کی اقسام پانچ ہیں، جو اضداد سے پہچانے جاتے ہیں، اس لئے علو اسناد کی اقسام میں سے ہر قسم کا ضد نزول اسناد کی ایک قسم ہوگا۔

۵ - افضلیت علو کو حاصل ہے یا نزول کو؟

ا) جمہور کی صحیح ترین رائے کے مطابق علو کو نزول پر افضلیت حاصل ہے کیونکہ اس طریق پر حدیث میں خلل کا احتمال بہت کم ہوتا ہے اور اس لحاظ سے نزول غیر پسندیدہ ہے۔ ابن مدینی کی رائے میں "نزول بہت برا ہے" یہ اس وقت ہے جس دونوں سندیں قوت میں برابر ہوں۔

ب) صرف اسی صورت میں نزول افضل ہوگا جب اسناد کے نزول سے کوئی فائدہ ہو رہا ہو جیسے اس کے رجال اسناد عالی کے رجال سے زیادہ ثقہ یا زیادہ حافظ یا زیادہ فقیہ ہوں۔

۶ - اس موضوع پر مشہور تصانیف:

اسناد عالی اور اسناد نازل کے موضوع پر مخصوص کتابیں تو نہیں پائی جاتیں البتہ علماء نے انفرادی طور پر بعض اجزاء مرتب کئے ہیں جنہیں "ثلاثیات" کا نام دیا ہے۔ جس سے مراد وہ احادیث ہیں جن میں مصنف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے درمیان صرف تین راوی ہیں۔ اس سے یہ

اشارہ بھی ملتا ہے کہ علماء اسناد عالی کے متعلق کس قدر اہتمام کرتے تھے۔ ان ثلاثیات میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔

ا) ثلاثیات البخاری مصنفہ حافظ ابن حجر

ب) ثلاثیات احمد بن حنبل

مسلسل

- ۲ -

۱ - مسلسل کی تعریف:

ا) لغت کے لحاظ سے یہ لفظ مصدر سلسلہ سے اسم مفعول ہے، اور سلسلہ ایک چیز کے دوسری چیز سے اتصال کو کہتے ہیں، اسی سے "سلسلۃ الحدید" (لوہے کی زنجیر) ہے اس کا نام "مسلسل" اس لئے رکھا گیا، کہ تماثل اور اتصال کے لحاظ سے سلسلہ یعنی زنجیر کے ساتھ اس کی مشابہت ہوتی ہے۔

ب) اصطلاح میں مسلسل اسے کہیں گے جس کی اسناد کے رجال کا ایک حالت یا صفت میں تتابع ہو، کبھی راویوں کے لحاظ سے اور کبھی روایت کے لحاظ سے۔

۲ - تعریف کی توضیح:

یعنی مسلسل اسے کہا جائے گا۔ جس کی سند کے راویوں کا تسلسل کے ساتھ:۔

ا) کسی ایک صفت میں اشتراک ہو۔

ب) کسی ایک حالت میں اشتراک ہو۔

ج) روایت کی کسی ایک صفت میں اشتراک ہو۔

۳ - اس کی انواع:

تعریف کی توضیح سے ظاہر ہوتا ہے، کہ مسلسل کی تین انواع ہیں۔

۱ - مسلسل باحوال الرواۃ

۲ - مسلسل بصفات الرواۃ

۳ - مسلسل بصفات الروایۃ ۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

ا) مسلسل باحوال الرواۃ:

۱ - رواۃ کے قولی احوال کے ساتھ مسلسل: جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل کی حدیث

ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان سے فرمایا: (یا معاذ، انی احبک، فقل فی دبر کل صلاۃ: اللھم اعنی علی ذکرک و شکرک و حسن عبادتک[۳]) اے معاذ، مجھے تم سے محبت ہے، پس تم ہر نماز کے بعد یہ پڑھا کرو. اے اللہ تو اپنے ذکر، اپنے شکر اور اچھی طرح اپنی عبادت کرنے میں میری مدد فرما۔ پس ہر راوی کی قولی حالت میں یہ کلمہ موجود ہے، "وانا احبک فقل"

۲ - رواۃ کے فعلی احوال کے ساتھ مسلسل: جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ کی حدیث ہے، فرماتے ہیں، کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے میرے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر فرمایا: "خلق اللہ الارض یوم السبت" (اللہ تعالیٰ نے زمین کو ہفتہ کے دن پیدا فرمایا) پس راویوں میں سے ہر راوی نے اس حدیث کو شیخ سے سنتے وقت تشبیک بالید کی یعنی (اپنے شیخ کے ہاتھ سے ہاتھ ملایا) [۴]

۳ - رواۃ کے قولی و فعلی دونوں اقوال کے ساتھ مسلسل: جیسا کہ حضرت انسؓ کی حدیث ہے۔

کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: لایجد العبد حلاوۃ الایمان حتی یومن بالقدر خیرہ و شرہ حلوہ و مرہ (کوئی آدمی اس وقت تک ایمان کی حلاوت نہیں محسوس کر سکتا جب تک تقدیر خواہ وہ خیر ہو یا شر اور خواہ شیریں ہو یا تلخ، پر ایمان نہ لے آئے) ارشاد فرماتے وقت آپ نے اپنا دست مبارک اپنی داڑھی پر رکھا اور ساتھ ہی فرمایا "امنت بالقدر خیرہ و شرہ حلوہ و مرہ" [۵] (میں تقدیر پر ایمان لایا خواہ وہ خیر ہو یا شر، شیریں ہو یا تلخ) اس میں تسلسل کے ساتھ ہر راوی نے اپنی داڑھی پر ہاتھ رکھا، نیز کہا: "بالقدر خیرہ و شرہ حلوہ و مرہ"

ب) رواۃ کی صفات کے ساتھ مسلسل:

رواۃ کی صفات قولی ہوں گی یا فعلی۔

۱ - رواۃ کی قولی صفات کے ساتھ مسلسل: جیسا کہ سورہ صف کی قراءۃ کے ساتھ مسلسل ہے اس میں راوی نے اپنی حدیث مسلسل کے ساتھ یہ لفظ ضرور کہا ہے "فقرا ھافلان ہکذا" (اسے فلاں نے اسی طرح پڑھا) محدث عراقی کا قول ہے "رواۃ کی قولی صفات اور قولی احوال نہ صرف باہم متقارب بلکہ متماثل ہوتے ہیں"

۲ - رواۃ کی فعلی صفات کے ساتھ مسلسل: مثلاً رواۃ کے ناموں میں

نسبت ہوتی ہے یعنی سب ہم نام ہوتے ہیں جیسا کہ "محمدین" کے ساتھ مسلسل (یعنی تمام راویوں کے نام محمد ہوں) یا ان صفات میں یکسانیت ہوتی ہے جیسا کہ فقہاء اور حفاظ کے ساتھ (یعنی تمام راوی فقہاء یا حفاظ ہوں) مسلسل، یا نسبت میں یکسانیت ہوتی ہے۔ جیسا کہ کہا جائے، "دمشقین یا مصریین" (یعنی تمام راوی (مشق یا مصر سے تعلق رکھتے ہوں)

ح) صفات روایت کے ساتھ مسلسل: روایت کی صفات کا تعلق یا صیغہ اداء کے ساتھ ہو یا زمان روایت کے ساتھ یا مکان روایت کے ساتھ۔

۱ - الفاظ اداء کے ساتھ مسلسل: مثلاً ایسی حدیث جس میں ہر راوی تسلسل کے ساتھ یہ کہے سمعت (میں نے سنا) یا اخبرنا (مجھ کو خبر دی)

۲ - زمان روایت کے ساتھ مسلسل: مثلاً وہ حدیث جس کی تسلسل کے ساتھ ہر عید کے دن روایت ہوئی ہو۔

۳ - مکان روایت کے ساتھ مسلسل: مثلاً وہ حدیث جس میں ملتزم کے اندر اجابت دعا کا تسلسل ہے۔

۴ - سب سے افضل:

وہ حدیث مسلسل ہے جو سماع میں اتصال کو ظاہر کرے اور تدلیس سے پاک ہو۔

۵ - اس کے فوائد:

حدیث مسلسل راویوں میں صفت ضبط کی زیادتی کی نشاندہی کرتی ہے۔

۶ - کیا پوری سند میں تسلسل کا وجود شرط ہے؟

پوری سند میں تسلسل کا وجود شرط نہیں ہے اس لئے کہ کبھی سند کے وسط یا آخر میں "تسلسل ٹوٹ جاتا ہے، البتہ ایسی حالت میں راوی یہ کہتے ہیں "ہذا مسلسل الا فلان" (یہ فلاں تک مسلسل ہے)

۷ - تسلسل اور صحت کے درمیان کوئی رابطہ نہیں:

بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ مسلسل اپنے تسلسل میں خلل یا ضعف سے خالی ہو، اگرچہ، اصل حدیث طریق تسلسل کے سوا دوسرے طریق سے صحیح ہوتی ہے۔

۸ - اس موضوع پر مشہور ترین تصانیف:

ا) امام سیوطی کی المسلسلات الکبریٰ، جو ۸۵ احادیث پر مشتمل ہے۔

ب) محمد عبد الباقی الایوبی کی "مناہل السلسلہ فی الاحادیث المسلسلہ" جو ۲۱۲ حدیثوں پر مشتمل ہے۔

اکابر کی اصاغر سے روایت

- ۴ -

۱ - تعریف:

ا) لغت میں "اکابر" اکبر کی اور اصاغر، اصغر کی جمع ہے یعنی بڑوں کی چھوٹوں سے روایت۔

ب) اصطلاح میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک شخص اپنے سے عمر، طبقہ اور علم و حفظ میں کم درجہ کے شخص سے روایت کرے۔

۲ - تعریف کی توضیح:

یعنی رواِی ایسے شخص سے حدیث لے کر روایت کرے جو اس سے عمر اور طبقہ میں یا علم و حفظ میں کم مرتبہ رکھتا ہو، طبقہ میں کم تر کی مثال جیسے صحابہ کی روایت تابعین سے ہو یا ایسے شخص سے لے کر روایت کرے جو اس کے مقابلے میں علم و حفظ میں کم مرتبہ رکھتا ہو، جیسا کہ ایک عالم و حافظ کا کسی شیخ سے روایت کرنا۔ اگرچہ وہ شیخ عمر میں اس سے بڑا ہو۔ البتہ ایک چیز توجہ کے لائق ہے، کہ صرف عمر اور طبقہ میں بڑائی اور تقدم، جبکہ علمی طور پر مساوات نہ ہو، یہ کہنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ کہ اکابر کی اصاغر سے روایت ہوئی، اس کی وضاحت کے لئے ذیل کی مثالوں پر غور کیجئے۔

۳ - اس کی اقسام اور مثالیں:

اکابر کی اصاغر سے روایت کی تین قسمیں کی جا سکتی ہیں۔

ا) یہ کہ راوی مروی عنہ (یعنی جس سے روایت کر رہا ہے) سے عمر میں بڑا اور طبقہ میں مقدم ہو، ساتھ ساتھ اس میں علم و حفظ بھی موجود ہو۔

ب) راوی، مروی عنہ کے مقابلہ میں قدر و منزلت میں زیادہ ہو، لیکن عمر میں کم، مثلاً کوئی حافظ و عالم کسی غیر حافظ شیخ کبیر سے روایت کرے، مثلاً امام مالک عبداللہ بن دینار سے روایت کریں۔ [۱]

ج) یہ کہ راوی عمر میں زیادہ ہو اور قدر و منزلت میں بھی اپنے مروی عنہ سے زیادہ ہو، یعنی عمر اور علم میں اس سے بڑھ کر ہو مثلاً برقانی کی خطیب بغدادی سے روایت [۲]

۴ - اصاغر سے روایت کی درج ذیل صورتیں بھی ہیں۔

ا) صحابہ کرام کی تابعین سے روایت مثلاً عبادلہ (عبداللہ بن عمرؓ عبداللہ بن

عباسؓ، عبداللہ بن مسعودؓ) وغیرہم کی کعب احبار سے روایت۔

ب) تابعی کی تبع تابعین سے روایت، مثلاً یحییٰ بن سعید انصاری کی امام مالک سے روایت۔

۵ - فوائد:

ا) یہ وہم پیدا نہ ہو سکے کہ مروی عنہ (جس سے روایت کی جا رہی ہے)۔ راوی سے افضل و اکبر ہے کیونکہ عام حالات میں مروی عنہ کی حیثیت راوی سے بڑھ کر ہوتی ہے۔

ب) یہ گمان پیدا نہ ہو سکے کہ سند میں الٹ پھیر ہو گئی ہے کیونکہ عموماً چھوٹے بڑوں سے روایت کرتے ہیں۔

۶ - اس موضوع پر مشہور ترین تصنیف:

حافظ ابو یعقوب اسحٰق بن ابراہیم الوراق المتوفی سنہ ۴۰۳ ھ کی کتاب "ما روا الکبار عن الصغار والاباء عن الابناء" ہے۔

آباء کی اپنے بیٹوں سے روایت

- ۴ -

۱ - تعریف:

"سند حدیث میں کہیں یہ بات پائی جائے کہ باپ اپنے بیٹے سے حدیث روایت کر رہا ہو"۔

۲ - اس کی مثال:

عباس بن عبدالمطلب نے اپنے بیٹے الفضل سے ایک حدیث روایت کی ہے، کہ "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جمع بین الصلاتین بالمزدلفہ" (نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مزدلفہ میں دو نمازیں اکٹھی پڑھیں)

۳ - اس کے فوائد:

یہ گمان پیدا نہ ہو سکے کہ سند میں الٹ پھیر یا غلطی ہو گئی ہے، اس لئے کہ معمول کی صورت میں یہی ہوتی ہے کہ بیٹا اپنے باپ سے روایت کرتا ہے۔ اور یہ قسم بھی اس سے پہلے بیان شدہ قسم میں سے ہے، جو علماء کرام کی تواضع اور عاجزی پر دلالت کرتی ہے، کہ وہ "علم" کے اتنے قدر دان ہیں کہ اس کو حاصل کرنے میں اس بات کی بھی پرواہ نہیں کرتے کہ جس سے وہ علم حاصل کر رہے ہیں وہ ان سے

درجہ اور عمر میں کم ہے۔

۴ - اس عنوان پر مشہور تصنیف:

خطیب بغدادی کی کتاب "روایۃ الآباء عن الابناء" ہے۔

بیٹوں کی اپنے آباء سے روایت

- ۵ -

۱ - اس کی تعریف:

سند حدیث میں ایک ایسا بیٹا پایا جائے جو صرف اپنے باپ سے روایت کر رہا ہو یا اپنے باپ سے روایت لے رہا ہو، جو اس نے بھی اپنے باپ سے لی ہو۔

۲ - اس کی اہم ترین قسم:

اس کی سب سے اہم نوع یہ ہے، کہ راوی اپنی روایت میں اپنے باپ یا دادا کا نام ذکر نہ کرے، ایسی صورت میں علماء کو ان کے نام معلوم کرنے کے لئے بحث و تمحیص کی ضرورت پیش آ جاتی ہے۔

۳ - اس کی اقسام:

اس کی دو قسمیں ہیں۔

ا) راوی کی صرف اپنے باپ سے روایت، اس میں دادا سے روایت نہ ہو۔ ایسی روایات بکثرت ہیں، مثلاً: ابو العشراء کی اپنے باپ سے روایت [۸]

ب) راوی کی روایت اپنے باپ سے آگے ان کے دادا سے یا اپنے باپ سے وہ اپنے باپ اور دادا سے وغیرہ

اس کی مثال: "روایۃ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ" عمرو بن شعیب کی روایت جو اپنے باپ سے کرتے ہیں اور پھر ان کے باپ اپنے باپ سے لے کر کرتے ہیں۔
اس عمرو کا نسب یہ ہے۔ عمرو بن شعیب بن محمد بن عبداللہ بن عمرو بن العاصی، اس میں عمرو کا دادا محمد ہے، لیکن علماء نے جو تتبع اور استقراء کیا ہے، اس میں وہ کہتے ہیں کہ "جدہ" کی ضمیر عبداللہ بن عمرؓو مشہور صحابی کی طرف جاتی ہے۔

۴ - اس کے فوائد:

ا) جب نام کی صراحت نہ ہو، تو باپ یا دادا کے نام کی معرفت کے لئے بحث و تمحیص کی جاتی

ہے۔

ب) یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جد سے کیا مراد ہے آیا بیٹے کا دادا یا باپ کا دادا؟

۵ - مشہور تصانیف:

ا) رواية الابناء عن آباہم مصنفہ ابو نصر عبداللہ بن سعید الوائلی

ب) جزء من روی عن ابیہ عن جدہ یہ ابن ابی خیثمہ کی تصنیف ہے۔

ج) "کتاب الوشی المعلم فی من روی عن ابیہ عن جدہ عن النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم" اس کے مصنف حافظ علائی ہیں۔

المدبج اور روایت اقران

- ۶ -

۱ - اقران کی تعریف:

ا) اقران، قرین کی جمع ہے جس کے معنی ساتھی اور دوست کے ہیں [۹]

ب) اصطلاح میں: عمر اور سند میں ایک دوسرے سے قریب افراد "اقران" کہلاتے ہیں [۱۰]

۲ - روایت اقران کی تعریف:

یہ ہے کہ دو ساتھیوں میں سے ایک دوسرے سے روایت کرے۔

مثال: سلیمان تیمی کی مسعر بن کدام سے روایت، یہ دونوں قریب العمر اور ایک دوسرے کے ساتھی ہیں لیکن تیمی سے مسعر کی کسی روایت کا ہمیں علم نہیں ہے۔

۳ - مدبج کی تعریف:

ا) لغت کے لحاظ سے "مدبج" "تدبیج" سے اسم مفعول ہے، اس کے معنی مزین کرنے کے ہیں، تدبیج، دیباجتی الوجہ سے ماخوذ ہے، یعنی دونوں رخسار۔ شائد اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ دونوں رخساروں کو طرح راوی اور مروی عنہ بھی یکساں ہوتے ہیں۔

ب) اصلاح میں مدبج اس روایت کو کہتے ہیں جسے دو یکساں حیثیت کے مالک افراد ایک دوسرے سے روایت کریں۔

۴ - مدبج کی مثال: حضرات صحابہ کرام میں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت یا اس کے برعکس

تابعین میں: الزھری کی عمر بن عبدالعزیز سے روایت یا اس کے برعکس
تبع تابعین میں: مالک کی الاوزاعی سے روایت یا اس کے برعکس

۵ - اس کے فوائد:

ا) یہ گمان نہ ہو جائے، کہ اسناد میں زیادتی ہو گئی ہے[۱۱]

ب) یہ گمان بھی نہ ہو جائے کہ لفظ "عن" "واو" سے بدل گیا ہے[۱۲]

۶ - اس موضوع پر مشہور تصانیف:

ا) "المدبج" مصنفہ امام دار قطنی

ب) "روایۃ الاقران" مصنفہ ابو الشیخ اصفہانی

سابق ولاحق

- ۷ -

۱ - تعریف:

ا) لغت میں السابق" "سبق" کا اسم فاعل، متقدم (آگے بڑھنے والا) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اللاحق" "لحاق" کا اسم فاعل، متاخر (پیچھے رہ جانے والا) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ وفات میں جو راوی متقدم ہو، وہ سابق اور جو راوی وفات میں متاخر ہو وہ لاحق ہے۔

ب) اصطلاح میں مفہوم یہ ہے کہ ایک شیخ سے روایت کرنے میں دو ایسے راویوں کا اشتراک ہو جن کی تاریخ وفات میں بعد زمانی ہو۔

۲ - مثال:

ا) محمد بن اسحاق السراج، جن کی پیدائش ۲۱۶ھ میں ہوئی اور وفات ۳۱۳ھ میں ہوئی، عمر ۹۷ سال ان سے روایت کرنے میں بخاری اور خفاف دونوں شریک ہیں، لیکن انکی وفات کے درمیان ایک سو سال یا اس سے زیادہ کا فاصلہ ہے[۱۳]

ب) امام مالک سے روایت کرنے میں زہری اور احمد بن اسماعیل اسہمی دونوں شریک ہیں لیکن ان دونوں کی وفات کے درمیان ایک سو پینتیس سال کا فاصلہ ہے۔ اس لئے کہ زہری کی وفات ۱۲۴ھ میں اور سہمی کی وفات ۲۵۹ھ میں ہوئی۔

اس کی وضاحت یہ ہے، کہ زہری مالک سے عمر میں زیادہ ہیں، اس لئے کہ وہ

تابعین میں سے ہیں، اور مالک تبع تابعین میں سے، اس لئے مالک سے زہری کی روایت کا شمار اصاغر سے اکابر کی روایت میں ہوتا ہے جیسا کہ گزر چکا ہے، دوسری طرف سہمی مالک سے عمر میں کم ہیں، اس پر مزید یہ بات بھی ہے، کہ سہمی نے سو برس کی طویل عمر پائی، اسی وجہ سے ان کی اور زہری کی وفات کے درمیان بہت فاصلہ ہو گیا، زیادہ واضح تعبیر کے مطابق سابق راوی اس مروی عنہ کا شیخ ہو جائے گا، اور بعد میں آنے والا راوی (لاحق) اس کا تلمیذ ہو جائے گا، اور پھر یہ تلمیذ طویل عمر پائے گا۔

۳ - اس کے فوائد:

ا) اسناد کی بلندی کی عظمت کو دلوں میں بٹھانا۔

ب) ایسا گمان نہ ہونے دینا کہ بعد میں آنے والے کی سند منقطع ہے۔

۴ - اس موضوع پر مشہور کتاب:

"کتاب السابق واللاحق" مصنفہ خطیب بغدادی

فصل دوم

راویوں کی پہچان

۱ - صحابہ کی پہچان
۲ - تابعین کی پہچان
۳ - بھائی بہنوں کی پہچان
۴ - المتفق والمفترق
۵ - الموتلف والمختلف
۶ - المتشابہ
۷ - المہمل
۸ - مبہمات کی پہچان
۹ - وحدان کی پہچان
۱۰ - ان لوگوں کی پہچان جن کا ذکر مختلف ناموں اور صفات کے ساتھ کیا جاتا ہے۔
۱۱ - اسماء کنیت اور لقب کی پہچان
۱۲ - ایسے ناموں کی پہچان جو کنیت سے مشہور ہیں
۱۳ - القاب کی پہچان
۱۴ - ایسے لوگوں کی پہچان جو اپنے آباء کی بجائے دوسروں کی طرف منسوب ہیں
۱۵ - ایسے نسب کی پہچان جو اپنے ظاہر کے خلاف ہے
۱۶ - رواۃ کی تاریخوں کی پہچان
۱۷ - ثقہ افراد میں سے جو دماغی فتور میں مبتلا ہو گئے ان کی پہچان
۱۸ - علماء اور رواۃ کے طبقات کی پہچان
۱۹ - رواۃ اور علماء میں سے جو غلام تھے ان کی پہچان
۲۰ - رواۃ میں سے ثقہ اور ضعیف کی پہچان
۲۱ - رواۃ کے شہروں اور وطنوں کی پہچان

صحابہ کرام کی پہچان

- ۱ -

۱ - صحابی کی تعریف :

ا) لغوی لحاظ سے "صحابہ" مصدر ہے، جس کے معنی صحبت کے ہیں اسی سے لفظ صحابی اور صاحب ماخوذ ہے، اس کی جمع : اصحاب اور صُحُب آتی ہے، الصحابہ کا بکثرت استعمال "اصحاب" کے معنی میں ہوتا ہے۔

ب) اصطلاح میں ہر اس شخص کے لئے لفظ "صحابی" کا استعمال ہوتا ہے جس نے بحالت اسلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہو، اور اسلام ہی کی حالت میں اس نے انتقال کیا ہو، اگرچہ درمیان میں ارتداد کی نوبت بھی آئی ہو اور یہی صحیح ترین تعریف ہے۔

۲ - اس کی اہمیت اور فائدہ :

صحابہ کی معرفت بہت بڑا اور عظیم فائدوں والا علم ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ مرسل اور متصل کے درمیان امتیاز، اسی کے ذریعے قائم کیا جاسکتا ہے

۳ - صحابی کی صحبت کی پہچان کس طرح ہوگی ؟

صحبت کی معرفت پانچ امور میں سے کسی ایک سے ہو جائے گی۔

ا) التواتر کے ذریعے جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق اور عمر بن الخطاب اور باقی عشرہ مبشرہ و صحابہ جن کو دنیا ہی میں جنت کی بشارت دی گئی تھی۔

ب) شہرت کے ذریعے جیسے ضمام بن ثعلبہ اور عکاشہ بن محصن

ج) صحابی کی خبر سے

د) ثقہ تابعین میں سے کسی کی خبر سے

ہ) اگر عادل ہو تو خود اپنے اقرار سے بشرطیکہ اس کا یہ دعوی ممکن بھی ہو[1]

۴ - جملہ صحابہ کو عادل قرار دینا :

جملہ صحابہ رضی اللہ عنہم عادل ہیں، خواہ وہ فتن (حضرت عثمان اور حضرت علی کی خلافت کے زمانوں میں پیش آنے والے خانہ جنگی) میں ملوث ہوئے ہوں یا نہیں اس پر معتبر علماء کا اجماع ہے۔ اور ان کی عدالت کا مفہوم یہ ہے کہ انہوں نے روایت میں دانستہ کذب کے ارتکاب سے

اجتناب کیا اور کسی بھی ایسی غلطی کے مرتکب نہیں ہوئے جو ان سے روایت لینے میں مانع ہو، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرات صحابہ سے کسی قسم کی بحث عدالت کے بغیر ہر قسم کی روایت لی جائے گی۔ ان میں سے جو فتن میں ملوث ہوئے ہیں ان کے معاملہ کو ایسے اجتہاد پر محمول کیا جائے گا جس میں ان کے لئے بہر حال اجر موجود ہے۔ تا کہ ان کے ساتھ ہمارا حسن ظن قائم رہے۔ اس لئے کہ ان کی حیثیت حاملین شریعت کی ہے اور ان کے زمانے کو خیر القرون فرمایا گیا ہے۔

۵ - سب سے زیادہ احادیث روایت کرنے والے صحابہ۔

کثرت سے روایت کرنے والے صحابہ چھ ہیں جن کی ترتیب درج ذیل ہے۔

ا) حضرت ابوہریرہ جنہوں نے ۵۳۷۴ حدیثیں روایت کی ہیں اور ان سے تین صد سے زیادہ اشخاص نے روایات کی ہیں۔

ب) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ۲۶۳۰ حدیثیں روایت کی ہیں۔

ج) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ۲۲۸۶ حدیثیں روایت کی ہیں۔

د) ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ۲۲۱۰ حدیثیں روایت کی ہیں۔

ہ) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ۱۶۶۰ حدیثیں روایت کی ہیں۔

و) جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ۱۵۴۰ حدیثیں روایت کی ہیں۔

۶ - سب سے زیادہ فتویٰ دینے والے صحابہ:

سب سے زیادہ جن کے فتاوی روایت کئے گئے ہیں وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ ہیں پھر کبار علماء الصحابہ میں وہ چھ ہیں ان کے متعلق مسروق کا قول ہے صحابہ کے علم کی انتہا چھ پر ہوئی ہے یعنی حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابی بن کعب، زید بن ثابت، ابوالدرداء، ابن مسعود پر پھر ان چھ کے علم کی انتہا حضرت علی اور عبداللہ بن مسعود پر ہوئی ہے۔

۷ - عبادلہ کون صحابہ ہیں؟

عبادلہ سے مراد فی الحقیقت وہ صحابہ ہیں جن کا نام عبداللہ ہے جن کی تعداد تقریباً تین صد صحابہ تک پہنچتی ہے لیکن یہاں ان سے مراد ایسے چار صحابہ ہیں جن میں سے ہر ایک کا نام عبداللہ ہے۔

ا) عبداللہ بن عمر

ب) عبداللہ بن عباس

ج) عبداللہ بن الزبیر

د) اور عبداللہ بن عمرو بن العاص

ان سب لوگوں کا امتیاز یہ ہے کہ یہ لوگ ایسے علماء صحابہ میں سے ہیں جن کی وفات طویل وقت کے بعد ہوئی ہے اور اس مدت میں ان کے علم کی طرف لوگوں کا رجوع رہا جس کی انہیں یہ فضیلت اور شہرت حاصل ہو گئی پس جب کسی فتوی پر یہ مجتمع ہو جائیں تو کہا جاتا ہے کہ یہ عبادلہ کا قول ہے

۸ - صحابہ کی تعداد:

ہمارے پاس اعداد و شمار موجود نہیں جس کے ذریعہ صحابہ کی تعداد قطعی طور پر معلوم ہو سکے لیکن اہل علم کے اقوال ایسے ہیں جن سے استفادہ کر کے کہا جا سکتا ہے کہ صحابہ کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی ان اقوال میں سب سے زیادہ مشہور ابی زرعہ کا قول ہے وہ کہتے ہیں "حضورؐ کی جب وفات ہوئی تو اس وقت صحابہ کی تعداد ایک لاکھ چودہ ہزار تھی جن سے روایت بھی کی گئی اور سماع بھی کیا گیا" [۱۵]

۹ - صحابہ کے طبقات کی تعداد:

ان کے طبقات کی تعداد میں اختلاف رائے ہے بعض نے سبقت الی الاسلام کی وجہ سے یا ہجرت کے سبب یا فضیلت والے مقامات میں حاضر ہونے کی نسبت سے اور بعض نے دیگر وجوہ کی بنا پر طبقات کی تقسیم کی ہے غرض ہر ایک نے اپنے اپنے اجتہاد کے لحاظ سے طبقات کی تقسیم کی ہے

ا) ابن سعد نے صحابہ کو پانچ طبقات پر تقسیم کیا ہے۔

ب) حاکم نے ان کو بارہ طبقات میں تقسیم کیا ہے۔

۱۰ - صحابہ میں سب سے افضل:

علی الاطلاق سب سے افضل حضرت ابو بکر صدیق ہیں پھر حضرت عمر بن خطاب جن پر اہل سنت کا اجماع ہے پھر حضرت عثمان پھر حضرت علی جمہور اہل سنت کا یہی مسلک ہے ان چاروں کے بعد باقیماندہ عشرہ مبشرہ پھر اہل بدر، پھر اہل احد، اور پھر بیعت رضوان والے:

۱۱ - اسلام قبول کرنے میں سب سے پہل کرنے والے:

ا) آزاد مردوں میں سے ابو بکر صدیق

ب) بچوں میں سے حضرت علی

ج) عورتوں میں سے ام المومنین خدیجہ

د) آزاد شدہ غلاموں میں سے زید بن حارث

ہ) غلاموں میں سے بلال بن رباح

۱۲ - وفات میں سب سے آخری صحابی:

ابو الطفیل عامر بن واثلہ اللیثی ہیں آپ کی وفات مکہ مکرمہ میں سن سو ہجری میں ہوئی، بعض نے اس

سے بھی زیادہ مدت بتائی ہے، ان سے پہلے وفات پانے والے انس بن مالک ہیں جن کی وفات ۹۳ھ میں بصرہ میں ہوئی

۱۳ - اس موضوع پر سب سے زیادہ نمایاں تصانیف

ا) الاصابۃ فی تمییز الصحابہ مصنفہ ابن حجر عسقلانی

ب) اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ اس کے مصنف علی بن محمد الجزری ہیں جو ابن الاثیر کی کنیت سے مشہور ہیں

ج) الاستیعاب فی اسماء الاصحاب۔یہ ابن عبدالبر کی تصنیف ہے۔

تابعین کی معرفت

- ۲ -

۱ - تابعی کی تعریف:

ا) لغوی لحاظ سے تابعون، تابعی یا تابع کی جمع ہے، اور تابع "تبعہ" کا اسم فاعل ہے جو مشی خلفہ کے معنی میں ہے یعنی کسی کے پیچھے چلا،

ب) اصطلاح میں تابعی اس شخص کو کہتے ہیں جس نے بحالت اسلام کسی صحابی سے ملاقات کی اور اسکی وفات بھی حالت اسلام میں ہوئی، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تابعی وہ ہے جس نے صحابی کی صحبت اختیار کی۔

۲ - اس کے فوائد:

تابعی کی معرفت سے مرسل اور متصل کے درمیان فرق و امتیاز کرنا ممکن ہو جاتا ہے۔

۳ - تابعین کے طبقات:

تابعین کے طبقات کی تعداد میں اختلاف ہے علماء نے اپنے اپنے نقطہ نظر سے انہیں مختلف طبقات میں تقسیم کیا ہے۔

ا) مسلم نے ان کو تین طبقات میں تقسیم کیا ہے۔

ب) ابن سعد نے ان کو چار طبقات میں تقسیم کیا ہے۔

ج) حاکم نے پندرہ طبقات میں تقسیم کیا ہے جن میں پہلا طبقہ وہ ہے جس نے عشرہ مبشرہ کو پایا۔

۴ - مخضرمون:

اس لفظ کا واحد "مخضرم" ہے مخضرم وہ شخص ہے جس نے زمانہ جاہلیت اور نبی ؐ کے زمانہ

دونوں کو پایا ہو لیکن حضورؐ کو دیکھنے کی سعادت حاصل نہ ہو سکی ہو صحیح قول کے مطابق مخضرمین کا تعلق تابعین سے ہے۔ مخضرمین کی تعداد امام مسلم کی تحقیق کے مطابق بیس ہے لیکن درحقیقت ان کی تعداد اس سے زیادہ ہے۔ ابو عثمان النہدی اور اسود بن یزید النخعی ان میں شامل ہیں۔

۵ - سات فقہاء:

یہ سات فقہاء اکابر تابعین میں سے ہیں اور یہی حضرات تابعین میں بڑے علماء شمار ہوتے ہیں یہ سب کے سب مدینہ منورہ کے رہنے والے ہیں ان کے نام درج ذیل ہیں۔

سعید بن مسیبؒ القاسم بن محمد، عروۃ بن الزبیر، خارجہ بن زید، ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ، سلیمان بن یسار[۱۶]

۶ - تابعین میں سب سے افضل:

تابعین میں سب سے افضل کے متعلق علماء کے متعدد اقوال ہیں اور مشہور یہی ہے کہ ان میں سب سے افضل سعید بن مسیب ہیں اور ابو عبداللہ محمد بن خفیف الشیرازی نے کہا ہے کہ۔

ا) اہل مدینہ کہتے ہیں کہ سعید بن مسیب افضل التابعین ہیں۔

ب) اہل کوفہ کہتے ہیں کہ اویس قرنی سب سے افضل ہیں۔

ج) اہل بصرہ کہتے ہیں کہ حسن بصری سب سے افضل ہیں

۷ - افضل التابعیات:

ابوبکر بن داؤد نے کہا کہ "تابعیات میں سب کی سردار حفصہ بنت سیرین اور عمرۃ بن عبدالرحمٰن ہیں اور ام الدرداء کا مرتبہ بھی ان کے قریب ہے" [۱۷]

۸ - اس موضوع پر مشہور ترین تصنیف:

ابوالمطرف بن فطیس اندلسی کی کتاب "معرفۃ التابعین[۱۸]" ہے۔

بھائیوں اور بہنوں کی پہچان

- ۳ -

۱ - تمہید:

اصحاب حدیث نے جن علوم کی طرف بہت زیادہ توجہ مبذول کی ہے، ان میں راویوں کے ہر طبقہ میں بھائیوں اور بہنوں کی معرفت بھی داخل ہے۔ جس کے لئے الگ سے کتابیں لکھی گئیں۔ بحث

وتصنیف کے لئے اس موضوع کو منتخب کرنا دراصل اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ علماء حدیث نے راویوں ان کے انساب اور ان میں بھائی بہنوں کے متعلق معلومات جمع کرنے کا کس قدر اہتمام کیا تھا۔ اس کی تفصیل کا آئندہ صفحات پر تذکرہ ہو گا۔

۲ - اس کے فوائد:

اس کا فائدہ یہ ہے کہ اگر کچھ افراد کے باپ ہم نام ہوں تو یہ گمان نہ پیدا ہو کہ یہ اشخاص آپس میں بھائی بھائی ہیں، مثلاً

عبداللہ بن دینار اور عمرو بن دینار، جو شخص ان دونوں کے مفصل حال سے باخبر نہ ہو گا، وہ ان دونوں کو آپس میں اس لئے بھائی بھائی تصور کرے گا کہ دونوں کے باپ کا نام دینار ہے اس کے باوجود وہ دونوں آپس میں بھائی نہیں ہیں۔

۳ - مثالیں:

ا) صحابہ میں دو کی مثال عمر اور زید خطاب کے دو بیٹے ہیں۔

ب) صحابہ میں تین کی مثال علی، جعفر اور عقیل جو ابو طالب کے بیٹے ہیں۔

ج) تبع تابعین میں چار کی مثال سہیل، عبداللہ، محمد اور صالح جو ابو صالح کے بیٹے ہیں۔

د) تبع تابعین میں پانچ کی مثال سفیان، آدم، عمران، محمد اور ابراہیم یہ سب عیینہ کے فرزند ہیں۔

ہ) تابعین میں چھ کی مثال محمد، انس، یحییٰ، معبد، حفصہ اور کریمہ یہ سب سیرین کے بیٹے بیٹیاں ہیں۔

و) صحابہ میں سات کی مثال نعمان، معقل، عقیل، سوید، سنان، عبدالرحمٰن، اور عبداللہ یہ سب مقرن کے بیٹے ہیں۔

یہ سات کے سات مہاجر صحابہ ہیں اس فضیلت و سعادت میں کوئی بھی ان کا شریک نہیں [۱۹] سب کے سب ایک ہی باپ کے فرزند ہیں اور کہا جاتا ہے کہ یہ سب غزوہ خندق میں شریک ہوئے۔

۴ - اس عنوان پر مشہور ترین تصانیف

ا) کتاب الاخوۃ مصنفہ ابو المطرف بن فطیس الاندلسی۔

ب) کتاب الاخوۃ مصنفہ ابو العباس السراج [۲۰]۔

متفق اور مختلف

- ۴ -

۱ - تعریف:

ا) متفق، اتفاق سے اسم فاعل اور مفترق، افتراق، سے اسم فاعل ہے یہ افتراق، اتفاق کی ضد ہے،

ب) اصطلاح حدیث میں یہ ہے کہ راویوں اور ان کے باپ دادوں کے ناموں میں رسم الخط اور تلفظ دونوں لحاظ سے یکسانیت ہو لیکن ان کی شخصیتیں الگ الگ ہوں اسی طرح ان کے نام اور کنیتیں یا ان کے نام اور نسبتیں یکساں ہوں [۲۱]

۲ - مثالیں:

ا) خلیل بن احمد، ایک ایسا نام ہے جس میں چھ اشخاص شریک ہیں، ان میں سے پہلے شخص مشہور نحوی سیبویہ کے استاد تھے۔

ب) احمد بن جعفر بن حمدان: ایک ہی زمانہ میں اس نام کے چار اشخاص تھے۔

ج) عمر بن الخطاب: اس نام کے چھ اشخاص تھے [۲۲]

۳ - اہمیت اور فوائد:

اس نوع کی معرفت بہت زیادہ اہم ہے اس سلسلے میں متعدد اکابر علماء کو بے خبری کے باعث ٹھوکر لگ چلی ہے اور اس کے فوائد میں سے یہ ہے،

ا) ایک ہی نام کے متعدد اشخاص کو ایک سمجھنے کی غلطی نہیں ہوگی جبکہ اس ایک نام کے متعدد افراد کی ایک جماعت ہے اور یہ اس "مہمل" کا عکس ہے، جس کے متعلق یہ اندیشہ رہتا ہے کہ ایک کو دو نہ سمجھا جائے [۲۳]

ب) ایک ہی نام کے متعدد اشخاص کے درمیان اس پہلو سے بھی امتیاز ضروری ہے، کہ دو میں سے ایک ثقہ و عادل ہو اور دوسرا ہم نام ضعیف، کہیں ایسی صورت میں صحیح کو ضعیف اور ضعیف کو صحیح وثقہ سمجھا جا سکتا ہے۔

۴ - اس کا ذکر کرنا کب مستحسن ہو گا؟

اس کا ذکر کرنا اس وقت مستحسن ہو گا، جب کسی ایک ہی زمانہ میں دو یا دو سے زائد ہم نام راوی جمع ہو جائیں، اور اپنے بعض شیوخ یا روایت لینے والوں میں شریک ہوں، لیکن جب ان کے درمیان بعد زمانی ہو تو پھر مشترک ناموں سے کوئی اشکال پیدا نہیں ہوتا۔

۵ - اس موضوع پر مشہور ترین تصانیف

ا) کتاب المتفق والمفترق مصنفہ خطیب بغدادی، اس موضوع پر یہ ایک جامع اور نفیس کتاب ہے [۲۴]

ب) کتاب الانساب المتفقہ مصنفہ حافظ محمد بن طاہر المتوفی سنہ ۵۰۷ھ یہ کتاب متفق کی خاص نوع سے تعلق رکھتی ہے۔

موتلف اور مختلف

- ۵ -

۱ - اس کی تعریف

ا) لغوی لحاظ سے الموتلف. "الأئتلاف" سے اسم فاعل ہے، ائتلاف. اجتماع اور ملاقات کے معنی میں ہے، مختلف اختلاف سے اسم فاعل ہے اور یہ اتفاق کی ضد ہے۔ حدیث میں مفہوم یہ ہے کہ اسماء اور کنیتیں یا نسبتیں رسم الخط میں یکساں ہوں لیکن تلفظ میں مختلف ہوں،

۲ - اس کی مثالیں:

ا) سَلَام اور سلاَّم: پہلا لفظ لام کی تخفیف کے ساتھ اور دوسرا تشدید لازم کے ساتھ ہے۔

ب) مِسْوَر اور مُسَوَّر: پہلا لفظ کسر میم، سکون سین اور واو کی تخفیف کے ساتھ ہے جبکہ دوسرا ضمہ میم، فتحہ سین اور تشدید واوَ کے ساتھ ہے۔

ج) "البزاز" اور "البزار" پہلے لفظ کا آخری حرف زاء ہے جبکہ دوسرے لفظ میں آخری حرف راء ہے۔

د) "الثوری" اور التوزی" میں پہلا لفظ ثاء اور راء کے ساتھ اور دوسرا لفظ "تاء اور "زاء" کے ساتھ ہے۔

۳ - کیا اس کے لئے کوئی ضابطہ ہے؟

ا) اکثر کا کوئی ضابطہ نہیں۔ اس لئے کہ یہ بہت زیادہ بکھرے ہوئے ہیں۔ صرف حفظ کی بنا پر ہر نام کو الگ الگ ضبط کیا جا سکتا ہے۔

ب) ان میں سے بعض ایسے ہیں، جن کا ضابطہ ہے، ان کی دو قسمیں ہیں:

۱ - کسی خاص کتاب یا چند کتب کی نسبت سے اس کا ضابطہ ہو، مثلاً ہم کہیں کہ صحیحین یا موطا میں جس جگہ بھی لفظ "یسار" آ جائے، تو وہ "یاء" اور سین مہملہ کے ساتھ ہو گا۔ سوائے محمد بن "بشار" کے کہ وہ "یاء" اور "شین" کے ساتھ ہو گا۔

۲ - دوسری قسم وہ ہے جس کے لئے ایک عمومی ضابطہ ہوتا ہے۔ کسی خاص کتاب یا کتابوں کی نسبت سے نہیں ہوتا مثلاً ہم کہیں: "پانچ مقامات کے سوا "سلام" جہاں کہیں بھی استعمال ہو گا، لام کی تشدید کے ساتھ ہو گا" پھر ہم پانچ مقامات کا تذکرہ کر دیں۔

۴ - اس کی اہمیت اور فوائد:

موتلف اور مختلف "علم الرجال" کا ایک اہم ترین شعبہ ہے جس کی معرفت کو اس فن میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ علی بن المدینی نے کہا ہے کہ "سب سے زیادہ غلطیاں وہ ہیں جو نام پڑھنے میں ہوتی ہیں" اس لئے کہ ان میں نہ تو قیاس کا دخل ہے اور نہ ہی سباق و سیاق سے کوئی رہنمائی ملتی ہے[۲۵]

اس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس علم میں مہارت رکھنے والا اپنے آپ کو غلطیوں میں پڑنے سے بچالیتا ہے۔

۵ - اس موضوع پر مشہور تصانیف:

ا) "الموتلف والمختلف" عبدالغنی بن سعید اس کے مصنف ہیں۔

ب) "الاکمال" ابن ماکولا کی تصنیف ہے اور اس پر ابوبکر بن نقطہ کے اضافی نوٹ ہیں۔

متشابہ[۲۶]

- ٦ -

۱ - تعریف:

لغوی لحاظ سے یہ لفظ تشابہ معنی تماثل کا اسم فاعل ہے یہاں متشابہ سے مراد "ملتبس" ہے، یعنی ایک ایسا لفظ یا نام جس میں التباس ہو جائے۔ قرآن کے متشابہات بھی اسی قبیل سے ہیں، یعنی جن کے

معانی متعین کرنے میں التباس پایا جاتا ہو، اصطلاحی مفہوم یہ ہے، کہ راویوں کے ناموں میں رسم الخط اور تلفظ کے لحاظ سے یکسانیت ہو، لیکن ان کے آباء کے نام رسم الخط کے لحاظ سے یکساں ہوں لیکن تلفظ میں مختلف ہوں یا اس کے برعکس ہو [۲۷]

۲ - اس کی مثالیں:

ا) محمد بن عُقیل عین مضموم کے ساتھ، اور محمد بن عَقیل عین مفتوح کے ساتھ اس صورت میں رواۃ کے ناموں میں یکسانیت ہے اور ان کے آباء کے ناموں میں اختلاف واقع ہو گیا ہے۔

ب) "شریح بن النعمان" اور "سریج بن النعمان" رواۃ کے ناموں میں اختلاف ہے، لیکن آباء کے ناموں میں یکسانیت ہے۔

۳ - اس علم کا فائدہ:

اس علم کا فائدہ یہ ہے کہ اسکے ذریعے راویوں کے نام منضبط ہو جاتے ہیں جس سے نہ تو تلفظ میں التباس پیدا ہوتا ہے اور نہ ہی حروف میں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ نیز ناموں کے متعلق کسی قسم کا وہم باقی نہیں رہتا۔

۴ - متشابہ کی دیگر اقسام:

متشابہ کے دائرہ میں بہت سی اور قسمیں بھی آتی ہیں، جس میں سے بعض اہم اقسام کا تذکرہ درج ذیل ہے۔

ا) راوی اور اس کے باپ کے نام میں ایک یا دو حرفوں کے سوا یکسانیت ہو جیسا کہ "محمد بن حنین اور محمد بن جبیر"

ب) راوی کے نام اور باپ کے نام کے درمیان رسم الخط اور تلفظ میں یکسانیت ہو، لیکن تقدیم و تاخیر کے لحاظ سے اختلاف واقع ہو جائے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔

۱ - صرف دو ناموں میں جیسا کہ الاسود بن یزید اور یزید بن الاسود [۲۸]

۲ - بعض حروف میں جیسا کہ "ایوب بن سیار اور ایوب بن یسار"

۵ - اس موضوع پر مشہور تصانیف:

ا) "تلخیص المتشابہ فی الرسم و حمایہ ما اشکل منہ عن بوادر التصحیف والوہم" مصنفہ خطیب بغدادی

ب) "تالی التلخیص" اس کے مصنف بھی خطیب بغدادی ہیں۔ یہ دراصل پہلی کتاب کا تتمہ یا ذیل ہے۔ تاہم یہ دونوں کتابیں اس موضوع پر بڑی نفیس کتابیں ہیں جن کی نظیر نہیں ملتی [۲۹]

مہمل

- ۷ -

۱ - تعریف:

ا) لغت کے لحاظ سے یہ لفظ "اہمال" سے اسم مفعول ہے، جس کے معنی ترک کر دیئے کے ہیں، گویا کہ راوی نے نام کو ذکر کئے بغیر چھوڑ دیا، نام کا تذکرہ ہوتا تو دوسرے سے امتیاز ہو جاتا۔ اصطلاحی مفہوم یہ ہے، کہ راوی ایسے دو اشخاص کا ذکر کرے جن کے صرف اپنے ناموں اور آباء کے ناموں میں یکسانیت ہو، اور ان دونوں کے درمیان کوئی ایسی علامت موجود نہ ہو، جس سے ناموں کے درمیان امتیاز پیدا ہو سکے۔

۲ - اہمال کب مضر ہوتا ہے؟

اہمال اس وقت مضر ہوتا ہے جب ایسے دو اشخاص سے روایت لی گئی ہو جن میں سے ایک ثقہ ہو اور دوسرا ضعیف، اس صورت میں یہ نہیں معلوم ہو سکتا، کہ یہ روایت ان میں سے کس سے لی گئی ہے؟ ہو سکتا ہے کہ دونوں میں سے جو ضعیف ہو اس سے روایت لی گئی ہو اور اس بنا پر حدیث ضعیف قرار دی جائے۔ لیکن جب اس نام والے دونوں شخص ثقہ ہوں تو پھر اہمال صحت حدیث کو نقصان نہیں پہنچا سکتا، اس لئے ان دونوں ثقہ اشخاص میں سے جو کوئی بھی ہو، حدیث بہرحال صحیح شمار ہو گی۔

۳ - اس کی مثال:

ا) جب دونوں ثقہ ہوں: امام بخاری اپنی صحیح میں احمد سے روایت کرتے ہیں اور احمد کی نسبت کا ذکر نہیں کرتے پھر احمد کی روایت وھب سے ہوتی ہے، اس صورت میں احمد سے مراد یا تو احمد بن صالح ہوں گے یا احمد بن عیسیٰ اور یہ دونوں ثقہ ہیں۔

ب) جب ان دونوں میں سے ایک ثقہ ہو، اور دوسرا ضعیف، جیسا کہ سلیمان بن داؤد نامی دو شخص ہیں ان میں سے ایک الخولانی ہے اور دوسرا الیمامی، خولانی ثقہ ہے، لیکن یمامی ضعیف ہے۔

۴ - مہمل اور مبہم کے درمیان فرق:

ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ مہمل راوی کا نام ذکر کیا جاتا ہے، مگر اس کی تعین مشتبہ

ہوتی ہے اور مبہم میں نام بھی ذکر نہیں کیا جاتا۔

۵ - مشہور تصنیف:

اس عنوان کی سب سے زیادہ مشہور تصنیف خطیب کی ہے جس کا نام "المکمل فی بیان المہمل" ہے۔

مبہمات کی پہچان

- ۸ -

۱ - تعریف:

ا) لغت کے لحاظ سے مبہمات مبہم کی جمع ہے اور یہ ابہام سے اسم مفعول اور ایضاح کی ضد ہے۔

ب) متن حدیث یا اسناد میں جس شخص کے نام میں ابہام ہو اصطلاح میں اسے مبہم کہتے ہیں خواہ وہ راوی ہو یا ایسا شخص جس کا اس روایت سے کوئی تعلق ہو۔

۲ - فوائد بحث:

ا) اگر ابہام سند میں ہو. تو اس سے راوی کی معرفت حاصل ہوتی ہے اگر ثقہ ہو تو ہم روایت پر صحیح ہونے کا حکم لگاتے ہیں اور اگر ضعیف ہو تو روایت کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔

ب) اگر ابہام متن میں ہو. تو اس بحث کے بڑے فوائد ہیں، جن میں سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ صاحب واقعہ کی معرفت یا سائل کا نام معلوم ہو جاتا ہے اگر حدیث میں ان کی کوئی منقبت بیان کی گئی ہو، تو ہم اس کی فضیلت جان لیتے ہیں اور اگر اس کا عکس ہو تو ہم اسے پہچان کر افاضل صحابہ کے متعلق بدگمانی کرنے سے بچ جاتے ہیں۔

۳ - مبہم کو کیسے پہچانا جاتا ہے؟

مبہم کو درج ذیل دو طریقوں میں سے ایک کے ذریعے پہچانا جاتا ہے۔

ا) بعض دوسری روایات میں اس کا ذکر اس کے نام کے ساتھ آتا ہے۔

ب) اہل سیر نے بہت سے مبہمات کا واضح الفاظ میں ذکر کر دیا ہے، جسے ان کی پہچان کا ذریعہ بنایا جا سکتا ہے۔

۴ - اس کی اقسام:

شدت ابہام اور عدم شدت کی بنا پر اس کی چار قسمیں کی گئی ہیں۔ سب سے پہلے ان کا ذکر ہو گا جن میں شدت ابہام سب سے زیادہ ہے۔ شدید نوعیت کے ابہام سے جہاں ابتداء کی جا رہی ہے۔

ا) مرد ہے یا عورت: ابن عباس کی حدیث ہے کہ "ایک شخص" نے سوال کیا، یا رسول اللہ "الحج کل عام؟" (کیا ہر سال حج کیا جائے گا؟) "یہ شخص" اقرع بن حابس تھے۔

ب) بیٹا اور بیٹی: بھائی اور بہن، بھتیجا اور بھانجا، بھتیجی اور اور بھانجی کا بھی ان کے ساتھ الحاق کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ام عطیہ کی حدیث میں حضور کی "بیٹی" کے غسل کے سلسلے میں ان کی میت کو پانی میں بیری کے پتے ابال کر غسل دیا گیا۔ یہ "بیٹی" حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں۔

ج) چچا اور پھوپھی: ان کے ساتھ ماموں، خالہ، چچا زاد بھائی بہن، پھوپھی زاد بھائی بہن، ماموں زاد اور خالہ زاد بھائی بہن کو بھی شمار کیا جاتا ہے جیسا کہ رافع بن خدیج کی حدیث جو انہوں نے اپنے "چچا" سے روایت کر کے مخابرہ (یعنی بٹائی پر پر کھیتی کرنا) سے نہی کے سلسلے میں بیان کی ہے۔ اس میں ان کے چچا کا نام ظہیر بن رافع ہے، اس طرح جابر کی "پھوپھی" کی حدیث جو غزوہ احد میں اپنے والد کی شہادت پر روئی تھیں اس "پھوپھی" کا نام فاطمہ بنت عمرو ہے۔

د) شوہر اور بیوی جیسا کہ صحیحین کی حدیث جو سبیعہ کے "خاوند" کی وفات کے سلسلے میں ہے ان کا نام سعد بن خولہ تھا اسی طرح "زوجہ" عبدالرحمٰن بن زبیر کی حدیث جو رفاعہ القرظی کے نکاح میں تھی، پھر اسے طلاق ہو گئی تھی۔ اس "بیوی" کا نام تیمیمہ بنت وھب تھا۔

۵ - اس موضوع پر مشہور تصانیف:

متعدد علماء نے اس موضوع پر کتابیں تصنیف کی ہیں۔ عبدالغنی بن سعید، خطیب بغدادی اور نووی بھی ان میں شامل ہیں۔ اس سلسلے کی سب سے بہتر اور مفید کتاب ولی الدین عراقی کی "المستفاد من مبہمات المتن والاسناد" ہے۔

وحدان کی پہچان

- ۹ -

۱ - تعریف:

ا) لغوی تحقیق: واو کے ضمہ کے ساتھ لفظ واحد کی جمع ہے۔

ب) اصطلاحی مفہوم: ایسے راوی جن میں سے ہر ایک سے ایک ایک راوی نے روایت لی ہو۔

۲ - اس کا فائدہ:

سلسلہ سند میں جو شخص مجہول العین ہو یعنی جس کی ذات و شخصیت سے کوئی واقف نہ ہو، اس کی پہچان ہو جاتی ہے اور اگر وہ صحابی نہ ہو اس کی روایت رد کر دی جاتی ہے۔

۳ - اس کی مثالیں:

ا) صحابہ میں سے عروہ بن مضرس ہیں، جن سے شعبی کے سوا کسی نے روایت نہیں کی، اور مسیّب بن حزن ہیں، جن سے ان کے بیٹے سعید کے سوا کسی نے روایت نہیں کی۔

ب) تابعین میں سے ابو العشراء ایسے شخص ہیں جن سے حماد بن سلمہ کے سوا کسی نے روایت نہیں کی۔

۴ - کیا شیخین نے اپنی صحیحین میں وحدان سے بھی روایات لی ہیں؟

ا) اگرچہ حاکم نے "المدخل" میں ذکر کیا ہے کہ شیخین اس نوعیت کی کوئی حدیث اپنی کتب میں روایت نہیں کی۔

ب) لیکن جمہور محدثین نے کہا ہے کہ صحیحین میں بکثرت ایسی احادیث موجود ہیں، جن کی روایت صرف ایک صحابی سے ہوئی ہے۔

۱ - مسیّب کی حدیث، جو ابو طالب کی وفات کے سلسلے میں شیخین اپنی کتابوں میں لائے ہیں۔

۲ - قیس بن ابی حازم کی حدیث جو مرداس سلمی سے روایت کی گئی ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں "یذھب الصالحون الاول فالاول" (نیک لوگ جنت میں اپنے اچھے اعمال کی ترتیب سے جائیں گے) یعنی جن کے اعمال جس قدر زیادہ اچھے ہوں گے وہ اسی قدر پہلے جنت میں جائیں گے۔ اس میں مرداس سے

روایت کرنے والا قیس کے سوا کوئی اور نہیں ہے۔ اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

۵ - مشہور تصنیف:

اس موضوع پر ممتاز و مشہور ترین تصنیف، امام مسلم کی کتاب "المنفردات والوحدان"

ایسے اشخاص کی پہچان جن کا ذکر مختلف ناموں یا صفات سے کیا گیا ہو۔

- ۱۰ -

۱ - تعریف:

یہ ایک ایسا راوی ہے، جس کو مختلف ناموں، القاب یا کنیتوں سے موسوم کیا جاتا ہو یہ ایک شخص بھی ہو سکتا ہے اور متعدد بھی۔

۲ - اس کی مثال:

محمد بن السائب الکلبی ہے، جس کو بعض لوگوں نے "ابو النصر" سے موسوم کیا ہے بعض نے اسے حماد بن السائب کہا ہے اور بعض نے اسے ابو سعید کہا ہے۔

۳ - اس کے فوائد:

ا) اس پہچان کے ذریعے ایک شخص کے ناموں میں التباس کو ختم کر دیا جاتا ہے تاکہ یہ گمان ختم ہو جائے کہ یہ متعدد افراد نہیں ہیں بلکہ ایک ہی شخص ہے۔

ب) اس کے ذریعے شیوخ کی تدلیس سے پردہ اٹھ جاتا ہے۔

۴ - خطیب نے اپنے شیوخ کے سلسلے میں یہی رویہ اختیار کیا ہے۔

وہ اپنی کتب میں ابو القاسم ازھری سے، عبداللہ بن ابو الفتح فارسی سے، عبیداللہ بن عثمان صیرفی سے روایت کرتے ہیں، حالانکہ ان سب ناموں سے مراد ایک ہی شخص ہے۔

۵ - اس موضوع پر مشہور تصانیف:

ا) "ایضاح الاشکال" حافظ عبدالغنی بن سعید اس کے مصنف ہیں۔

ب) "موضح اوھام الجمع والتفریق" خطیب کی تصنیف ہے۔

نام، کنیت اور القاب کے مفردات کی پہچان

- ۱۱ -

۱ - مفردات سے مراد:

مفردات سے مراد یہ ہے کہ صحابہ میں سے کسی فرد یا عام رواۃ یا علماء میں سے کسی شخص کی ایسی کنیت نام یا لقب ہو، کہ اس میں علماء اور رواۃ میں سے کوئی اس کا شریک نہ ہو، اکثر اوقات یہ مفردات ایسے غریب اور قلیل الاستعمال الفاظ ہوتے ہیں جن کا زبان پر چڑھنا مشکل ہوتا ہے۔

۲ - ان مفردات کی پہچان کا فائدہ:

ان مفردات کی پہچان کا فائدہ یہ ہے کہ قاری ایسے غریب اور قلیل الاستعمال ناموں میں تصحیف و تحریف یعنی حرفوں کے الٹ پھیر اور ان کی حرکات میں غلطی سے بچ جاتا ہے۔

۳ - مثالیں:

ا) نام:

۱ - صحابہ میں سے احمد بن عجیان، بروزن سفیان یا علیان اور "سندر" بروزن جعفر،

۱ - غیر صحابہ میں سے: "اوسط بن عمرو" "ضریب" بن نفیر بن سمیر،

ب) کنیتیں:

۱ - صحابہ میں سے: "ابو الحمراء" جو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے غلام تھے، جن کا نام مہران تھا،

۲ - غیر صحابہ سے: "ابو العبیدین" جن کا نام معاویہ ابن سبرۃ تھا۔

ج) القاب:

۱ - صحابہ میں سے: "سفینہ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے غلام جن کا نام مہران تھا۔

۲ - غیر صحابہ سے: "مندل" جن کا نام عمر بن علی الغزی الکوفی تھا۔

۴ - اس موضوع پر مشہور تصانیف۔

حافظ احمد بن ہارون بردیجی نے "اسماء مفردہ" کے نام سے کتاب لکھی ہے۔ اس کے علاوہ کتب تراجم کے آخر میں بہت سے ایسے نام، القاب اور کنیّتوں کے متعلق معلومات مل جاتی ہیں۔

ایسے لوگوں کے ناموں کی پہچان جو اپنی کنیّتوں سے مشہور ہیں

- ۱۲ -

۱ - اس بحث سے مراد:

اس بحث سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ اپنی کنیّتوں سے مشہور ہیں، ان کے نام معلوم کرنے کی تحقیق کی جائے، تاکہ ان میں سے ہر ایک کا غیر مشہور نام معلوم ہو جائے۔

۲ - فوائد:

اس بحث کا خاص فائدہ یہ ہے کہ ایک شخص کو دو اشخاص نہ سمجھا جائے۔ کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص کا اس کے غیر معروف نام سے ذکر کیا جائے، اور دوسری دفعہ اس کی معروف کنیت کے ذریعے اس کا ذکر ہو اور جو شخص اس بارے میں زیادہ معلومات نہیں رکھتا ہو، اس پر معاملہ مشتبہ ہو جائے، جس کے نتیجے میں وہ اسے دو الگ اشخاص سمجھ بیٹھے جب کہ حقیقت میں وہ ایک ہی شخص ہو۔

۳ - اس موضوع پر تصنیف کا طریقہ:

کنیّتوں کے موضوع پر مصنّفین اپنی تصنیفات کے ابواب کنیّتوں کے حروف معجم یعنی نقطے والے حرفوں کے اعتبار سے ترتیب دیں گے بعد میں کنیت رکھنے والوں کے نام لکھیں گے، مثلاً "ہمزہ" کے بارے میں ابواسحٰق کا تذکرہ کر کے پھر اس کا نام لکھیں گے۔ اور "باء" کے باب میں "ابو بشر" کا ذکر کر کے اس کا نام بیان کریں گے۔

۴ - کنیت والوں کی اقسام اور ان کی مثالیں:

ا) وہ شخص جس کا نام اور کنیت ایک ہو، اس کے علاوہ اس کا کوئی اور نام نہ ہو، مثلاً "ابو بلال اشعری" اس کی جو کنیت ہے وہی اس کا نام بھی ہے۔

ب) وہ شخص جو اپنی کنیت سے معروف ہو، اور کسی کو معلوم نہیں کہ اس کا کوئی نام بھی ہے یا نہیں، مثلاً "ابو انس" صحابی ہیں۔

ج) وہ شخص جو اپنی کنیت سے معروف ہو، اور اس کا نام بھی ہو اس کے علاوہ اس کی کوئی اور

کنیت بھی ہے، مثلاً "ابوتراب" حضرت علی بن ابی طالب کا لقب ہے۔
آپ کی کنیت ابو الحسن ہے۔

د) وہ شخص جس کی دو یا اس سے زیادہ کنیتیں ہوں مثلاً "ابن جریج" کی کنیت
ابوالولید بھی ہے اور ابو خالد بھی ہے۔

ھ) وہ شخص جس کی کنیت میں اختلاف ہو، مثلاً اسامہ بن زید، کہا جاتا ہے کہ ان
کی کنیت ابو محمد ہے، اور بعض نے کہا ہے، کہ ان کی کنیت ابو عبداللہ ہے، اس طرح ابو
خارجہ بھی بتائی گئی ہے۔

و) وہ شخص جس کی کنیت معروف ہو، لیکن اس کے نام میں اختلاف ہو مثلاً
ابو ہریرہ، ان کے نام اور ان کے والد کے نام میں اختلاف تیس اقوال پر مشتمل ہے،
جن میں سے سب زیادہ مشہور قول کے مطابق آپ کا نام عبدالرحمٰن بن صخر ہے۔

ز) وہ شخص جس کے نام اور کنیت دونوں میں اختلاف ہو مثلاً "سفینہ" کہا جاتا
ہے کہ اس کا نام عمیر ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام صالح ہے، یہ بھی کہا گیا ہے،
کہ اس کا نام مہران ہے، اور اس کی کنیت میں متعدد اقوال ہیں ایک قول کے مطابق ابو
عبدالرحمٰن ہے اور دوسرے قول کے مطابق ابو البختری ہے۔

ح) وہ شخص جو اپنے نام اور کنیت دونوں سے مشہور ہو، مثلاً "سفیان ثوری،
مالک، محمد بن ادریس الشافعی، احمد بن حنبل" ان حضرات میں سے ہر ایک کی کنیت ابو
عبداللہ ہے اور مثلاً ابو حنیفہ نعمان بن ثابت۔

ط) وہ شخص جو اپنی کنیت سے مشہور ہو لیکن لوگ اس کا نام بھی جانتے ہوں مثلاً
"ابو ادریس الخولانی، جن کا نام عائذ اللہ ہے۔

ی) وہ شخص جو اپنے نام سے مشہور ہو لیکن اس کی کنیت سے بھی لوگ آگاہ ہوں:
مثلاً "طلحہ بن عبیداللہ التیمی اور عبدالرحمٰن بن عوف، اور حسن بن علی بن
ابی طالب" ان سب کی کنیت "ابو محمد" ہے۔

۵ - اس موضوع پر مشہور تصانیف:

کنیتوں کے موضوع پر علماء نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ان مصنفین میں علی بن المدینی، امام مسلم اور امام نسائی وغیرہ ہیں، تصانیف میں سب سے زیادہ مشہور کتاب "الکنی والاسماء" ہے جو ابوالبشر محمد بن احمد الدولابی المتوفی سنہ ۳۱۰ھ کی تصنیف ہے۔

القاب کی پہچان

- ۱۳ -

۱ - لغوی تعریف:

القاب لقب کی جمع ہے۔ اور لقب ہر وہ وصف ہے جو بلندی یا پستی پر نشاندہی کرے یا تعریف یا مذمت کا پہلو اجاگر کرے۔

۲ - اس بحث سے مراد:

محدثین اور رواۃ حدیث کے القاب کی تحقیق و تفتیش ہے تاکہ ان کی معرفت ہو جائے اور انہیں درست طریقے سے منضبط کر لیا جائے

۳ - اس کا فائدہ:

القاب کی معرفت کے دو فائدے ہیں۔

ا) القاب کو نام نہ خیال کیا جائے اور شخص جس کا تذکرہ کبھی نام کے ساتھ ہوتا ہو اور کبھی لقب سے اسے غلطی سے دو شخص سمجھنے کی بجائے حقیقت کے مطابق ایک ہی شخص تصور کیا جائے۔

ب) اس سبب سے آگاہی جس کے باعث وہ راوی اس لقب سے مشہور ہو گیا ہو۔ اس طرح اس لقب کی حقیقی مراد معلوم ہو سکے گی۔ جو بسا اوقات اس لقب کے ظاہری معنی کے خلاف ہوتی ہے۔

۴ - اس کی اقسام:

القاب کی دو قسمیں ہیں۔

ا) وہ جس سے مشہور کرنا جائز ہی نہیں ہوتا اور وہ ایسا ہی لقب ہے جسے متعلقہ شخص پسند نہیں کرتا ہے۔

ب) وہ جس سے مشہور کرنا جائز ہے وہ ایسا لقب ہے جو متعلقہ شخص کو ناپسند نہیں ہوتا۔

۵ - ان کی مثالیں:

ا) ضال: یہ لقب معاویہ بن عبدالکریم ضال کا ہے۔ یہ لقب اس کو اس لئے دیا گیا تھا کہ وہ مکہ مکرمہ جاتے ہوئے راستہ بھول گیا تھا۔

ب) ضعیف: یہ عبداللہ بن محمد ضعیف کا لقب ہے یہ لقب ان کو اس لئے دیا گیا تھا کہ وہ

جسمانی لحاظ سے کمزور تھے۔ روایت حدیث میں کمزور نہ تھے. عبدالغنی بن سعید نے کہا ہے: "دو بڑے آدمی ایسے ہیں، جن کے ساتھ دو بڑے لقب چپک گئے ہیں، ایک ضال اور دوسرا ضعیف"۔

ح) غندر: یہ لفظ اھل حجاز کی زبان میں مشغب (بہت زیادہ شور کرنے والا) کے ہم معنی ہے۔ اور یہ لقب محمد بن جعفر کا ہے جو مشہور محدث شعبہ کے رفیق تھے۔ اس لقب سے ملقب ہونے کی وجہ بھی یہ بیان کی گئی ہے. کہ ابن جریج بصرہ آئے، انہوں نے حسن بصری کی روایت سے ایک حدیث بیان کی، جس پر لوگوں نے شور و غوغا کیا۔ محمد بن جعفر نے اس پر بہت زیادہ شور مچایا، جس پر ابن جریج نے ان سے کہا: "اے غندر چپ رہو" اس کے بعد سے محمد بن جعفر کا لقب غندر پڑ گیا۔

د) "غنجار": عیسیٰ بن موسی تیمی کا لقب ہے۔ یہ لقب اس کے سرخ رخساروں کے باعث اس کو دیا گیا۔

ھ) "صاعقہ": محمد ابراہیم حافظ الحدیث کا لقب ہے، اس سے بخاری نے بھی روایت کی ہے، یہ لقب انہیں ان کی قوت حافظہ کی تیزی اور بہترین یادداشت کے باعث دیا گیا تھا۔

و) مشکدانہ: عبداللہ بن عمر اموی کا لقب ہے۔ فارسی میں اس کے معنی دانہ مشک یا خانہ مشک ہے

ز) مطین: ابو جعفر حضرمی کا لقب ہے، یہ لقب ان کو اسلئے دیا گیا، کہ وہ بچپن میں بچوں کے ساتھ مٹی اور پانی سے کھیلا کرتے تھے. بچے ان کی پیٹھ پر گارا مل دیتے تھے، ابو نعیم نے ایک بار ان کو پکارا: "یا مطین! لم لاتحضر مجلس العلم؟ اے مطین! علمی مجلس میں کیوں نہیں جاتے۔

۶ - اس موضوع پر مشہور تصانیف:

اس موضوع پر متقدمین اور متاخرین علماء کی ایک بڑی جماعت نے متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ بہتر اور مختصر کتاب حافظ ابن حجر کی "نزہۃ الالباب" ہے۔

آباء کی بجائے اپنے دوسروں کی طرف نسبت رکھنے والوں کی پہچان

- ۱۴ -

۱ - اس بحث کا مقصد:

اس بحث کا مقصد یہ ہے کہ ایسے اشخاص جن کی نسبت اپنے آباء کی بجائے کسی قریبی رشتہ دار مثلاً ماں یا دادا یا کسی اجنبی مثلاً مربی کی طرف ہو رہی ہو، اس کے بعد ان کے آباء کے ناموں کی شناخت کی جائے۔

۲ - فائدہ:

ان کے آباء کی طرف نسبت کے باعث تعدد رواۃ کا جو وہم پیدا ہو سکتا ہے اسے دور کیا جائے۔

۳ - اس کی اقسام اور اس کی مثالیں:

ا) وہ شخص جو اپنی ماں کی طرف منسوب ہو. مثلاً معاذ، معوذ اور عوذ جو عفراء کے بیٹے تھے اور ان کے والد کا نام حارث ہے، اور مثلاً بلال بن حمامہ، ان کے والد کا نام رباح ہے حمامہ ان کی ماں کا نام ہے۔ یا مثلاً محمد بن حنفیہ ان کے والد حضرت علی بن ابی طالب ہیں۔

ب) وہ شخص جو اپنی دادی کی طرف منسوب ہو. دادی حقیقی ہو یا دور کی، مثلاً یعلی بن منیہ ان کے والد کا نام امیہ ہے، منیہ اس کی حقیقی دادی کا نام ہے یا مثلاً بشیر بن الخصاصیہ ان کے کے والد معبد ہیں اور خصاصیہ ان کی تیسری پشت کے دادا کی ماں کا نام ہے۔

ج) وہ شخص جس کی نسبت اس کے دادا کی طرف ہو. مثلاً ابو عبیدہ بن الجراح، ان کا اصل نام عامر بن عبد اللہ بن الجراح ہے اور مثلاً احمد بن حنبل یہ بھی دراصل احمد بن محمد بن حنبل ہیں۔

د) وہ شخص جس کی نسبت بالکل اجنبی کی طرف کسی وجہ سے ہو جائے. مثلاً مقداد بن عمرو الکندی، جن کو مقداد بن الاسود بھی کہا جاتا ہے، اس لئے کہ انہیں اسود بن عبدیغوث نے گود لے کر اپنا متبنیٰ یعنی منہ بولا بیٹا بنالیا تھا۔

۴ - اس موضوع پر مشہور تصنیف:
اس موضوع پر میں کسی مصنف کو نہیں جانتا، لیکن تراجم کی کتابوں میں بالعموم ہر راوی کی نسبت کا تذکرہ ہوتا ہے خاص کر تراجم کی ضخیم کتابیں ان سے بھری پڑی ہیں۔

ان نسبتوں کی پہچان جو اپنے ظاہر کے خلاف ہوں

- ۱۵ -

۱ - تمہید:
راویوں کی ایک ایسی تعداد بھی ہے جس کی نسبت کسی مقام، غزوہ، یا قبیلہ یا ہنر کی طرف ہوتی ہے۔ لیکن بالعموم اس سے وہ نسبت مراد نہیں ہوتی، جس کی طرف بظاہر ذہن منتقل ہوتا ہے بلکہ حقیقت میں یہ نسبت بعض عوارض کے باعث قائم ہو جاتی ہے، مثلاً کوئی شخص کسی خاص جگہ پر پہنچ کر سکونت پذیر ہو گیا یا کسی خاص صفت یا پیشہ کے لوگوں کے ساتھ اس کی ہم نشینی ہو گئی یا کوئی اور وجہ پیش آئی جس کی بناء پر اس کی نسبت اس طرف ہو گئی۔

۲ - فائدہ:
اس بحث کا فائدہ یہ ہے کہ یہ اچھی طرح معلوم ہو جائے، کہ یہ نسبتیں دراصل حقیقی نسبتیں نہیں ہیں۔ بلکہ محض بعض عوارض کے باعث ان کی طرف نسبت ہو گئی ہے۔ نیز یہ کہ وہ سبب بھی دریافت ہو جائے جس کی بنا پر یہ نسبت قائم ہوئی ہے۔

۳ - اس کی مثالیں:

ا) ابو مسعود البدری: غزوہ بدر میں شریک نہیں ہوئے۔ بلکہ وہ جاکر مقام بدر میں سکونت پذیر ہو گئے، پھر اس کی طرف منسوب ہو گئے۔

ب) یزید الفقیر: یہ فقیر نہیں تھے، البتہ ان کی ریڑھ کی ہڈی میں زخم آ گئے تھے، اس لئے فقیر کہلائے۔

ج) خالد الحذاء: یہ حذاء یعنی موچی نہیں تھے، البتہ اس پیشہ سے تعلق رکھنے والوں کے پاس جاکر بیٹھا کرتے تھے۔

۴ - انساب پر سب سے زیادہ مشہور تصانیف:
"الانساب" اس کے مصنف سمعانی ہیں ابن الاثیر نے اس کتاب کی "اللباب فی تهذیب

الانساب" کے نام سے تلخیص کی پھر سیوطی نے اس ملخص کا بھی لب اللباب کے نام سے خلاصہ لکھا۔

رواۃ کی تواریخ کی پہچان

۱۶ -

۱ - تعریف:

ا) لغت میں: تواریخ دراصل تاریخ کی جمع ہے۔ جو "اَرّخ" کا مصدر ہے۔ تلفظ کی سہولت کے لئے ہمزہ کو الف سے بدل دیا گیا ہے۔

ب) اصطلاح میں تاریخ اس وقت کی تعیین و بیان کو کہتے ہیں جس کی مدد سے اس میں پیش آنے والے احوال مثلاً ولادت، وفات اور واقعات کو منضبط کیا جاتا ہے۔

۲ - تاریخ سے مراد:

یہاں تاریخ سے مقصد یہ ہے کہ رواۃ کی تاریخ ولادت، شیوخ سے احادیث سماع، بعض شہروں میں ان کی آمد اور ان کی وفات وغیرہ، معلوم کرنا ہے۔

۳ - اس کی اہمیت اور فوائد:

یہ بڑا اہم فن ہے، سفیان ثوری کہتے ہیں: "جب ایسے حالات سامنے آئے کہ راویوں نے بھی کذب بیانی کا رویہ اختیار کیا، تو ہم نے بھی تاریخ کا اہتمام شروع کر دیا" (تاکہ جھوٹ کی گنجائش کم سے کم رہ جائے۔) اس کے فوائد میں یہ بات بھی شامل ہے کہ سند کے اتصال اور انقطاع کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے۔

اس طرح کچھ لوگوں نے کچھ دوسرے لوگوں سے روایت کرنے کا دعوی کیا جب ان کی تاریخ پر غور کیا گیا، تو ظاہر ہو گیا کہ ان لوگوں نے ان کی وفات کے کئی سال بعد روایات بیان کی ہیں۔

۴ - تاریخ کے بہتے ہوئے دھارے سے کچھ مثالیں:

ا) حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور آپ کے دونوں رفقاء حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہا کی عمروں کے متعلق صحیح روایت یہی ہے کہ ۶۳ برس تھی۔

۱ - حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات بروز دوشنبہ بوقت چاشت، ۱۲ ربیع

الاول سنہ ۱۱ھ کو ہوئی۔

۲ - حضرت ابو بکرؓ کی وفات جمادی الاول ۱۳ھ میں ہوئی۔

۳ - حضرت عمرؓ کی وفات ذی الحجہ ۲۳ھ میں ہوئی۔

۴ - حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ذی الحجہ ۳۵ ہجری میں ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر ۸۲ سال تھی بعض کے خیال میں ۹۰ سال تھی۔

۵ - حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت رمضان ۴۰ھ میں ہوئی. اس وقت ان کی عمر ۶۳ برس کو پہنچ چکی تھی۔

ب) دو ایسے صحابی ہیں، جنہوں نے اپنی عمر کے ساٹھ برس زمانۂ جاہلیت میں گزارے. اور ساٹھ برس زمانہ اسلام میں اور ۵۴ ہجری میں مدینہ میں ان کی وفات ہوئی، وہ دونوں حکیم بن حزام اور حسان بن ثابت ہیں۔

ج) ایسے ائمہ مجتہدین جن کے فقہی مذاہب پر لوگ عمل پیرا ہیں۔

نام صحابہ	سال ولادت	سال وفات
۱ - ابو حنیفہ نعمان بن ثابت	۸۰ھ	۱۵۰ھ
۲ - مالک بن انس	۹۳ھ	۱۷۹ھ
۳ - محمد بن ادریس شافعی	۱۵۰ھ	۲۰۴ھ
۴ - احمد بن حنبل	۱۶۴ھ	۲۴۱ھ
د) حدیث کی معتمد ترین کتب کے مولفین		
۱ - محمد بن اسمٰعیل بخاری	۱۹۴ھ	۲۵۶ھ
۲ - مسلم بن الحجاج نیشاپوری	۲۰۴ھ	۲۶۱ھ
۳ - ابو داؤد سجستانی	۲۰۲ھ	۲۷۵ھ
۴ - ابو عیسیٰ ترمذی	۲۰۹ھ	۲۷۹ھ
۵ - احمد بن شعیب نسائی	۲۱۴ھ	۳۰۳ھ
۶ - ابن ماجہ قزوینی	۲۰۷ھ	۲۷۵ھ

۵ - اس عنوان پر سب سے زیادہ مشہور کتب:

ا) "کتاب الوفیات" جس کے مصنف محدث دمشق ابن زبیر محمد بن عبیداللہ الربعی المتوفی ۳۷۹ھ ہیں انہوں نے اس کتاب کو سالوں کے اعتبار سے ترتیب دیا ہے.

ب) مذکورہ بالا کتاب پر ذیول یعنی نوٹ اور حواشی پہلے الکتانی. پھر الاکفانی اور پھر العراقی نے تحریر کئے ہیں۔

ثقات میں سے جو لوگ دماغی فتور میں مبتلا ہو گئے ان کی پہچان

- ۱۷ -

۱ - اختلاط کی تعریف:

ا) لغت میں اختلاط فساد عقل یا دماغی فتور کو کہتے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے، "اختلاط فلان" اس کی عقل میں فساد پیدا ہو گیا۔ (قاموس)

ب) اصطلاح میں اختلاط فساد عقل یا قول و فعل میں عدم توازن کو کہتے ہیں جو بڑھاپے یا بینائی زائل ہونے یا کتابیں وغیرہ جل کر ضائع ہو جانے کی بنا پر پیدا ہوتا ہے۔

۲ - دماغی عدم توازن کا شکار ہونے والوں کی قسمیں:

ا) بڑھاپے کی بنا پر: مثلاً عطاء بن السائب الثقفی الکوفی

ب) بینائی زائل ہونے کی بنا پر: مثلاً عبدالرزاق بن همام الصنعانی نابینا ہو جانے کے بعد ان کو حدیث کی تلقین کی جاتی تھی، یعنی بالمشافہ سمجھائی جاتی تھی پھر وہ اسے سمجھ جاتے تھے۔

ج) دیگر اسباب کی بنا پر: مثلاً عبداللہ بن لهیعہ مصری اپنا کتب خانہ جل جانے کے باعث دماغی توازن کھو بیٹھے تھے۔

۳ - ایسے شخص کی روایت کا حکم:

ا) دماغی توازن بگڑنے سے قبل ان سے جو روایت ہوئی ہو گی وہ قابل قبول ہو گی۔

ب) اس کے بعد جو روایت ہو گی وہ قابل قبول نہ ہو گی۔ اسی طرح وہ روایت بھی ناقابل قبول ہو گی، جس کے متعلق یہ شک پیدا ہو جائے، کہ وہ اختلاط سے پہلے کی ہے یا بعد کی۔

۴ - اس کی اہمیت و افادیت:

یہ بہت ہی اہم فن ہے۔ اس کی افادیت اس حقیقت میں پوشیدہ ہے کہ اس کے ذریعے کسی ثقہ کی ان روایات کا پتہ لگایا جاتا ہے جو اس مرض کے لاحق ہونے کے بعد کی ہوتی ہیں اور پھر انہیں رد کر دیا جاتا ہے۔

۵ - کیا شیخین اپنی صحیحین میں ایسی حدیثیں بھی لاتے ہیں، جن کو ایسے ثقہ راویوں نے روایت کیا جن پر اختلاط طاری ہو گیا ہو؟

جواب ہے کہ وہ ایسی حدیثیں لائے ہیں، لیکن صرف ایسی حدیثیں جن کے متعلق یہ معلوم ہو گیا ہو کہ یہ اختلاط سے پہلے کی ہیں۔

۶ - اس موضوع پر مشہور تصانیف:

اس موضوع پر متعدد علماء کبار نے کتابیں لکھی ہیں۔ مثلاً علائی اور حازمی وغیرہ، اسی طرح کی ایک کتاب "الاغتباط بمن رمی بالاختلاط" ہے جس کے مصنف حافظ ابراہیم ابن محمد سبط العجمی المتوفی سنہ ۸۴۱ھ ہیں۔

علماء اور رواۃ کے طبقات کی پہچان

- ۱۸ -

۱ - طبقہ کی تعریف:

ا) لغت میں باہم مشابہ لوگوں کو طبقہ کہا جاتا ہے۔

ب) اصطلاح میں یہ ایسے لوگوں کو کہتے ہیں، جو اپنی عمروں اور اسناد میں یا صرف ایک دوسرے سے بہت قریب ہوں[۳۱]۔ تقارب فی الاسناد کے معنی یہ ہیں، کہ ایک شخص کے جو لوگ شیوخ ہوں، وہی دوسرے کے شیوخ ہوں، یا اس کے شیوخ کے قریب قریب ہوں۔

۲ - طبقہ کی معرفت کا فائدہ:

ا) اس کا فائدہ یہ ہے کہ کیفیت اور نام میں مشابہت رکھنے والوں کے درمیان ایک دوسرے میں تداخل سے محفوظ رہا جا سکتا ہے، اس لئے کہ کبھی دو نام ہم لفظ ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے ہر ایک پر دوسرے کے گمان کا امکان پیدا ہو جاتا ہے لیکن ان دونوں کے طبقات کا علم ہو جانے سے دونوں اشخاص کے درمیان امتیاز کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

ب) عنعنہ کی حقیقی مراد معلوم ہو جاتی ہے۔

۳ - دو راوی ایک اعتبار سے:

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے، کہ دو راوی ایک اعتبار سے ایک ہی طبقہ میں شمار ہوتے ہیں، لیکن دوسرے اعتبار سے دو طبقوں میں شمار ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ انس بن مالک اور ان کی طرح کے کم عمر

صحابہ. جو ایک طرف طبقہ عشرہ مبشرہ کے ساتھ اس لحاظ سے شریک ہیں کہ یہ بھی صحابہ ہیں. اسلئے کہ جملہ صحابہ کرام ایک ہی طبقہ میں شمار ہوتے ہیں. دوسری طرف اسلام میں سبقت کے لحاظ سے صحابہ کرام کے بھی دس کے قریب طبقات بن جاتے ہیں۔ جیسا کہ معرفۃ الصحابہ کے عنوان میں گزر چکا ہے. اس لحاظ سے حضرت انس بن مالک اور ان کی طرح کے دوسرے افراد عشرہ مبشرہ کے طبقہ میں شمار نہیں ہو سکتے۔

۴ - ناظر کی اس سلسلے میں کیا ذمہ داری ہے؟

علم طبقات کے ناظر کے لئے ضروری ہے کہ وہ رواۃ کی تاریخ پیدائش اور وفات کا علم رکھتا ہو. اور اس کو یہ بھی علم ہو. کہ انہوں نے کن کن لوگوں سے روایات لی ہے. اور خود ان سے کن کن لوگوں نے روایات لی ہیں۔

۵ - اس عنوان پر مشہور ترین تصانیف:

ا) کتاب "الطبقات الکبری" ابن سعد اس کے مصنف ہیں۔

ب) کتاب "طبقات القراء" ابو عمرو دانی کی یہ تصنیف ہے۔

ج) کتاب "طبقات الشافعیہ الکبری" عبدالوھاب سبکی اس کے مصنف ہیں۔

د) "تذکرۃ الحفاظ" مصنفہ امام ذہبی۔

ایسے علماء اور رواۃ کی پہچان جو موالی تھے

- ۱۹ -

۱ - مولی کی تعریف:

ا) لغت میں موالی: مولیٰ کی جمع ہے. اور مولیٰ کا لفظ اضداد میں سے ہے. اس کا اطلاق، مالک اور غلام اور آزاد کرنے والے اور آزاد شدہ دونوں پر ہوتا ہے۔ ۳۲

ب) اصطلاح میں ہر وہ شخص جس نے کسی دوسرے کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کیا ہو یا وہ آزاد ہو یا کسی دوسرے کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا ہو۔

۲ - موالی کی اقسام:

موالی کی تین اقسام ہیں:

ا) موالی الحلف: مثلاً امام مالک بن انس اصبحی تیمی وہ نسلی لحاظ سے اصبحی ہیں اور موالات کے لحاظ سے بھی ہیں، یہ اس لئے کہ ان کی قوم "اصبح" حلف ولاء

(دوستی اور حمایت کے معاہدہ) کے ذریعہ تیم قریش کی "موالی" بن گئی -

ب) مولی العتاقہ: مثلاً ابو البختری الطائی التابعی ان کا نام سعید بن فیروز ہے. یہ قبیلہ طی کے ایک شخص کے غلام تھے. جس نے ان کو آزاد کر دیا تھا۔

ج) مولی الاسلام: مثلاً محمد بن اسمٰعیل بخاری جعفی ، ان کے دادا مغیرہ مجوسی تھے جو یمان بن اخنس جعفی کے ہاتھ پر اسلام لے آئے تھے۔ اس لئے اس نسبت سے وہ بھی جعفی کہلانے لگے۔

۳ - اس کے فوائد:

التباس سے بچاؤ رہتا ہے اور جس قبیلے کی طرف نسب یا ولاء کی بنا پر نسبت ہوتی ہے اس کی پہچان ہو جاتی ہے اور اس طرح جو شخص ولاء کی وجہ سے کسی قبیلہ کی طرف منسوب ہو. اور اس کا ہم نام جو اس قبیلہ سے نسبی تعلق رکھتا ہو. دونوں میں تمیز کرنا ممکن ہو جاتا ہے۔

۴ - اس عنوان پر مشہور تصانیف:

ابو عمر الکندی نے صرف راویوں کی نسبتوں کے بارے میں لکھا ہے۔

ضعیف راویوں کی پہچان

- ۲۰ -

۱ - ثقہ اور ضعیف کی تعریف:

ا) لغوی لحاظ سے. ثقہ موتمن یعنی امانت دار کو کہتے ہیں اور قوی کی ضد ہے۔ ضعف حسی بھی ہو سکتا ہے اور معنوی بھی۔

ب) اصطلاح میں ثقہ: عادل و ضابط کو کہتے ہیں اور ضعیف سے مراد ایسا شخص ہے جس کے حفظ و ضبط یا عدالت پر طعن کیا گیا ہو۔ یعنی جرح یا تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہو۔

۲ - اس کی اہمیت و افادیت:

ثقہ اور ضعیف راویوں کی پہچان علوم حدیث کی اہم ترین انواع میں سے ہے. اس لئے کہ اس کے واسطہ سے صحیح اور ضعیف حدیث میں امتیاز کیا جا سکتا ہے۔

۳ - مشہور ترین تصانیف اور ان کی اقسام:

ا) ایسی تصانیف جو صرف ثقات کے بیان پر مشتمل ہیں. مثلاً کتاب "الثقات"

مصنفہ ابن حبان۔ اور کتاب "الثقات" مصنف العجلی

ب) ایسی تصانیف جو صرف ضعفاء کے بیان میں ہیں، یہ بہت زیادہ ہیں، مثلاً امام بخاری، امام نسائی، عقیلی اور دارقطنی کی کتابیں جن میں سے ہر ایک کا نام "الضعفاء" ہے اسی طرح ابن عدی کی "الکامل فی الضعفاء" اور ذہبی کی "المغنی فی الضعفاء"

ج) ایسی کتب بھی ہیں جو ثقات اور ضعفاء دونوں کو بیان کرتی ہیں، یہ کتب بھی بہت زیادہ ہیں۔ مثلاً بخاری کی کتاب "تاریخ کبیر" اور ابن ابی حاتم کی "الجرح و التعدیل" یہ رواۃ کی صفات و خصوصیات پر مشتمل عمومی کتب ہیں۔ کچھ کتابیں ایسی ہیں جو حدیث کی کسی ایک یا متعدد کتابوں کے راویوں کو بیان کرتی ہیں۔ مثلاً عبدالغنی مقدسی کی کتاب "الکمال فی اسماء الرجال" اس کے علاوہ مزی، ذہبی، ابن حجر اور خزرجی کی تصانیف جو مذکورہ بالا کتاب کی بہتر تدوینی شکلیں ہیں۔

رواۃ کے اوطان و بلدان کی پہچان

- ۲۱ -

۱ - اس بحث سے مراد :

اوطان، وطن کی جمع ہے، اس سے مراد وہ خطہ زمین ہے جس میں آدمی پیدا ہوتا یا قیام کرتا ہے۔ بلدان، بلد کی جمع ہے، اس سے مراد وہ شہر یا بستی ہے، جس میں پیدا ہوتا یا سکونت اختیار کرتا ہے، اس بحث سے مراد رواۃ کے ان علاقوں اور شہروں کا علم حاصل کرنا ہے جن میں یہ لوگ پیدا ہوئے یا سکونت اختیار کی۔

۲ - اس کے فوائد :

دو متفق اللفظ ناموں کے درمیان امتیاز پیدا کرنا، جب وہ دونوں دو الگ الگ شہروں سے ہوں اور یہ ایک ایسی چیز ہے جس کی حفاظت کو اپنے کام اور تصنیفات میں اکثر ضرورت پڑتی ہے۔

۳ - عرب و عجم کے سب لوگ کس چیز کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں؟

ا) قدیم زمانہ میں عربوں کا معمول تھا کہ وہ اپنی نسبت اپنے قبائل ہی کی طرف کرتے تھے

اس لئے کہ ان کی اکثریت بدوی تھی اور سفری زندگی ہی سے آشنا تھی، ان کا رابطہ اپنی زمین اور وطن کے مقابلہ میں اپنے قبائل سے زیادہ ہوتا تھا۔ جب اسلام آیا اور وہ شہروں اور بستیوں میں سکونت پذیر ہو گئے تو انہوں نے اپنے شہروں اور بستیوں ہی کی طرف نسبت کو پسند کیا۔

ب) لیکن عجمی لوگ قدیم زمانہ ہی سے اپنے آپ کو شہروں اور بستیوں کی طرف منسوب کرتے آئے تھے۔

۴ - ترک وطن کرنے والا شخص اپنی نسبت کس طرف کرے گا؟

ا) جب کوئی شخص اپنے وطن متروک اور وطن مالوف دونوں کی طرف نسبت کا ارادہ کرے تو پہلے اپنے وطن اصلی کی طرف نسبت کرے، پھر اپنے وطن جدید کا ذکر کرے جس کی طرف منتقل ہو کر آیا ہے اور بہتر ہو گا کہ دوسرے نام سے پہلے "ثم" کا لفظ لگائے مثلاً وہ شخص جو حلب میں پیدا ہوا پھر مدینہ منورہ کی طرف منتقل ہو گیا۔ وہ ان الفاظ میں اپنی نسبت بیان کرے "فلان الحلبی ثم المدنی" (فلاں شخص جو پہلے حلبی تھا پھر مدنی ہو گیا)

ب) لیکن اگر دونوں وطنوں کو جمع رکھنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو، تو اس کو اختیار ہے کہ دونوں میں سے جس کی طرف چاہے نسبت کر لے، لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے۔

۵ - ہر شخص کسی شہر کے تابع بستی میں رہتا ہو، وہ کس طرح نسبت کرے گا؟

ا) وہ اس بستی کی طرف نسبت کر سکتا ہے جس میں وہ رہتا ہے۔

ب) وہ اس شہر کی طرف بھی نسبت کر سکتا ہے جس کے ماتحت یہ بستی ہے۔

ج) وہ اپنے آپ کو اس علاقے کی طرف بھی منسوب کر سکتا ہے جس کا یہ شہر ایک حصہ ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ جب کوئی شخص باب کا رہنے والا جو حلب شہر کے تابع ہے اور حلب شام کا ایک شہر ہے تو وہ اپنی نسبت میں فلان البابی یا فلان الحلبی یا فلان الشامی کہہ سکتا ہے۔

۶ - اس مدت کی مقدار کیا ہے:

اگر کوئی شخص کسی شہر میں گذارے تو اس کی طرف اپنی نسبت کر سکتا ہے۔ عبداللہ بن مبارک نے کہا ہے کہ چالیس سال

۷ - اس موضوع پر مشہور تصانیف:

ا) اگر ہم سمعانی کی کتاب "الانساب" جس کا اسی سلسلے میں پہلے ذکر آ چکا ہے۔ اس میں شمار کریں تو بے جا نہ ہو گا، اس لئے کہ وہ اوطان وغیرہ کی طرف انتساب کو بیان کرتے ہیں۔

ب) طبقات بن سعد کا شمار بھی اسی طرح کی کتب میں کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ وہ بھی اپنی اس کتاب میں رواۃ کے علاقوں اور بلاد کا ذکر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور توفیق سے، میں نے اس کتاب کو آخر تک پہنچایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے ہمارے امام راہنما خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ان کی آل و اصحاب پر اپنی ان گنت رحمتیں نازل فرمائے! آمین

الحمد للہ رب العالمین

باب چہارم

۱۔ شرح نخبۃ الفکر ص ۶۱

۲۔ التقریب بشرح التدریب جلد دوم ص ۱۶۸۔ امام بیہقی کی وفات ۴۵۸ھ اور ابن خلف کی وفات ۴۸۷ھ میں ہوئی تھی

۳۔ امام ابو داؤد نے باب الوتر میں اس حدیث کی تخریج کی ہے۔

۴۔ حاکم نے معرفتہ علوم الحدیث کے صفحہ ۴۲ پر اس حدیث کی مسلسل کی صورت میں تخریج کی ہے

۵۔ حاکم نے اس کی تخریج مسلسل کی صورت میں معرفتہ علوم الحدیث۔ کے صفحہ پر کی ہے۔

۶۔ مالک رحمہ اللہ کی حیثیت ایک امام اور حافظ الحدیث کی ہے جب کہ عبداللہ بن دینار فقط ایک راوی اور شیخ ہیں اگرچہ عمر میں امام مالک سے بڑے ہیں

۷۔ البرقانی خطیب بغدادی سے عمر میں بڑے ہیں اور ان کا درجہ بھی بلند ہے اس لئے کہ وہ خطیب بغدادی کے شیخ اور علم میں بھی بڑھ کر ہیں

۸۔ ابو العشراء کے اپنے نام اور باپ کے نام میں اختلاف ہے۔ مشہور قول یہ ہے کہ ان کا نام اسامہ بن مالک ہے۔

۹۔ القاموس جلد چہارم ص ۲۶۰

۱۰۔ متقارب فی الاسناد وہ رواۃ ہیں جنہوں نے ایک ہی طبقہ کے شیوخ سے حدیثیں روایت کی ہوں۔

۱۱۔ اس لئے کہ معروف طریقہ تو یہی ہے کہ شاگرد اپنے شیخ سے روایت کرے۔ لیکن جب وہ اپنے قرین یعنی ساتھی سے روایت کرتا ہے تو اس نوع کی روایت سے واقف انسان یہ خیال کر لیتا ہے کہ اس قرین کا ذکر روایت لکھنے والے نے اپنے طور پر کر دیا ہے

۱۲۔ تاکہ اس اسناد کے سامع یا قاری کو یہ وہم نہ ہو روایت میں اسناد کے اصل الفاظ یہ ہیں "حدثنا فلان (و) فلاں۔ یعنی ہم سے فلاں اور فلاں نے روایت کی۔ لیکن غلطی سے " حدثنا فلان عن فلان کے الفاظ منہ سے نکل گئے یعنی ہم سے فلاں نے حدیث بیان کی اور اس سے فلاں نے بیان کیا۔

۱۳۔ امام بخاری کی وفات سنہ ۲۵۶ھ میں ہوئی جب کہ خفاف نیشاپوری کا انتقال سنہ ۳۹۳ھ میں ہوا۔ بعض کا قول ہے ان کی وفات سنہ ۳۹۴ھ میں ہوئی اور بعض کے نزدیک سنہ ۳۵۹ھ میں ہوئی

۱۴۔ مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سو سال کے اندر اندر کوئی صحبت رسول کا دعویٰ کرے تو یہ دعویٰ قابل قبول ہو سکتا ہے لیکن اگر ایک زمانہ گذرنے کے بعد اس کا دعویٰ دار ہو گا تو اس کا دعویٰ نا قابل قبول ہو گا مثلاً بھارت کے رتن نامی ایک ہندو نے چھ سو ہجری کے بعد صحبت کا دعویٰ کیا تھا۔ اور در حقیقت یہ ایک مکار اور جھوٹا انسان تھا۔ ذہبی نے میزان جلد دوم ص ۴۵ پر اس کا تذکرہ کیا ہے۔

۱۵۔ التقریب مع التدریب جلد دوم، ص ۲۲۰

۱۶۔ عبداللہ بن المبارک نے ابو سلمہ کی بجائے سالم بن عبداللہ بن عمر کو ان میں شمار کیا ہے جب کہ ابو الزناد نے سالم اور ابو سلمہ کی بجائے ابو بکر بن عبدالرحمٰن کو ان میں شمار کیا ہے۔

۱۷۔ یہ ام الدرداء صغریٰ ہیں ان کا نام ہجیمہ ہے، کہا جاتا ہے کہ ہجیمہ، یہ ابوالدرداء کی بیوی ہیں۔ ام الدرداء کبریٰ بھی ابوالدرداء کی بیوی ہیں ان کا نام خیرہ ہے اور یہ صحابیہ ہیں۔

۱۸۔ الرسالۃ المستطرفۃ ص ۱۰۵

۱۹۔ یعنی صحابہ میں ایسے سات حقیقی بھائی نہیں گذرے جو سب کے سب ہجرت کے شرف سے مشرف ہوئے ہوں صرف مذکورہ بالا ساتوں بھائی اس سعادت سے بہرہ ور ہوئے تھے[۲۰] "السراج" چراغ بنانے کی صنعت کی طرف نسبت ہے۔ اس کے دادا چراغ سازی کا کام کرتے تھے، ان کا نام ابو العباس محمد بن اسحاق بن ابراہیم الثقفی تھا ان کا تعلق بنو ثقیف سے نہیں تھا بلکہ یہ ان کے آزاد کردہ غلام تھے۔ یہ بزرگ اپنے زمانہ کے نیشاپور میں نامور محدث تھے، جن سے بخاری اور مسلم دونوں نے روایات لی ہیں۔ وفات سنہ ۳۱۳ھ میں ہوئی۔

۲۱۔ اگر صرف نام میں یکسانیت ہو تو ایسی صورت میں بہت ہی کم اشکال پیش آ سکتا ہے۔

۲۲۔ خطیب بغدادی کی کتاب المتفق والمفترق، میں یہ مثال میرے لئے سب سے زیادہ غرابت کا پہلو لئے ہوئے ہے۔ اگرچہ اس کتاب کے نام میں یکسانیت رکھنے والے افراد کی زیادہ سے زیادہ تعداد سترہ بتائی گئی ہے۔[۲۳] نخبۃ الفکر ص ۶۸

۲۴۔ اس کا ایک قلمی نسخہ استنبول کے کتب خانہ اسعد آفندی میں سلسلہ نمبر ۲۰۹۷ کے تحت موجود ہے لیکن یہ ناقص ہے۔ اس کے ۲۳۹ اوراق ہیں جو دسویں جزء سے شروع ہو کر اٹھارویں جزء یعنی آخر کتابت تک ہیں۔ شیخ عبداللہ بن حمید کے پاس اس کا ایک حصہ موجود ہے جو تیسرے جزء سے نویں جزء تک ہے۔

۲۵۔ نخبۃ الفکر ص ۶۸

۲۶۔ المنشأ یہ دراصل اس سے ماقبل کی دونوں قسموں المتفق والمفترق، اور المؤتلف والمختلف سے مرکب ہے۔

۲۷۔ یعنی راویوں کے نام تلفظ میں مختلف ہوں لیکن ان کے آباء کے نام رسم الخط اور تلفظ کے لحاظ سے یکساں ہوں۔

۲۸۔ اس نوع کا بعضوں نے المتشابہ المقلوب، نام رکھا ہے۔ یعنی اشتباہ کا وقوع ذہن میں ہو رسم الخط میں نہ ہو۔ خطیب بغدادی نے اس نوع پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام رافع الارتیاب فی المقلوب من الاسماء والانساب رکھا ہے۔

۲۹۔ ان کے دو مکمل نسخے دارالکتب مصر میں موجود ہیں میرے پاس ان دونوں کا فوٹو سٹیٹ موجود ہے۔

۳۰۔ امام ترمذی کی سن ولادت میں اختلاف ہے۔ اکثر مورخین نے آپ کی سن ولادت کی تحدید نہیں کی بلکہ صرف اتنا ذکر کیا ہے کہ آپ تیسری صدی ہجری کے پہلے عشرے میں پیدا ہوئے۔ تاہم بعض متاخرین نے آپ کی سن ولادت ۲۰۹ ہجری بیان کی ہے۔ شمائل ترمذی کے شارح محمد بن قاسم جسوس بھی ان میں [illegible] شرح [illegible] جلد اول ص ۴

۳۱۔ تدریب الراوی جلد دوم ص ۳۸۱

۳۲۔ القاموس جلد چہارم ص ۴۰۴